خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون.... مظاہر علوم سہارن پور.... دار العلوم کراچی
ودیگر مراکز علم سے حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے
دستیاب شدہ نادر ونایاب رسائل کی پہلی مرتبہ یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت 80

مجموعہ تالیفات

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

الحمد للہ! عرصہ دراز کی جستجو کے بعد تقریباً 325 رسائل
اس مجموعہ میں شائع کیے جا رہے ہیں۔

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
(شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی)

مرتب

قاری محمد اسحاق
(مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

اِجمالی فہرست

بسم الله الرحمن الرحيم

ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا خاتم النبيين لا نبي بعدي

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

بَلَغَ الْعُلٰى بِجَمَالِهٖ — كَشَفَ الدُّجٰى بِجَمَالِهٖ

خصال خاتمیت سے وہی سب سے حسیں بڑھ کر — ذات خاتمیت پر درود اور آل اطہر پر

حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ — صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ

کمال خاتمیت سے گئے عرش معلیٰ پر — جمال خاتمیت سے اجالے ہو گئے یکسر

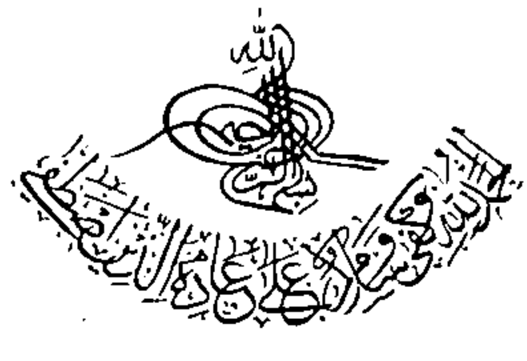
صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

اِجمالی فہرست

اَلْحِیْلَۃُ النَّاجِزَۃ لِلْحَلِیْلَۃِ الْعَاجِزَۃ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ، کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ
مَوْلَانَا مُحَمَّدْ اَشْرَفْ عَلِی التَّھَانَوِیْ
نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

قاضی شرعی نہ ہونے کی وجہ سے زوجہ مفقود و مجنون کو تفریق میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اِس کتاب میں اُن کا شرعی علاج اور تدبیر تحریر فرمائی ہے۔



مُقدّمہ

(بقلم: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ)

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ رسالہ مجموعہ ہے چند فتاویٰ کا جن میں تفویض طلاق منکوحہ کا مسئلہ تو جو رسالہ جزو اول ہے فقہ حنفی کا فتویٰ ہے، اور جزو دوم علماء مالکیہ اہل مدینہ کے فتاویٰ ہیں جن میں سے بعض اجزاء فقہ حنفی میں بھی پائے جاتے ہیں، اور بعض اجزاء فقہ مالکی کے ساتھ مخصوص ہیں، وجہ ان کے جمع کرنے کی دو امر ہیں:

تالیفِ رسالہ کی پہلی وجہ

ایک تو جواب دینا ہے اس اعتراض کا جو بعض واقعات کے متعلق ہے، اور وہ واقعات عورتوں کی کلفت کے ہیں جن کا تعلق شوہر سے ہے، جس کے اسباب یہ ہیں:

(۱) شوہر کا مفقود ہو جانا (۲) شوہر کا مجنون ہو جانا (۳) شوہر کا عورت کے قابل نہ ہونا (۴) شوہر کا باوجود وسعت کے بیوی کو خرچ نہ دینا۔ و مثل ذٰلک۔

اور وہ اعتراض یہ ہے کہ اسلام نے بلا واسطہ قاضی شرعی کے جو کہ ہندوستان میں نایاب یا کم یاب ہے براہ راست ان مصائب سے عورتوں کو نجات حاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں

بتلایا، جس سے مجبور اور پریشان ہوکر بہت سی عورتیں اسلام سے مرتد ہو رہی ہیں۔

یہ بات واضح رہے کہ اس بے ہودہ کارروائی سے بھی شرعاً نکاح فسخ نہیں ہوتا، گو تجدید اسلام وتجدید نکاح سے قبل موجودہ خاوند کے لئے ہم بستری وغیرہ حرام ہو جاتی ہے۔ **و بعض مشائخ بلخ و مشائخ سمرقند افتوا بعدم الفرقة بردتها حسماً لباب المعصية والحيلة للخلاص منه.** (البحر الرائق، کتاب النکاح/باب نکاح الکافر ۳/۳۷۲ زکریا۔ درمختار، کتاب النکاح/باب نکاح الکافر ۴/۳۶۶ زکریا)

اس مسئلہ کو رسالہ ہٰذا کا ضمیمہ بنا کر آخر میں ملحق کر دیا گیا ہے۔ نیز ضمیمہ میں یہ بھی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر سے کرنا ہرگز جائز نہیں قطعاً حرام ہے۔ **حرم على المتزوج ذكراً كان او انثىٰ...... وحرم نكاح الوثنية بالاجماع.** اور اسی طرح کتابیہ کے سوا کسی کافر عورت سے مسلمان مرد کا نکاح بھی بالکل باطل اور حرام قطعی ہے۔ **والمجوسية والوثنية أي وحرم تزوجهما على المسلم...... وحل تزوج الكتابية**

(البحر الرائق، کتاب النکاح/فصل فی المحرمات ۳/۱۸۰ از کریا، درمختار، کتاب النکاح/مطلب فهم في وطئ السراري اللاتي يؤخذن غنيمة في زماننا ۳/۱۲۵ از کریا)

(چنانچہ تھوڑے ہی روز ہوئے سنا تھا کہ بعض علاقوں میں بہت قلیل مدت میں کثیر تعداد میں عورتیں مرتد ہو چکی ہیں) اگرچہ اس کا جواب بالکل ظاہر ہے کہ اسلام کا کام صرف تدبیر بتلانا ہے، پھر اگر اہل اسلام اس پر عمل نہ کریں تو موردِ الزام اسلام یا اہل اسلام جن میں یہ معترضین بھی داخل ہیں، اور وہ تدبیر یہی ہے جو معترضین کے اعتراضی کلام میں مذکور ہے کہ ایسے حاکم اور قاضی ﴿ قاضی کے لئے شرعاً جو صفات ضروری ہیں ان کی تفصیل کتب فقہ ہدایہ، عالمگیری، ردالمحتار وغیرہ میں موجود ہے، بوقت ضرورت مراجعت کر لی جائے، یہاں چند ضروری صفات کو ذکر کیا جاتا ہے، ایک شرط یہ ہے کہ قاضی مسلمان ہو غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح مکلف ہونا بھی شرط ہے، بچہ یا

مجنون قاضی نہیں بن سکتے، یہ بھی شرط ہے کہ آنکھ، کان اور زبان صحیح وسالم ہوں، اندھا یا بہرا یا گونگا نہ ہو۔ وفی الحاکم العقل والبلوغ والاسلام والحریة والسمع والبصر والنطق والسلامة عن حد القذف وأن یکون مولی للحکم دون سماع الدعویٰ الاجتهاد. (البحر الرائق، کتاب القضاء ۴۳۳/۲ زکریا) اور یہ بھی شرط ہے کہ رشوت دے کر قاضی نہ بنا ہو، اور اگر رشوت دے کر قاضی ہوگیا تو وہ شرعاً قاضی نہ ہوگا، اور اس کا حکم بھی نافذ نہ ہوگا۔ واذا اخذ القضاء بالرشوة لایصیر قاضیاً ای بمال دفعه لتولیته لم تصح تولیته وهو الصحیح، ولو قضیٰ لم ینفذ، وبه یفتیٰ. (البحر الرائق کتاب القضاء ۴۳۹/۲ زکریا) اور یہ بھی ضروری ہے کہ علم دین میں مہارت تامہ رکھتا ہو۔ فلابد من کون الحاکم فی الدماء والفروج عالماً دیناً. (ردالمحتار، کتاب القضاء / فی الاجتهاد و شروطه ۳۹/۸ زکریا) جاہل کو قاضی بنانا جائز نہیں (دل ان الجاهل لایمکنه القضا بالفتوی البحر الرزائق کتاب القضا۴۴۵.۶ زکریا) یہ دوسری بات ہے کہ اگر کہیں جاہل قاضی بن گیا اور اس نے اہل علم سے فتویٰ لے کر شریعت کے موافق فیصلہ کردیا تو اس کا حکم نافذ ہوجائے گا۔ اسی طرح فاسق کو بھی قاضی بنانا جائز نہیں اگر چہ وہ عالم بھی ہو، گو فیصلہ اس کا نافذ ہوجائے گا، بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو، مگر مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ اس کے معزول کرانے کی کوشش کریں۔ والفاسق أهل للقضاء کما هو أهل الشهادة الا أنه لا ینبغی أن یقلد...... ولا ینبغی تقلیده: لأن القضاء من باب الأمانة والفاسق لا یؤتمن فی أمر الدین لقلة مبالاته به...... ومقتضی الدلیل أن لایحل أن یقضی بها فان قضیٰ جاز ونفذ (البحر الرائق، کتاب القضاء ۴۳۸/۲ زکریا)﴾ مقرر کیے جائیں جو بزورِ حکومت ان قضایا کو فیصل کرسکیں، اور اگر اس کی قوت نہ ہو تو حکومت موجودہ سے مطالبہ اور کوشش کریں کہ وہ ایسے حاکم مقرر کردے جن میں وہ سب صفات ہوں جو

قاضی شرعی میں ہونا چاہئیں، یا کم از کم ہر ضلع میں ایک ایسا حاکم مسلمان مقرر کردے جو ایسے معاملات میں حکم شد کا اختیار رکھے۔ اور اگر وہ عالم نہ ہوتو قانوناً اس کے ذمہ لازم کیا جائے کہ ہر معاملہ میں علماء سے فتویٰ حاصل کر کے حکم دیا کرے۔ اور اگر مسلمان اس کا انتظام نہ کریں، یا ان کی ایسی درخواست اور کوشش کامیاب نہ ہوتو انصاف کرنا چاہئے کہ پھر اسلام پر اعتراض کرنا بالکل نص ﴿لا تزر وازرة وزر اخرىٰ﴾ کی جو کہ مسئلہ عقلیہ بھی ہے، مخالفت اور بالکل مولاناؒ کے اس شعر کا مصداق ہے:

حملہ بر خودمی کنی اے سادہ مرد ہمچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد

اور یہ جواب معترضانہ اور ظالمانہ سوال کے حل کے لئے تو بالکل کافی ہے، لیکن ایک مستفیدانہ اور مظلومانہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے، وہ یہ کہ اگر اسلام میں ایسے مسائل موجود ہوں کہ بدونِ طلاق یا وفات شوہر کے بھی مقصود حاصل ہو سکے، تو ان کے بتلانے سے ان مظلومات کی نجات کی سبیل بھی معلوم ہو جائے گی۔

ہر چند کہ اصولِ عقلیہ سے ایک جواب کے بعد دوسرے جواب کا مطالبہ سائل کا حق نہیں مگر چونکہ اس دوسرے جواب میں ان مظلومات کی بھی مصلحت ہے، اس لئے تبرعاً اس جواب کا بھی انتظام کیا گیا، وہ یہ ہے کہ جن عورتوں کا ابھی نکاح نہیں ہوا ان کی کلفتوں کے انسداد کے لئے تو فقہ حنفی سے ایک مسئلہ لکھا گیا جو اس مجموعہ کا جز و اول ہے، اور جن عورتوں کا نکاح ہو چکا ہے ان کی کلفتوں کے رفع کے لئے چونکہ فقہ حنفی میں ایسے مسائل کم ہیں، اس لئے ایسے واقعات کے متعلق مدینہ طیبہ سے چند بار مراسلت کے بعد علماء مالکیہ سے فتاویٰ حاصل کئے گئے، جو جزو دوم میں مذکور ہیں، پس اب اس کے بعد یہ سوال ہی باقی نہیں رہا کہ اسلام میں کوئی ایسی تدبیر نہیں جس میں قاضی شرط نہ ہو۔

رہا یہ کہ فقہ حنفی پر کسی کو عدم کفایت کا سوال ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود فقہ حنفی میں بھی خاص شرائط کے ساتھ کہ ان کی رعایت اس رسالہ میں کر لی گئی ہے۔

چنانچہ شرط اوّلین تو یہی ہے کہ مذہب غیر پر عمل کرنا ضرورت شدیدہ کی بنا پر ہو،

اتباع ہوا کے لئے نہ ہو، اور اس شرط پر تمام امت کا اجماع اور اتفاق علامہ ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے۔ حیث قال فی من نکح عند شهود فسقة ثم طلقها ثلاثا فأراد التخلص من الحرمة المغلظة بأن النكاح كان فاسدا فی الأصل علی مذهب الشافعیؒ فلم يقع الطلاق مانصه، وهذا القول يخالف اجماع المسلمين فانهم متفقون على أن من اعتقد حل الشیٔ كان عليه أن يعتقد ذلک سواء وافق غرضه أو خالف. ومن اعتقد تحريمه كان عليه أن يعتقد ذلک فی الحالين وهؤلاء المطلقون لا يفكرون فی فساد النكاح يفسق الولی الاعند الطلاق الثلاث لاعند الاستمتاء التوارث يكونون فی وقت يقلدون من يفسده، وفی وقت يقلدون من يصححه بحسب الغرض والهوی، ومثل هذا لا يجوز باتفاق الأمة (ثم قال بعد ثلاثة أسطر) ونظير هذا أن يعتقد الرجل ثبوت شفعة الجوار اذا كانا طالبا لها وعدم ثبوتها اذا كان مشتريا فان هذا لايجوز بالاجماع، وكذا من بنی صحة ولاية الفاسق فی حال نكاحه وبنی علی فساد ولايته حال طلاقه لم يجز ذلک باجماع المسلمين. ولو قال المستفتی: المعين انا لم أكن أعرف ذلک وأنا اليوم التزم ذلک لم يكن من ذلک لأن ذلک يفتح باب التلاعب بالدين ويفتح الذريعة الی أن يكون التحليل والتحريم بحسب الأهواء. (فتاوی ابن تیمیہ ۲/۲۴۰-۲۴۱)

وفی باب قبول الشهادة من رد المحتار عن القنية، وقيل لمن انتقل الی مذهب الشافعی رحمه الله تعالٰی ليزوج له أخاف أن يموت مسلوب الايمان لاهانته للدين بجيفة قذرة، وفی آخر هذا الباب من المنح وان انتقل اليه لقلة مبالاته فی الاعتقاد والجراء ة علی الانتقال من مذهب الی مذهب كما يتفق له، ويميل طبعه اليه لغرض يحصل له، فانه لاتقبل شهادته.

(فتاویٰ شامی، کتاب الشهادات / باب القبول وعدمه ۸/۲۰۰ طبع زکریا دیوبند)

وأوضح منه ما فی تعزیر رد المحتار فراجعه.(فتاویٰ شامی، کتاب الحدود / باب التعزیر / مطلب فیما اذا ارتحل الی غیر مذھبه ۱۳۲/۶ طبع زکریا دیوبند) وبه صرح العلامة محمد بن علی البیضاوی فی الروایة الثامنة والثلاثین من الفتاوی المالکیة الملحقة بآخر الرسالة.

ہم نے اس رسالہ میں اسی شرط (یعنی عدم اتباع ہواء کی بناء پر صرف ان مواضع میں مذہب مالکیہ پر عمل کی اجازت دی ہے جہاں ضرورتِ شدیدہ یقینی طور پر مشاہدہ و متیقن ہوگئی، اور جہاں شدت ضرورت کا تیقن نہیں ہوا وہاں مذہب مالکیہ کی تسہیلات سے کام نہیں لیا۔اور ایک شرط مذہب غیر پر عمل کرنے کی جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ہے کہ تلفیق خارق اجماع نہ ہو حتیٰ کہ صاحب درمختار نے اس پر اجماع بایں الفاظ بیان کیا ہے:"ان الحکم الملفق باطل بالاجماع" اوراس شرط کی تفاصیل و قیود میں کلام طویل اور اختلاف کثیر ہے، جس کو ایک مستقل رسالہ "التحقیق فی التلفیق" میں ضبط کر کے اعلاء السنن کی کتاب البیوع کے مقدمہ کا جزو بنادیا گیا ہے،اور ہمارے نزدیک ان اقوالِ مختلفہ میں سے یہ قول اعدل الأقوال ہے کہ عمل واحد میں تلفیق خارق للاجماع کی اجازت نہ ہواور دو عمل جداگانہ ہوں،تو ان میں تلفیق کی اجازت دی جائے گو ظاہراً خلاف اجماع لازم آتا ہو،مثلاً کوئی شخص بے ترتیب وضو کرے تو شافعیہ کے نزدیک وضو صحیح نہیں اور کوئی شخص ربع رأس سے کم مسح کرے تو حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ہوتا، پس اگر کوئی شخص اس طرح وضو کرے کہ ترتیب کی رعایت نہ ہو اور مسح کرے، ربع راس سے کم کا تو کسی کے نزدیک بھی وضو نہیں ہوا۔اور یہ تلفیق خارق اجماع ہے اور اگر کسی نے وضو میں چوتھائی سر سے کم کا مسح کیا اور نماز میں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی تو ظاہراً اس صورت میں بھی خرق اجماع لازم آتا ہے، کہ وضو شافعیہ کے مذہب پر ہے اور نماز حنفیہ کے مذہب پر، مگر وضو جدا عمل ہے اور نماز جدا،اس واسطے یہ تلفیق منع نہیں مگر تاہم احتیاط مدنظر رکھ کر اصل رسالہ ہذا

میں تلفیق کی دوسری قسم سے بھی بچاؤ رکھا ہے۔

ایسی ضرورتِ شدیدہ میں دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے، جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ''عقود رسم المفتی ص:۵۰'' میں بحث مفید کے بعد مرقوم ہے۔ **وبه علم أن المضطرله العمل بذلک لنفسه كما قلنا، وان المفتي له الا فتاء به للمضطر، فما مر من أنه ليس له العمل بالضعيف ولا الافتاء به الخ، محمول على غير موضع الضزورة، كما علمته من مجموع ماقورناه الخ.**

ونیز شامی نے درمختار کے قول:"**ان الحكم والفتياء بالقول المرجوع جهل**" کے تحت میں لکھا ہے: **قلت: "لكن هذا في غير موضع الضرورة الخ".** (فتاویٰ شامی ، المقدمة / مطلب لايجوز العمل بالضعيف حتى لنفسه عندنا ۱/۱۷٦ طبع زکریا دیوبند) اور اس مسئلہ پر مکمل بحث جزء دوم کے مقدمہ میں آئی ہے۔ **فلينظر ثمه.** اب بحمد اللہ جواب ہر پہلو سے مکمل ہوگیا۔

تالیفِ رسالہ کی دوسری وجہ

اور دوسری وجہ تصنیف رسالہ کی رفع جہالت ہے: کیوں کہ جہالت کے سبب بعض لوگ مذہب مالکیہ کی آڑ میں تمام قیود وشروط سے آزاد ہوکر بعض اوقات ایسی کارروائی کر گزرتے ہیں جو کسی مذہب میں بھی صحیح نہیں ہوتی، اور مالکیہ کے مذہب سے عام طور پر کما حقہ واقفیت نہ ہونے کے سبب اکثر اہل علم کو بھی اس میں مغالطہ ہوجاتا ہے، حتیٰ کہ بعض اسلامی ریاستوں میں تفریق بین الزوجین کے لئے ایسا ضابطہ جاری کیا گیا ہے کہ جو شرائط ضروریہ فوت ہونے کے سبب کسی طرح بھی شریعت مقدسہ کی رو سے درست نہیں، اس لئے بھی سخت ضرورت تھی کہ ان مسائل ضروریہ کے متعلق جس قدر شرائط ہوں، ان سب کو تفصیل کے ساتھ جمع کردیا جائے، تاکہ جو لوگ اس وسعت پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہوں جو مذہب مالکیہ نے مواقع مذکورہ بالا میں دی ہے وہ ان شرائط کا لحاظ رکھیں ورنہ

معصیت شدیدہ: بلکہ تحلیل حرام یا تحریم حلال کا وبال عظیم بھگتنا پڑے گا۔ پس مسئلہ مفقود وغیرہ میں جو حضرات مذہب مالکیہ کو اختیار کریں ان کو لازم ہے کہ رسالہ ہٰذا کسی محقق عالم سے خوب سمجھ لیں اور اہل علم بھی اس کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

رسالہ کی ترتیب

اور ترتیب اس رسالہ کی یہ ہے کہ جزو اول میں تفویضِ طلاق کا فتویٰ ہے، اور جزو دوم میں زوجہ عنین و مجنون و مفقود و حاضر متعنت اور غائب غیر مفقود کے احکام مفصل مذکور ہیں، اس کے بعد حضرات علمائے ﴿دارالعلوم دیوبند سے گیارہ حضرات اور مظاہرِ علوم سہارنپور سے چار حضرات نے رسالہ کے اصل مسودہ کو نہایت غور و خوض سے ملاحظہ فرمایا ہے، اور جا بجا مفید مشورے بھی دیئے اور اپنے قیمتی وقت کا بہت بڑا حصہ صرف کر کے اس قدر اہتمام سے اصلاحی نظر فرمائی ہے کہ ان کو تصنیف رسالہ میں شریک کہنا بجا ہے۔ **فجزاهم الله تعالىٰ خيراً**. اس بنا پر ان پندرہ حضرات کی تصدیق کو سب سے مقدم اصل رسالہ کے متصل درج کیا گیا، اور ان کے علاوہ دیگر علماء کرام کی تصدیقات رسالہ چھپنے کے بعد حاصل کی جائیں گی، اس لئے ان کو جداگانہ تمام مجموعہ کے اخیر میں درج کیا جائے گا۔﴾ دیوبند و سہارنپور کی تصدیق درج ہے۔ اور سب کے آخر میں ان تمام عربی فتاویٰ کو جو مدینہ طیبہ کے مالکی المذہب مفتیوں سے حاصل کئے گئے تھے، ملحق ﴿ان تمام فتاویٰ کی اصل بعینہٖ نیز رسالہ ہٰذا کا مسودہ مع اصل تصدیقات علمائے کرام مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔﴾ کر دیا گیا ہے تاکہ اہل علم حضرات اصل عبارت بھی ملاحظہ فرما سکیں۔ اور ان فتاویٰ مالکیہ میں سے جس جس عبارت سے رسالہ ہٰذا میں استدلال کیا گیا ہے، ان کو روایت اولیٰ و ثانیہ وغیرہ سے موسوم کر دیا، اور اصل رسالہ میں اس روایت مستدل بہا کا اسی عنوان سے حوالہ بھی دے دیا ہے، اور نام اس مجموعہ کا "**الحيلة الناجزه للحليلة العاجزه**" تجویز کیا گیا ہے، جس کی مناسبت ہر دو اجزاء کے ساتھ ظاہر ہے۔

مگر چونکہ یہ سب علمی رنگ میں تھا، اس لئے ان سب کا خلاصہ نہایت عام فہم عبارت میں لکھ دیا گیا، اب عوام اہل حاجت کو تمام رسالہ دیکھنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ صرف اسی خلاصہ کو دیکھ لینا اور کسی عالم سے سمجھ لینا کافی ہے، مگر ان عالم صاحب کو مناسب ہے کہ اس خلاصہ کو اصل رسالہ سے ملالیں، سہولت دستیابی کے لئے خیال ہے کہ اس خلاصہ کو مستقلاً بھی عنقریب شائع کر دیا جائے گا۔ اور اس مستقل صورت کے اقتضاء پر اس کا ایک نام بھی رکھ دیا گیا "المرقومات للمنظومات" بس اس معاملہ میں جو کام ہمارے کرنے کا تھا، یعنی اعتراض کا جواب دینا بھی جو ہمارے ذمہ تھا اور خاص تدبیریں مع قیود وشروط مفصلہ بتلا دینا بھی جو ہمارے ذمہ نہ تھا، وہ ہم کر چکے۔

رسالہ پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہدایات

اب آگے ان میں سے کسی مسئلہ پر عمل کا ارادہ کرنے کے وقت دو کام عمل کرنے والوں کے ذمہ ہیں: ایک یہ کہ عمل سے پہلے کسی ذی استعداد عالم سے جو کہ فتوے میں اہل علم کے نزدیک مشہور و مسلم ہو، وہ مسئلہ بھی اچھی طرح سمجھ لیں، محض اپنے قوتِ مطالعہ کے بھروسہ، اپنی رائے سے کسی واقعہ کو اس مسئلہ پر منطبق نہ کرلیں اور اخیر کارروائی کی تکمیل تک ان عالم کو اپنے ساتھ اس طرح شریک بھی رکھیں کہ ہر ہر جزئی کی ان کو اطلاع بھی دیتے رہیں اور حکم شرعی بھی پوچھتے رہیں، اور ان عالم کو بھی چاہئے کہ بہت بصیرت وتوجہ وتیقظ سے کام لیں، اور جہاں ذرا بھی شبہ ہو اوّل فقہ مالکی کی ان کتابوں سے حل کریں۔ مختصر الخلیل، وشرح للعلامۃ الدردیر، ومنتقی شرح موطا، ومدونہ، وصاوی، حاشیہ اقرب المسالک وغیرہ جو کتب ان کے ہاں فتاویٰ کے لئے معتبر ہوں۔ اور اگر ان کتابوں سے اطمینان کے ساتھ حل نہ ہو تو کارروائی کو موخر کر کے مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ خط بھیج کر خود علمائے مالکیہ سے استفتاء کرلیں، جس کا طریقہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے مہتمم صاحب سے یا "مدرسۃ العلوم الشرعیۃ" مدینہ منورہ کے مہتمم صاحب سے بذریعہ خط دریافت ہو سکتا ہے۔

تنبیہ: چوں کہ اس زمانہ میں فتنہ وفساد کا دور دورہ ہے اور ہر شخص علم ولیاقت کا

مدعی ہے، اس لئے علماء کے انتخاب میں نہایت احتیاط اور کامل غور و خوض کی ضرورت ہے، وہ لوگ جو محض کہیں سرکاری سکول کے سند یافتہ ہو کر مولوی یا مولوی فاضل وغیرہ کہلاتے ہیں یا اردو اور فارسی کے رسائل دیکھ کر عوام میں مولوی مشہور ہو جاتے ہیں وہ اس کام کے لئے کافی نہیں۔ دوسرا کام یہ ہے کہ عمل سے پہلے وکلاء وغیرہم سے اس کارروائی کے موافق قانون یا مخالف قانون ہونے کی تحقیق کرلیں، کیوں کہ نہ ہم کو قانون معلوم ہے، نہ ہم کسی کو عمل کرنے کی رائے دیتے ہیں۔ ہم نے صرف مسئلے بتلا دیئے تا کہ دین و مذہب پر جو اعتراض ہوتا تھا وہ مرتفع ہو جائے، اور رفع کلفت کی سبیل شرعی مفصل معلوم ہو جائے۔ آگے جس کو عمل کرنا ہو وہ اپنی واقفیت و ہمت کے مطابق بھروسہ کرے، ہم اس کے ذمہ دار نہیں؛ البتہ اگر اس کا کوئی حصہ قانون پر منطبق نہ ہوتا ہو تو اہل اثر کوشش کر کے اس کو قانون میں منظور کرا دیں بہت ثواب ہوگا۔

اخیر میں بغرض طلب دعا عرض کرتا ہوں کہ مولانا حسین احمد صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند دامت فیوضہم نے علمائے مالکیہ سے فتاویٰ حاصل ہونے میں بہت مدد فرمائی؛ بلکہ مسئلہ مفقود کے علاوہ دیگر مواقع میں تحقیق احکام کے اصل محرک بھی وہی ہیں، نیز مدینہ طیبہ میں مولانا سید احمد صاحب مہتمم "مدرسۃ العلوم الشرعیہ" نے علمائے مالکیہ سے حصول فتاویٰ میں ہر بار سعی بلیغ فرمائی اور ہمیشہ نہایت اہتمام سے روانہ فرماتے رہے، اور پھر اس رسالہ کا اجمالی مسودہ عزیزم مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی سلمہ نے تیار کیا اور بعد ازاں ان کے رنگون چلے جانے پر اس رسالہ کی تفصیلی ترتیب میں مولوی محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند، و مولوی عبدالکریم صاحب متھلوی مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون نے بہت مدد کی ہے؛ بلکہ واقع میں قریب قریب سب رسالہ کی ترتیب ان ہی کا کام ہے، گو ہمارے نام بینا کار بھی شریک رہا، اس لئے ناظرین سے اپنے ساتھ ان کے لئے بھی دعا کی استدعا کرتا ہوں۔ ما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت والیہ أنیب.

کتبہ: اشرف علی اوائل ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ

جزوِ اوّل

تفویض طلاق بوقتِ نکاح

(از فقہ حنفی)

سوال: آج کل عورتوں کو نکاح کے بعد جس قدر پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے محتاج بیان نہیں، کبھی مرد ظلم اور بے رخی سے پیش آتا ہے نہ نان نفقہ دیتا ہے نہ طلاق دیتا ہے، کبھی بال بچوں سے بے فکر ہو کر پردیس چلا جاتا ہے اور لاپتہ ہو جاتا ہے، کبھی نامرد نکلتا ہے، بعض دفعہ یتیم لڑکی کا نکاح چچا وغیرہ نامناسب جگہ کر دیتا ہے، اور لڑکی ناپسند کرتی ہے، بعض دفعہ مرد کو جنون کا مرض ہو جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہندوستان میں قاضی شرعی کا وجود ہوتا تو اس قسم کی سب پریشانیوں کا علاج سہل تھا، مگر اب جب کہ قاضی شرع موجود نہیں عورتوں کو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے، وہ نکاح کو فسخ کرنے کے لئے اگر عدالت میں دعویٰ دائر کریں تو بعض دفعہ حاکم غیر مسلم اس کا فیصلہ کرتا ہے، جو شرعاً نافذ نہیں ہوتا، اور بعض دفعہ حاکم مسلم ہی فیصلہ کرتا ہے، مگر وہ بوجہ احکام سے ناواقفیت وغیرہ کے قاعدۂ شرعیہ کی پابندی سے فیصلہ نہیں کرتا؛ اس لئے وہ فیصلہ بھی قابل اطمینان نہیں ہوتا، پس علمائے کرام سے دریافت کیا جاتا ہے کہ:

(۱) بعض جگہ ان مشکلات کا جو یہ علاج تجویز کیا ہے کہ بوقتِ نکاح کابین نامہ میں مرد سے ایسی شرطیں لکھوالی جائیں، جن کی وجہ سے عورتوں کو بوقتِ ضرورت اپنے اوپر خود طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے، یہ شرعاً صحیح اور معتبر ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو ایسے کابین نامہ کے معتبر ہونے کی شرط کیا ہے؟

(۲) کیا اس کابین نامہ کو قبل از نکاح اور بعد از نکاح لکھوانے یا عین عقدِ نکاح کے

وقت شرطوں کو زبانی کہلانے میں کوئی فرق ہے؟

الجواب: (۱) اس قسم کا کابین نامہ لکھوانا (جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہو) اور بوقتِ ضرورت اس سے کام لینا شرعاً جائز ہے (اور اس اختیار دے دینے کو تفویض طلاق کہتے ہیں) اور شرطوں کا بیان نمبر۲ میں آتا ہے۔

(۲) اس کی تینوں صورتیں جائز ہیں، چاہے نکاح سے پیشتر لکھوالیا جائے ﴿پہلی اور تیسری صورت میں لکھنے کی قید احترازی نہیں ہے بلکہ لکھوانے کا عموماً معمول ہے، اور قرینِ مصلحت بھی یہی ہے کہ اس واسطے اس قید کا ذکر کیا گیا ورنہ زبانی کہنا اور لکھنا ان دونوں صورتوں میں برابر ہے، البتہ دوسری صورت میں زبانی کہنے کی قید احترازی ہے، کیونکہ ایجاب وقبول غائب کے لئے تو کتابت سے بچند شرائط درست ہے، مگر حاضر کے لئے کسی حال میں بھی محض کتابت سے ایجاب وقبول درست نہیں ہاں اگر شرائط تحریر کر کے ایجاب یا قبول کے ساتھ یوں کہہ دیا جائے کہ ان شرائط محررہ میں سے کسی کے خلاف ہو تو عورت کو طلاق کا حق ہوگا، تب بھی تفویض کی تعلیق صحیح ہو جائے گی، تمام شرائط کو زبانی بیان کرنا ضروری نہیں۔﴾ چاہے عین وقت عقد میں زبان سے کہلوالیا جائے، چاہے بعد میں لکھوایا جائے، مگر پہلی اور دوسری صورت کے صحیح ومعتبر ہونے کی ایک ایک شرط ہے۔

تفویضِ طلاق کی پہلی صورت

پہلی صورت کہ یہ کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھا جاوے اس کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت ونسبت موجود ہو، مثلاً یہ لکھا جاوے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکور کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے، اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا، اس

کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل ﴿البتہ بعض جگہ جو دستور ہے کہ تحریر تو پیشتر تیار ہو جاتی ہے اور دستخط دولہا اور گواہان کے بعد میں ہوتے ہیں، اس صورت میں اضافت الی النکاح ضروری نہیں؛ کیوں کہ یہ دراصل اس پہلی صورت میں داخل ہی نہیں؛ بلکہ تیسری میں شمار ہے۔﴾ نہ ہوگا۔لما فی تنویر الأبصار باب التعلیق، وشرط الملک کقوله لمنکوحته ان ذهبت فانت طالق، أو الاضافة الیه کان نکحتک فانت طالق فلغا. قوله لأجنبیة: ان زرت زیدًا فأنت طالق الخ. (فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق / باب التعلیق / مطلب التعلیق المراد به المجازاة دون الشرط ۵۹۳/۴ طبع زکریا دیوبند)

وفی العالمگیریة مانصه، القسم الثانی: تعلیق التفویض بترک نقد المعجل الی وقت کذا، صورة کتابة هذا القسم، جعل أمرها بیدها فی تطلیقة واحدة بائنة مطلقاً بشرط أنه اذا مضی شهر، أوله کذا وآخره کذا، ولم یؤد الیها جمیع ماقبل تعجیله لها من صداقها وهو کذا، فانها تطلق نفسها بعد ذلک متی شاء ت أبدًا واحدةً بائنةً، فوض الأمر فی ذلک الیها، وأنها قبلت منه هذا الأمر فی مجلس التفویض. القسم الثالث: تعلیق التفویض بشرط قماره أو بشربه الخمر أو ضربه ضرباً موجعاً یظهر أثره علی بدنها، وصورة کتابة علی نحو مابینا. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الشروط / فی الطلاق / القسم الثانی: تعلیق التفویض بترک ۲۶۱/۶ طبع زکریا دیوبند)

قلنا قوله: وأنها قبلت فی مجلس التفویض، قد خرج مخرج عادة المحاضر والسجلات، والا فقبولها فی مجلس التکلم لیس بشرط، بل الشرط استعمال الخیار فی مجلس وقوع الشرط، کما سیأتی ، وقد صرح بذلک فی الفصل الأول من الباب الثالث لطلاق الهندیة.

تفویضِ طلاق کی دوسری صورت

اور دوسری صورت کہ عین ایجاب وقبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں اس کے صحیح و معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو، یعنی اولاً خود عورت (یا اس کا ولی یا وکیل یعنی قاضی نکاح خواں) عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو (یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو) تیرے نکاح میں اس شرط پر دے دیا کہ اگر تم نے یہ کام کیا یا وہ کام کیا (جتنی شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کر دیا جاوے) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے (مسماۃ موصوفہ کے) ہاتھ میں ہوگا، یعنی شرائط مذکورہ میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہوں (یا چاہے) تو اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کر سکوں گی (یا کر سکے گی) اس کے جواب میں مرد ناکح یوں کہے کہ میں نے ﴿صرف اتنا ہی کہے کہ میں نے قبول کر لیا اور چاہے یوں کہے کہ میں نے شرائط سمیت قبول کر لیا دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ لما سیاتی من الفقیہ أبی اللیث من أن الجواب یتضمن اعادۃ ما فی السوال.﴾ قبول کر لیا، اس پر عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ جب اپنے اوپر شرائط کے خلاف ظلم و مصیبت دیکھے اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس شوہر کے نکاح سے نکل جائے، یعنی اس طرح کہہ دے کہ میں اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرتی ہوں۔

اور اگر ایسا نہ کیا گیا؛ بلکہ ابتداء کلام (یعنی ایجاب) مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگا دیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جاوے گا، اور شرط بالکل بے کار جائے گی خوب سمجھ لو۔ فی الدر المختار قبیل فصل المشیۃ من کتاب الطلاق نکحھا علی أن أمرھا بیدھا صح اھ وفی حاشیۃ رد المحتار: "قولہ: صح مقید بما اذا ابتدأت المرأۃ، فقالت: زوجت نفسی منک علی أن أمری بیدی أطلق نفسی کلما أرید أو علی

الی طالق، فقال الزوج: قبلت، أما لو بدأ الزوج لاتطلق ولا يصير الأمر بيدها". (البحر الرائق، كتاب الطلاق / فصل في الأمر باليد ۵۵۲/۳ طبع زکریا دیوبند) عن الخلاصة... واذا خافت المرأة أنه اذا تزوجها لا يجعل الأمر بيدها بعد التزويج تقول: زوجت نفسي منك بكذا، على أن أمري بيدي أطلق نفسي منك بائناً متى شئتُ كلما ضربتني بغير جناية أو تزوجت على أخرى وتسريت أو غبت عني سنةً (فتاویٰ بزازیة علی حاشیة الهندية، كتاب الطلاق / في الأمر بالغيبة ۲۳۴/۴ طبع زکریا دیوبند)

ومثله صرح في حيل العالمگيرية. (فتاویٰ عالمگیری، كتاب الحيل / في الطلاق/ حيلة أخرى في أصل المسئلة ۳۹۲/۶ طبع زکریا دیوبند)

وبين الفقيه أبو الليثؒ وجه الفرق بين الصورتين، فقال: لأن البدئة اذا كانت من الزوج كان الطلاق والتفويض قبل النكاح فلا يصح، أما اذا كانت من المرأة يصير التفويض بعد النكاح ؛ لأن الزوج لما قال بعد كلام المرأة: قبلت، والجواب يتضمن اعادة مافي السوال، صار كأنه قال: قبلت على أنك طالق، او على أن يكون الأمر بيدك، فيصير مفوضًا بعد النكاح. (فتاویٰ شامی، كتاب الطلاق/ قبيل مطلب في طلاق المدهوش / لايقع طلاق المولى على امرأة عبده ۴۵۰/۴ طبع زکریا دیوبند)

تنبیہ: اور اگر ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہوا مگر شرط تفویض ذکر نہ کی گئی اور مرد نے قبول میں شرط تفویض کا اضافہ (گو یہ صورت نادر الوقوع ہے، مگر استیعاب صور کے لئے لکھ دی گئی) کردیا، تب بھی تفویض صحیح ہوگئی؛ لیکن چوں کہ اس صورت میں صرف مرد کو اختیار ہے خواہ وہ شرط بڑھائے یا نہ بڑھائے، عورت کی جانب سے جب ایجاب بلا کسی شرط کے ہو چکا تو اس کے ہاتھ سے بات نکل چکی۔ (ہاں اگر قبول زوج سے پہلے پہلے عورت یا اس کے ولی وغیرہ کو خیال آ گیا اور شرط تفویض کا اضافہ کردیا

تب بھی مرد کو بلا شرط کے قبول کرنے کا حق نہ ہوگا) اس لئے جس عورت کا مقصد یہ ہو کہ اس کو طلاق لینے کا اختیار مل جائے اس کے واسطے یہ صورت کافی نہیں؛ بلکہ ایجاب میں شرط لگانا ضروری ہے؛ تا کہ مرد کو بلا شرط قبول کرنے کا حق ہی نہ رہے۔

تفویضِ طلاق کی تیسری صورت

اور تیسری صورت کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا شوہر سے لکھوایا جائے یہ صورت بھی صحیح اور بالکل درست ہے۔ اور یہ صورت اس صورت کے لئے کارآمد ہے جس کے نا کح میں کابین نامہ نہیں لکھوایا گیا تھا لیکن جو عورت نکاح کے وقت احتیاط کی طالب ہے اس کے واسطے اس میں بھی وہی کمی ہے جو ابھی تنبیہ بالا کے ذیل میں مذکور ہوئی، یعنی جب کہ عقد نکاح تمام ہو چکا، تو عورت کے قبضہ میں نہ رہا کہ خاوند کو اس اقرار نامہ کے لکھنے پر مجبور کرے؛ بلکہ صرف اس کی مرضی پر معاملہ رہ جاتا ہے۔

اس لئے مصائب کے وقت خلاصی کی اصل تدبیر پہلی یا دوسری صورت اختیار کرنا ہے اور ان میں بھی آسان صورت جس میں عوام کے مغالطہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں وہ صرف پہلی ہی صورت ہے کہ عقد سے پہلے ہی کابین نامہ لکھوالیا جاوے، مگر اسمیں اضافت الی النکاح ضرور ہونا چاہئے، یعنی یہ الفاظ ضرور لکھوائے جائیں کہ اگر میں فلاں دختر فلاں سے نکاح کروں اور پھر فلاں فلاں شرط کے خلاف کروں الخ۔ اور اگر اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو کابین نامہ کالعدم ہوگا جیسا کہ بیشتر گزر چکا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

فائدہ: نکاح مذکور جس میں کچھ شرائط خاوند سے منظور کرالی گئی ہیں، اس کے جواز میں حنفیہ کو کلام نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے اس صورت کو نکاح معلق میں داخل کر کے شبہ کیا ہے، مگر درحقیقت یہ نکاح معلق (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح/ فی آخر المحرمات/ قبیل باب الولی ۴/۱۵۴، طبع زکریا دیوبند) نہیں بلکہ نکاح منجز ہے جو تفویض معلق کے ساتھ مشروط ہے، نکاح معلق وہ ہے کہ اس وقت نکاح ہی نہ ہو، جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں دے دیا، اگر میرا باپ راضی ہو، مرد یوں کہے کہ میں نے قبول کرلیا اگر

میرا باپ راضی ہو، اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا، اور اگر اصل نکاح معلق نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ کوئی شرط زائد لگادی جائے تو اس (نکاح مشروط میں دیگر شروط تو فاسد وغیر معتبر ہوتی ہیں؛ لیکن تعلیق وتفویض طلاق کی شرط معتبر اور صحیح ہوتی ہے۔ کما علم ممامر.) طرح نکاح ہو جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مجلس عقد میں نکاح اسی وقت ہو رہا ہے، مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے جس کو شوہر سے منوایا جاتا ہے۔

ضروری مشورہ

چوں کہ عورت ناقص العقل ہے اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں، پس مناسب یہ ہے کہ تفویض میں کوئی قید مناسب بھی لگادی جائے جس میں وہ خطرہ نہ رہے، مثلاً یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا ولی یا وکیل (یعنی قاضی نکاح خواں) یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ مہر (......) روپے (......) سکہ رائج الوقت کے اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے گی جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم (اور اگر اس سے بھی زیادہ احتیاط مطلوب ہو تو یہ جملہ بھی بڑھالیں اور وہ دونوں آدمی طلاق کو مناسب بھی کہیں) کرلیں (اس جگہ مناسب ہے کہ کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کردیے جائیں) تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علیحدگی اختیار کرلی جاوے۔ اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب کہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں کہ تکلیف شدیدہ ہے؛ لیکن عورت کو اس کے بعد بھی چاہئے کہ طلاق واقع کرنے میں جلدی ﴿ کیوں کہ طلاق میں جلدی کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کے نزدیک مباح چیزوں میں مبغوض ترین طلاق ہے۔ (سنن ابو داؤد، کتاب الطلاق، باب فی کراھیۃ الطلاق، حدیث: ۲۱۷۷) اور نیز ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

کہ جو عورت بلاضرورت اپنے خاوند سے طلاق مانگے اس پر جنت کی بو حرام ہے۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الخلع، حدیث: ۲۲۲۶)﴾ نہ کرے بلکہ اطمینان کے ساتھ سوچ سمجھ کر کام کرے۔ اور تین باتوں کا ضرور التزام کرے۔

اوّل یہ کہ فوراً غصہ کے وقت اپنے اس اختیار سے کام نہ لے؛ بلکہ ایک معتد بہ مدت تک غور وخوض کرے جس کی میعاد ایک ہفتہ سے کم نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ اپنے خیر خواہوں سے مشورہ کرے۔

تیسرے یہ کہ سنت کے موافق استخارہ کرے اور ویسے بھی دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ میرا دل ایسے کام کی طرف پھیر دے جو میرے لئے دین ودنیا میں بہتر ہو اس تمام کوشش کے بعد جو کچھ دل میں آئے اس پر عمل کرے، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے، اس طرح پر وہ خطرہ نہ ہوگا جو تفویض مطلق کی صورت میں ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

ضروری ہدایات

تعلیق مذکور میں اگر چاہے کا لفظ استعمال نہ کرنا چاہئے ورنہ تفویض خاص اس مجلس ﴿ یہ جب ہے کہ اس شرط کے تحقق کو عورت نے خود دیکھا ہو، اور اگر خود نہیں دیکھا تو پھر اس مجلس کا اعتبار ہوگا جس میں اس کو خبر ہوئی ہو۔ قال صاحب الدر المختار: **فلها أن تطلق في مجلس علمها به مشافهة أو اخباراً.** (فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق / باب تفویض الطلاق ۵۵۳/۴ طبع زکریا دیوبند) پس اگر خبر ملنے کے بعد اتنی تاخیر کی کہ مجلس بدل گئی تو اب اختیار باقی نہیں رہا۔ اور اگر عورت یہ عذر کرے کہ مجھ کو اس خبر پر اطمینان نہ ہوا تھا، تو اس میں تفصیل ہے، بوقت ضرورت شامی جلد چہارم مسائل شتی کتاب القضا میں ملاحظہ فرمائیں۔﴾ کے ساتھ مقید ہوجاوے گی جس میں وہ شرائط واقع ہوں، اور اس مجلس کے ختم ہوجانے کے بعد عورت کو اختیار طلاق کا باقی نہ رہے گا اور اختیار کو اس قدر محدود کردینا مناسب نہیں۔

اسی طرح لفظ جب ﴿ اس کو تنبیہ کا جزء اس واسطے بنایا گیا ہے کہ جب بھی کا لفظ استعمال کرنے سے اعادہ نکاح کے بعد بھی ان ہی شرائط کی پابندی ضروری رہے گی اگر

تجربہ پر زوجین شرائط میں سے کسی شرط کو موقوف کرنا چاہیں تو یہ نہ ہو سکے گا۔ نیز کبھی چاہے کبھی شرط میں استعمال نہ کیا جاوے ورنہ ہمیشہ کے لئے (حتیٰ کہ اعادۂ نکاح کے بعد بھی) اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار رہے گا، جب تک کہ تین طلاق پوری نہ ہو جاویں اور ایسا اختیار عورت کو دینا ضرورت سے زائد اور مصلحت کے خلاف ہے؛ بلکہ ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں جن سے نہ تو ایسی تنگی لازم آئے کہ تفویض مقید بالمجلس ہو جائے اور نہ اتنی وسعت ہو کہ عورت کو تینوں طلاقیں واقع کر لینے کا اختیار مل جائے، اسی لئے ہم نے کابین ناموں میں اور گزشتہ مثالوں میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو باتفاق محاورات فریقین کی رعایت اور مصلحت پر مشتمل ہیں، ان الفاظ سے صرف ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کا اختیار حاصل ہوگا، مگر وجود شرط کی مجلس کے ساتھ مقید نہ ہوگا۔

اور اردو کے محاورات مختلف ہونے کی وجہ سے تمام الفاظ شرط کا حکم منضبط نہ ہو سکا، اس واسطے الفاظِ عربیہ کی تفصیل نقل کرتے ہیں، تا کہ اہل علم بوقت ضرورت اس تفصیل میں اور متکلم کے محاورہ میں بغور تطابق کر کے بقیہ الفاظ شرط کا حکم متعین کر سکیں اور عوام کو لازم ہے کہ جو الفاظ ہم نے تجویز کئے ہیں ان کی رعایت رکھیں، اور اگر ان کے سوا کسی لفظ کا حکم معلوم ہونے کی ضرورت پیش آجاوے تو علمائے کرام سے دریافت کریں صرف اپنی زبان دانی پر بھروسہ کر کے خود فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ **والتفصیل مافی العالمگیریة من الجوهرة النيرة: "اذا قال لها: طلقي نفسک، سواء قال لها: ان شئت أولا، فلها أن تطلق نفسها في ذلک المجلس خاصة.** (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق / تفویض الطلاق / فی المشیئة ۱/۴۰۲ طبع زکریا دیوبند)

وفيه أيضا: ان قال لها: طلقي نفسک متى شئت، فلها أن تطلق في المجلس وبعده، ولها المشية مرة واحدة. وكذا قوله: متى ماشئت، واذا ما شئت، ولو قال: كلما شئت كان ذلک لها أبدا حتى يقع ثلاث، كذا في السراج الوهاج. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق / تفویض الطلاق / فی المشیئة ۱/۴۰۳ طبع زکریا دیوبند)

وفی البحرالرائق وأطلق الأمر بالید فشمل المنجز والمعلق اذا وجد شرطه، ومنه ما فی المحیط: لو قال: ان دخلت الدار فامرک بیدک ، فان طلقت نفسها کما وضعت القدم فیها طلقت؛ لأن الأمر فی یدیها، وان طلقت بعد مامشت خطوتین لم تطلق؛ لأنها طلقت بعد ماخرج الأمر من یدها. (البحر الرائق، کتاب الطلاق/ فصل فی الأمر بالید ۳/۵۵۳، طبع زکریا دیوبند)

شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا؛ بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے؛ اس لئے ﴿مرد کے حق میں ایک مفید بات یہ ہے کہ مہر معاف کرنے کی شرط لگالے، اگر یہ شرط طے ہوجائے تو اس کو بڑھانے کا موقع یہ ہے کہ کابین نامہ میں جو یہ جملہ ہے ''اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرلے'' اس سے پیشتر یہ لفظ لکھے جاویں ''مہر معاف کرکے اپنے اوپر الخ''۔فی البحر الرائق: قال لها أمر ثلاث تطلیقات بیدک ان أبرأتنی عن مهرک ان قامت عن المجلس خرج الأمر من یدها، وان أوقعت الطلاق فی المجلس، ان قدمت الابراء وقع، وان لم تبرئه عن المهر لایقع؛ لأن التوکیل کان بشرط الابراء. (البحر الرائق، کتاب الطلاق / فصل فی الأمر بالید ۳/۵۵۴، طبع زکریا دیوبند)﴾ شرائط میں مرد کو غور وخوض اور اہل علم وفہم سے مشورہ کرلینا ضروری ہے ورنہ بعد میں پریشانی وپشیمانی ہوگی۔

لما فی العالمگیریة: ولیس للزوج أن یرجع فی ذلک، ولا ینها ها عما جعل الیها، ولا یفسخ کذا فی الجوهرة النیرة.(فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب الثالث: فی تفویض الطلاق / الفصل الأول فی الاختیار ۱/۳۸۷، طبع زکریا دیوبند)وفی الدرالمختار من فصل المشیة کتاب الطلاق: ولا یملک الزوج الرجوع عنه، أی عن التفویض بأنواعه الثلاثة، لما فیه من معنی التعلیق، قال الشامی: بأنواعه الثلاث أی التخییر، والأمر بالید، والمشیة اهـ. والله سبحانه وتعالیٰ أعلم وعلمه أتم وأحکم.(فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق / باب الأمر بالید ۴/۵۷۶، طبع زکریا دیوبند)

کابین نامہ کا مضمون

عوام کی سہولت کیلئے ہم نے تمام امور گزشتہ کی رعایت کر کے تفویض طلاق کے متعلق کابین نامہ کا ایک مضمون بھی لکھ دیا ہے، جس پر نکاح سے قبل دستخط ہو جانا شرعاً معتبر ہے، یہ مضمون تو بعینہٖ رکھا جاوے اور شرائط جو فریقین میں طے ہو جائیں وہ اس کے بعد درج کر لیں۔

❶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اما بعد!

میں .... پسر .... قوم .... ساکن .... ضلع .... کا ہوں، میرا نکاح مسماۃ .... دختر .... قوم .... ساکن .... ضلع .... کے ساتھ شرائط ذیل پر بعوض مہر روپیہ سکہ رائج الوقت کے قرار پایا ہے؛ لہٰذا میں بدرستی ہوش وحواس بلا کسی جبر واکراہ کے مندرجہ ذیل اقرار نامہ لکھتا ہوں؛ تا کہ میں اس کا پابند رہوں، اور در صورت عدم پابندی مسماۃ موصوفہ بالا کے لئے رہائی کی صورت ہو سکے، پس میں اقرار کرتا ہوں کہ جب تک وہ میرے نکاح میں رہے میں شرائط مندرجہ ذیل کا پابند رہوں گا، اور بغرض اطمینان لکھتا ہوں کہ اگر میں مسماۃ مذکور سے نکاح کروں اور نکاح کرنے کے بعد شرائط ذیل میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو اس کے بعد مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائنہ واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جاوے۔ شرائط یہ ہیں ﴿شرائط طے کرتے وقت تجربہ کار اہل فہم سے مشورہ مناسب ہے، ونیز وکلاء سے یہ مشورہ بھی کہ قانوناً یہ شرائط معتبر ہیں یا نہیں، اور اس کابین نامہ کی رجسٹری کرا دینا بھی مناسب ہے۔﴾ اس کابین نامہ کو میں نے منظور کیا اور لکھوا کر دیکھنے سننے کے بعد آج بتاریخ...... ماہ...... سنہ...... دستخط/ نشان انگشت کرتا ہوں۔

العبد: .... گواہ اول .... گواہ دوم ....

اس کابین نامہ میں تو محض اس کی رعایت کی گئی ہے کہ شرعاً جائز اور معتبر ہو جاوے؛ لیکن اس کی رو سے ایک مرتبہ شرط کے خلاف ورزی ہونے کے بعد عورت کو ایک طلاق کا مطلق اختیار مل جاوے گا اور ضروری مشورہ کے عنوان سے ہم پیشتر لکھ چکے ہیں کہ عورت کو مطلقاً اختیار دے دینا مناسب نہیں ہے، اس واسطے ایک دوسرا مضمون بھی لکھا جاتا ہے، تا کہ جو شخص اس ضروری مشورہ پر عمل کرنا چاہے وہ اس طرح کابین نامہ لکھوالے:

②

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اما بعد!

میں .... پسر .... قوم .... ساکن .... ضلع .... کا ہوں میرا نکاح مسماۃ .... دختر .... قوم .... ساکن .... ضلع .... کے ساتھ شرائط ذیل پر بعوض مہر .... روپے سکہ رائج الوقت کے قرار پایا ہے؛ لہٰذا میں بدرستی ہوش وحواس بلا کسی جبر واکراہ کے مندرجہ ذیل اقرار نامہ لکھتا ہوں؛ تا کہ میں اسکا پابند رہوں، اور درصورت عدم پابندی مسماۃ مذکورہ کے لئے رہائی کی صورت ہو سکے، پس میں اقرار کرتا ہوں کہ جب تک وہ میرے نکاح میں رہے میں شرائط مندرجہ ذیل کا پابند رہوں گا، اور بغرض اطمینان لکھے دیتا ہوں کہ اگر میں مسماۃ مذکورہ سے نکاح کروں، تو نکاح کرنے کے بعد جب بھی اس کو اس نکاح میں رکھتے ہوئے شرائط ذیل میں سے کسی شرط کے خلاف کروں اور اس خلاف شرط ہونے کو (مناسب ہے کہ اس جگہ کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کر کے لکھ دیئے جائیں؛ کیوں کہ دو چار کے نام لکھنے میں ممکن ہے کہ بوقت ضرورت ان میں سے کوئی بھی موجود نہ رہے، اور زیادہ آدمیوں میں یہ احتمال بعید ہے۔)

اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم (زیادہ احتیاط درکار ہو تو تسلیم کر لینے کے بعد یہ جملہ بھی لکھ دیا جاوے اور وہ دونوں صاحب عورت کے لئے علیحدگی کو مناسب بھی قرار دیں) کرلیں تو اسکے بعد مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا خلاف شرط تسلیم

ہو جانے سے ایک ماہ تک، پھر کسی وقت (اس صورت میں ہر مرتبہ خلاف شرط کرنے سے عورت کو مکرر اختیار حاصل ہوتا رہے گا، مگر ہر مرتبہ صرف ایک ماہ تک باقی رہے گا۔) چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جاوے، اور جب بھی کسی شرط کا خلاف وقوع پذیر ہو۔

ہر بار ایک ایک ماہ کے لئے اختیار حاصل ہوتا رہے گا، مگر یہ اختیار ایک ہی نکاح تک محدود ہے، اگر کسی طرح فرقت وعلیحدگی کے بعد نکاح کا اعادہ ہو تو اسکے بعد یہ اختیار اور شرائط نہیں؛ بلکہ اس وقت جو کچھ دوبارہ طے ہو جاوے اس کے موافق عمل درآمد ہوگا۔ شرائط یہ ہیں (جو شرائط طے ہوں ان کے بارے میں اہل فہم اور تجربہ کار لوگوں سے مشورہ کرنا مناسب ہے، ونیز وکلاء سے بھی کہ یہ شرائط قانون میں معتبر ہیں یا نہیں؟ اور کابین نامہ کی رجسٹری ہو جاوے تو بہتر ہے)

اس کابین نامہ کو میں نے منظور کیا اور لکھوا کر............ دیکھنے/ سننے............ کے بعد آج بتاریخ............ ماہ............ سنہ............ دستخط/ نشان انگوٹھا/ کرتا ہوں۔

العبد:............ گواہ اول............ گواہ دوم............

دونوں کابین ناموں میں فرق

یہ ہے کہ پہلے کابین نامہ لکھنے کے بعد ایک مرتبہ کسی شرط کے خلاف عمل درآمد کرنے سے عورت کو ہمیشہ کے لئے اختیار مل جاوے گا جس کا خلاف مصلحت ہونا ضروری مشورہ میں گزر چکا، اور دوسرا کابین نامہ لکھنے کے بعد ایک مرتبہ خلاف ورزی سے صرف ایک ماہ کے لئے اختیار ملے گا، اور پھر اگر کسی شرط کی خلاف ورزی ہوئی تو پھر مکرر اختیار ایک ماہ کے لئے مل جاوے گا، اور ہر مرتبہ خلاف کرنے سے اسی طرح اختیار ملتا رہے گا، مگر اس امر میں ہر دو کابین نامہ مشترک ہیں کہ ایک مرتبہ عورت بائنہ ہو جائے تو اس کے بعد دوبارہ نکاح ہونے پر خلاف شرط کے وقوع سے اختیار حاصل نہ ہوگا۔

جزودوم

تفریق بین الزوجین بحکم حاکم

مشتمل بر چند مسائل ضروریہ

حکم زوجۂ عنین ....از: فقہ حنفی
وحکم زوجۂ مجنون...وزوجۂ مفقود...وزوجۂ حاضر متعنت
وزوجۂ غائب غیر مفقود......از: فقہ مالکی

نوٹ: زوجۂ عنین کے متعلق اصل حکم تفریق کا اور اس کی تمام شرائط وتفاصیل فقہ حنفی کے مسائل ہیں، اور جس جگہ قاضی شرعی موجود نہ ہو وہاں تفریق کرنے کے لئے جماعت مسلمین کو قاضی کے قائم مقام کرنا، یہ حکم فقہ مالکی سے لیا گیا ہے، مگر اصل حکم کی رعایت سے مجموعہ کو فقہ حنفی کا مسئلہ قرار دے دیا گیا، اور مجنون وغیرہ کے مسائل میں بھی بعض جزئیات فقہ حنفی کے مطابق ہیں؛ لیکن اکثر مسائل فقہ مالکی سے ماخوذ ہونے کے سبب کل کو فقہ مالکی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

مُقدّمہ

در بیانِ حکم قضاء قاضی در ہندوستان ودیگر ممالکِ غیر اسلامیہ

اس جزو دوم کے تمام ﴿ان کے علاوہ بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جو قضائے قاضی کی محتاج نہیں؛ بلکہ ان میں خود بخود نکاح سے علیحدگی ہوجاتی ہے، ان میں سے دو صورتیں تو رسالہ ہذا کے ضمیمہ حکم الازواج میں مفصل لکھی گئی ہیں، ایک ارتداد شوہر، دوسرے اسلام احد الزوجین؛ لہٰذا ضمیمہ موصوفہ کو ضرور ملاحظہ کیا جاوے اور فرقت کی سب صورتیں ایک نظم میں صاحب نہر نے جمع کردی ہیں، وہ نظم اس رسالہ "حیلہ ناجزہ" کے تتمہ میں درج ہے۔﴾ مسائل میں قضاء قاضی شرط ہے، یعنی عورت یا اس کے اولیاء طلاق یا فسخ نکاح میں خود مختار نہیں؛ بلکہ شرط یہ ہے کہ قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کریں اور قاضی باضابطہ تحقیق شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ کرنے کے بعد حکم کرے، اس کے بغیر ان مسائل میں سے کسی مسئلہ میں بھی فسخ وتفریق نہیں ہوسکتی۔

فائدة دافعة لشبهة في اشتراط القضاء

اعلم أنه قد استدل بعض أهل العلم من أقراننا بما ورد في قضاء تنقيح الحامدية. (ص:۳۰۲ ج: ۱) من قوله: "لأن فتوى الفقيه للجاهل بمنزلة حكم القاضي المولى أو حكم المحكم" الخ على أن المسائل التي يشترط فيها القضاء من خيار الفسخ بالبلوغ، وعدم الكفاءة وغيرها، يكفي فيها فتوى المفتي ويقوم مقام القضاء، فانه يستفاد من

ظاهره أن فتوى الفقيه يقوم مقام قضاء القاضي في عامة القضايا، وأنت تعلم أنه لو كان كذلك لتعطلت أبواب القضاء قاطبة، ولم يبق لاشتراط القضاء في كثير من الأحكام معنى، ولم يتحقق في أحكام القضاء والديانة فرق؛ فانه حكم الديانة هو الفتوى كما لا يخفى على من له أدنى مسكة بالفن، فتبين أن اجراء هذا القول على العموم هدم لشطر من ابواب الفقه، وحينئذٍ فلا يظن بمن له أدنى مناسبة بالفقه أن يتخذ هذه المقالة عقبة يلجأ اليها للتخلص عن مضايق القضاء، فالحق الحقيق الذي لايجوز المحيد عنه: أن الفتوى درجتها درجة الرأي، والاجتهاد، فيلزم الجاهل العمل بالفتوى فيما يلزم صاحب الرأي والاجتهاد العمل برأيه، واجتهاده فيه، وليست الفتوى بمنزلة القضاء ؛ لأن القضاء له أركان ، منه: ا الحاكم، وقد صرح الفقهاء بحصره في الوالي والقاضي والمحكم، فلا يجوز للجاهل العمل بالفتوى فيما لايجوز لصاحب الرأي العمل برأيه بدون القضاء، فافهم، وحينئذ يجب تأويل القول المذكور المروي بصيغة التمريض، وتوجيهه بما لا يخالف القواعد، وان لم يسمع التأويل وجب رده.

فنقول في توجيه العبارة، وعلى الله التوكل وبه الثقة: أن المغلطة انما نشأت من عدم النظر الى السياق والسباق، ومن راجع أصل الكتاب وامعن النظر في سياقها وسباقها، لم يشك في أن غرضهم منها بيان مسئلة جزئية لاعموم لها، ولهذا رأينا أن نجمع بعض عبارات الكتب الفقهية، التي وردت فيها أمثال هذه العبارات؛ ليتجلى لك جلية الأمر وحقيقته.

(ا) ففي كتاب الدعوى من الخانية: وقد روى عن أصحابنا ماهو أوسع

من هذا، وذلک روی عنهم: أنه لو استفتی صاحب الحادثة عن هذا فقیهاً عدلاً من أهل الفتوی، فأفتاه ببطلان الیمین، وسعه أن یأخذه بفتواه، ویمسک المرأة، وعنهم: أن صاحب الحادثة لو استفتی فقیهاً فأفتاه ببطلان الیمین وسعه أن یمسکها، فان تزوج أخری بعدها، وقد کان حلف بلفظ: کل امرأة یتزوجها، فاستفتی فقیها آخر مثل الأول، فأفتاه بصحة الیمین ووقوع الطلاق المضاف الیها فانه یفارق الثانیة ویمسک الاولی لان فتوی الفقیة للجاهل بمنزلة حکم القاضی المولی أو حکم الحکم، انتهی.(فتاویٰ خانیه علی حاشیة الهندیة / کتاب الدعویٰ والبینات / فصل فیما یقضی فی المجتهدات ۲/۴۵۳، طبع زکریا دیوبند)

(۲) وفی الدر المختار من تعلیق الطلاق، فی مطلب فسخ الیمین المضافة مانصه: وفی المجتبی عن محمدؒ فی المضافة لا یقع، وبه أفتی أئمة خوارزم، انتهی، وهو قول الشافعیؒ. وللحنفی تقلیده بفسخ قاض؛ بل محکم؛ بل افتاء عدل وبفتوتین (صوابه بفتوتین بیائین کمانیه علیه الشامی) فی حادثتین، انتهی.(فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق / باب التعلیق، مطلب فی فسخ الیمین المضافة الی الملک ۴/۵۹۶، طبع زکریا دیوبند)

(۳) قال العلامة الشامی علی الدر: وفی البحر عن البزازیة: وعن أصحابنا ما هو أوسع من ذلک وهو أنه لو استفتی فقیها عدلا فأفتاه ببطلان الیمین حل له العمل بفتواه وامساکها؟ (شامی ۲/۶۸۳، فتاویٰ بزازیه علی حاشیة الهندیة، کتاب أدب القاضی / فیما یتعلق بقضائه / فی الیمین المضافة ۵/۱۷۴، طبع زکریا دیوبند)

(۴) وفی تنقیح الحامدیة:رجل حلف بطلاق امرأة ان تزوجها فتزوجها وحکما رجلا لیحکم بینهما فی الطلاق المضاف، فحکم ببطلان الیمین

اختلاف المشائخ فيه ـ الى قوله ـ وذكر شمس الأئمة الحلواني: أن حكم المحكم في المجتهدات نحو الكنايات والطلاق المضاف جائز في ظاهر المذهب عن أصحابنا، قال: الا أن هذا مما يعلم ولا يفتي به ـ الى قوله ـ وقد روى عن أصحابنا ما هو أوسع من هذا، وذلك أنه روى عنهم: أنه لو استفتى صاحب الحادثة عن هذا فقيها، فأفتاه ببطلان اليمين وسعه أن يمسكها ـ الى قوله ـ لأن فتوى الفقيه للجاهل بمنزلة حكم القاضي المولى أوحكم المحكم. (تنقيح الحامدية ۱/۳۰۲)

ففي هذه العبارات قرائن عديدة، ترشد الطالب الى ماقلنا، منها: أنهم كلهم أوردوا هذه الجملة في فسخ اليمين المضافة، وتحقيق حكمه لامطلقاً، ولو كان ضابطة كلية، تعم الحوادث والقضايا عامةً، لو وردوها واستعملوها في سائر الأبواب وعامة القضاء.

ومنها: أنهم قيدوه بالجاهل، ولو كان الفتوى بمنزلة القضاء في سائر الأحكام، لما كان لهذا القيد معنًى، فان القضاء كما ينفذ على الجاهل كذلك ينفذ على العالم والمجتهد، فغرضهم منه ليس الا جواز العمل للعامي على مذهب الغير بفتوى المفتي، كما أنه يحل له بالعمل عليه بقضاء القاضي غير أن المفتي اذا أفتى بمذهب الغير في حادثة، فان كان الحكم في ذلك المذهب غير مشروط بالقضاء، كفى للعامي العمل عليه بمحض الفتوى، من دون أن يحتاج الى قضاء القاضي كما في مسئلتنا فسخ اليمين المضافة وجواز الرجعة في كنايات الطلاق، فانه عند الشافعي ليس بمشروط بالقضاء، فاذا أفتى مفتي بأخذها مذهب الشافعي في هذه المسائل حل للعامي العمل عليه بمجرد الفتوى، فكان الفتوى في أمثال هذه الأحكام مثل

القضاء حيث حل به للعامى العمل بمذهب الغير، وهو المراد بقولهم: أن فتوى الفقيه للجاهل بمنزلة حكم القاضى المولى الخ، يعنى فى أمثال هذه المسألة من المجتهدات مما لا يشترط فيه القضاء، وأما ان كان الحكم فى ذلك المذهب مشروطاً بالقضاء كما فى المسألة المفاقيد والغيب والمتعنتين فى النفقة، وأمثالهم، فلو أفتى مفت فى أمثالها بمذهب الغير لم يجز للعامى العمل عليه الا باستجماع شرائط المذهب ومنها قضاء القاضى.

ويؤيد ماقلنا ما فى الفتاوى المهدوية لمولانا الشيخ محمد العباسى الحنفى مفتى الديار المصرية حيث قال: قولهم "أن فتوى الفقيه للجاهل بمنزلة حكم القاضى المولى، أوحكم المحكم" ذلك معناه: أن الفتوى بمنزلة ما ذكر فى ايجاب العمل بها فى حق المستفتى نفسه، بدليل قولهم فى عبارة أخرى: أن قول المفتى فى حق الجاهل بمنزلة رأيه واجتهاده، وتصريحهم فيها أن ذا الرأى يتبع رأى القاضى اذا قضى له أو عليه بخلاف رأيه (ثم ساق كلام شمس الأئمة الذى قدمناه من تنقيح الحامدية الى أن قال) فقوله فيها: "وسعه أن يمسكها دليل على كون ذلك الحكم ديانة" الخ. (فتاوىٰ مهدوية كتاب الطلاق مطلب من طلق زوجته بالحرام ثم راجعها ۱/۲۲۴،۲۲۵)

هذا ما سنح لنا، والله سبحانه وتعالىٰ أعلم.

قلت: وبهذا اتضح جواب مافى بحث رؤية الهلال من عمدة الرعاية على شرح الوقاية مانصه: والعالم الثقة فى بلده لاحاكم فيها قائم مقامه (يعنى القاضى)؛ فانه أيضا مختص بمورد كلامه يعنى فى فصل رؤية الهلال التى لا يشترط فيها القضاء لا عامة القضايا، كمالا يخفى على

المتلرب، هذا هو الصواب وبيد الله الأمر واليه المآب في كل باب.

اور ہندوستان میں بحالت موجودہ چونکہ عام طور پر قاضی شرعی کا وجود نہیں، اسلئے ان مسائل کے بیان کرنے سے پہلے ایسی صورتیں ذکر کی جاتی ہیں جو ہندوستان میں یکسر ہو سکتی ہیں۔

جج مجسٹریٹ وغیرہ کے فیصلہ کے معتبر ہونے کی شرائط

ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں تو معاملہ سہل ہے اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔ لما في الدر المختار: ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافراً، ذكره مسكين وغيره. (فتاویٰ شامی، كتاب القضاء / مطلب للسلطان أن يقضي بين الخصمين ۸/۴۳، طبع زکریا دیوبند)

لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حکام غیر مسلم ہوں تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ لأن الكافر ليس باهل للاقضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه. حتیٰ کہ اگر روداد مقدمہ غیر مسلم مرتب کرے اور مسلمان حاکم فیصلہ کرے یا بالعکس، تب بھی فیصلہ نافذ نہ ہوگا، اسی طرح اگر عنین وغیرہ کو مہلت تو مسلمان حاکم نے دی؛ لیکن تفریق سے قبل دوسرا غیر مسلم حاکم آگیا، اور اس نے تفریق کردی، یا بالعکس تو وہ تفریق صحیح نہ ہوگی؛ کیوں کہ جس طرح فیصلہ کے لئے اہلیت قضاء شرط ہے اور نااہل کا فیصلہ غیر معتبر ہے۔ اسی طرح نااہل کے سامنے شہادت بھی ناکافی ہے، اور ضروری ہے کہ جو قاضی فیصلہ کرے یا تو اسی کے سامنے شہادت ہو یا کوئی دوسرا قاضی جس کے سامنے شہادت گزری ہے وہ باضابطہ (یعنی کتاب القاضی کے جو شرائط ہیں ان کے موافق) قلم بند کر کے فیصلہ کنندہ قاضی

کے پاس حسب شرائط پہنچادے، ان دوصورتوں کے علاوہ قاضی کو فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے، جیسا کہ جزئیات مرقومۃ الذیل سے واضح ہوتا ہے۔ ولا جاء المدعی من القاضی برسول ثقة مامون عدل الی قاض آخر لایقبل؛ لأنه لایزید علی أن یأتی القاضی بنفسه، ویخبر وهو غیر ولایته کواحد من الرعایا بخلاف کتابه؛ لأنه کالخطاب من مجلس قضائه الخ. (البحر الرائق، کتاب الحوالة / باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ ۴/۷، طبع زکریا دیوبند)

وفیه أیضا عن السراج الوهاج ولو شهد شهود بحق، ثم مات القاضی المشهود عنده، وولی قاض آخر، لم ینفذ تلک الشهادة حتی تعاد اهـ. (البحر الرائق، کتاب الحوالة / باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ ۷/۷، طبع زکریا دیوبند)

اور نائب قاضی اگر روداد مرتب کرے تو اس میں تفصیل ہے۔ کما فیه أیضا مانصه للصدر الشهید النائب یقضی بما شهدوا عند الأصل، وکذا الأصل یقضی بما شهدوا عند النائب اهـ...... فالحاصل أن القاضی اذا ولی الخلیفة القضاء عمل بقوله، وان ولاه سماع الدعوی والشهادة فقط، لایعمل بقوله، فلا تناقض کمالا یخفی الخ. (البحر الرائق، کتاب الحوالة / باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ ۷/۱۱، طبع زکریا دیوبند)

اور اگر فیصلہ کسی جماعت کے سپرد کیا جاوے جیسا کہ بعض مرتبہ ججوں کی جوڑی کے سپرد ہوجاتا ہے، یا پنچ میں پیش ہوتا ہے، یا چند اشخاص کی کمیٹی کے سپرد کردیا جاتا ہے، تو اس صورت میں ان سب ارکان کا مسلمان ہونا شرط ہے کوئی غیر مسلم جج اور مجسٹریٹ اور ممبر بھی اس کا رکن ہو تو شرعاً اس جماعت کا فیصلہ کسی طرح معتبر نہیں، ایسے فیصلہ سے تفریق وغیرہ ہرگز صحیح نہ ہوگی اور جس جگہ مسلمان حاکم موجود نہ ہو، یا مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کا قانوناً اختیار نہ ہو، یا مسلمان حاکم قواعدِ شرعیہ کے مطابق

فیصلہ نہ کرتا ہو، تو اس صورت میں فقہ حنفی کے مطابق تو عورت کی علیحدگی کے لئے بغیر خاوند (مگر یہ صورت طلاق وغیرہ کی جب ہوسکتی ہے جب کہ خاوند عاقل بالغ ہو اور مفقود نہ ہو؛ کیونکہ مجنون و نابالغ سے طلاق وغیرہ صحیح نہیں، اور مفقود سے ان کی تحصیل متصور ہی نہیں) کی طلاق وغیرہ کے کوئی صورت نہیں (أما التحکیم ففی بعض مسائل الباب لایصح أصلا، وفی البعض یصح، ولکن له یفتی به لما قال صاحب الهدایة وغیره من أنه لایفتی به فی النکاح والطلاق وغیرهما؛ لکیلا لایتجاسر العوام فلذا ترکناه.) اور حتی الوسع لازم ہے کہ خلع وغیرہ کی کوشش کرے۔

حکم جماعتِ مسلمین

لیکن اگر خاوند کسی طرح نہ مانے یا بوجہ مجنون یا لاپتہ ہونے کے اس سے خلع وغیرہ ممکن نہ ہو اور عورت کو صبر کی ہمت نہ ہو تو مجبوراً مذہب مالکیہ کے مطابق دین دار مسلمانوں کی پنچایت میں معاملہ پیش کرنے کی گنجائش ہے کیوں کہ مالکیہ کے مذہب میں قاضی وغیرہ نہ ہونے کی حالت میں یہ صورت بھی جائز ہے کہ محلہ کے دین دار مسلمانوں کی ایک جماعت جن کا عدد کم از کم تین ہو پنچایت کرے اور واقعہ کی تحقیق کر کے شریعت کے موافق حکم کردے تو یہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ صرح بذلک العلامة الصالح التونسی مفتی المالکیة فی المسجد النبوی بالمدینة المنورة فی فتواه الملحقة بهذه الرسالة فی الروایة السابعة عشر.

ضرورتِ شدیدہ میں مذہب غیر پر فتویٰ دینا

اور ضرورتِ شدیدہ اور ابتلائے عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دے دینا بھی جائز ہے: لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس مسئلہ میں چاہیں ایسا کر لینے کی اجازت نہیں: بلکہ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ وذلک لما صرح به العلامة الشامی فی رسالة شرح المنظومة

فی رسم المفتی وقد مرنصه فی تمهید هذه الرسالة.

اور اس زمانہ میں احتیاط اس طرح ہوسکتی ہے کہ جب تک محقق ومتدین (پنچایت کے مطابق فائدہ مہمہ جو عنقریب آتا ہے اس کے بعد ہر سہ تنبیہات کا ملاحظہ ضروری ہے) علمائے کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ نہ دیں اس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے، کیوں کہ مذہب غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتباع ہوئی کی بنا پر نہ ہو؛ بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو، اور ضرورت وہی معتبر ہے جس کو علمائے اہل بصیرت ضرورت سمجھیں۔ ونیز یہ بھی ضروری ہے کہ فتویٰ دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاذ سے فن کو حاصل کیا ہو، اور اہل بصیرت اس کو فقہ میں مہارت تامہ حاصل ہونے پر شہادت دیتے ہیں۔ لما قال الشامی فی عقود رسم المفتی: فان المتقدمین شرطوا فی المفتی الاجتهاد، وهذا مفقود فی زماننا، فلا أقل من أن یشترط فیه معرفة المسائل بشروطها وقیودها، التی کثیراً مایسقطونها، ولا یصرحون بها اعتمادًا علی فهم المتفقه، وکذا لابد من معرفة عرف زمانه وأحوال أهله، والتخریج فی ذلک علی أستاذ ماهر الخ.(عقود رسم المفتی، بحث: أمثلة الأحکام التی تتغیر بتغیر العرف، ص: ۱۷۹)

یعنی متقدمین نے مفتی ہونے کے لئے اجتہاد کی شرط لگائی ہے اور یہ اس زمانہ میں مفقود ہے، پس کم از کم اس میں یہ شرط تو ضرور رہے گی کہ مسائل سے ان کی شروط وقیود سمیت واقف ہو جن کو فقہاء اکثر چھوڑ دیتے ہیں، اور اہل فن کے فہم پر بھروسہ کی وجہ سے بالتصریح بیان نہیں کرتے، اور اسی طرح مفتی کے واسطے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے زمانہ کے عرف اور اہل زمانہ کے احوال سے بخوبی واقف ہو، اور کسی ماہر استاذ سے فتویٰ دینے کا طریقہ بھی حاصل کیا ہو (الی آخرہ) اور اس زمانہ پر فتن میں یہ دونوں باتیں جمع ہونا یعنی کسی ایک شخص میں تدین کامل ومہارت تامہ کا اجتماع نایاب ہے،

اسلئے اس زمانہ میں اطمینان کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ کم از کم دو چار محقق علمائے دین کسی امر میں ضرورت ﴿اسی لئے جب ہم نے اس رسالہ میں چند مسائل مذہب مالکیہ سے لینے کی ضرورت سمجھی تو صرف اپنی رائے پر اکتفانہیں کیا بلکہ مسودہ تیار کر کے حضرات علمائے دیوبند وسہارنپور کی خدمت میں بغرض استصواب بھیجا گیا۔

ان حضرات نے جس اہتمام کے ساتھ جمع ہوکر اس پر نظر غائر فرمائی ہے، ایسا اتفاق شاید ہی کسی مسئلہ میں پیش آیا ہو، یہاں تک کہ اس اہم کام کی وجہ سے ان حضرات نے چند بار اپنے اور مدرسہ کے مشاغل ضروریہ کا حرج کثیر بھی گوارا فرمایا، آخر کار کئی مرتبہ باہمی مراجعت کے بعد جب سب حضرات نے بالاتفاق تصدیق فرمائی تب اس کو شائع کیا گیا۔﴾ کو تسلیم کر کے مذہب غیر پر فتویٰ دیں، بدون اس کے زمانہ میں اگر اقوال ضعیفہ اور مذہب ﴿ایک امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اگر کسی جگہ مالکی قاضی بھی ہو یا جہاں بالکل قاضی نہیں، اگر وہاں مالکی لوگوں کی پنچایت ہو تو حنفی قاضی اور حنفی پنچایت کی طرف رجوع نہ کیا جائے اور اگر کوئی رجوع کرے تو ان کو مالکی مذہب پر فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ مالکی قاضی یا مالکی پنچایت میں معاملہ بھیج دیا جائے۔﴾ غیر کو لینے کی اجازت دی جاوے تو اس کا لازمی نتیجہ ہدم مذہب ہے۔

کمالا یخفی واللہ أعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب.

فائدہ مہمہ

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''شفاء العلیل'' میں استیجار علی التلاوۃ کی ممانعت پر دلائل قائم کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے: قلت: فثبت بما قلناہ عدم جواز الاستیجار علی الحج کغیرہ من الطاعات سوی مامر، وممن صرح بذلک صاحب الهداية والكنز والمجمع والمختار والوقاية وغيرهم نصوا على ذلک فی كتاب الاجارة، ثم استثنوا تعليم القرآن

من الطاعات، وبعضهم استثنى أيضا تعليم الفقه والامامة والأذان والاقامة، كما علمت ذلک مما نقلناه عن المتون وغيرها، وهذا من اقوى الأدلة على ما قلنا من أن ماافتوا به ليس عاماً فى كل طاعة؛ بل هو خاص بما نصوا عليه مما وجد فيه علة الضرورة والاحتياج، فان الاستثناء من أدوات العموم كما تقرر فى الأصول، وحيث نصوا على ان مذهب أئمتنا الثلاثة المنع مطلقا، مع وضوح الأدلة عليه، واستثنى بعض المشايخ أشياء، وعللوا ذلک بالضرورة المسوغة لمخالفة اصل المذهب، كيف يسوغ للمقلد طرد ذلک، والخروج عن المذهب بالكلية من غير حاجة ضرورية، على أنه لو ادعى أحد الحاق مافيه ضرورة، غير مانصوا عليه به قلنا ان نمنعه وان وجدت فيه العلة الا أن يكون من أهل القياس، فقد نص ابن نجيم فى بعض رسائله، على أن القياس بعد الأربع مائة منقطع، فليس لأحد أن يقيس مسئلة على مسئلة، فما بالک بالخروج عن المذهب، فعلى المقلد اتباع المنقول، ولهذا لم نرأحداً قال بجواز الاستيجار على الحج، بناء على ما أفتى به المتأخرون. (ص ۱۶۲ ج:۱)

مذہبِ غیر اختیار کرنے پر ایک اشکال اور اس کا جواب

اس میں من غير حاجة ضرورية تک سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت دوسرے مذہب پر عمل جائز ہے، اور اس ضرورت میں یہ قید نہیں کہ اس کا تحقق کب ہوا ہے؛ بلکہ علی الاطلاق ضرورت کا لفظ استعمال کیا ہے، جو عام ہے ہر ضرورت کو خواہ وہ کسی زمانہ میں پیدا ہوئی ہو جیسا کہ علامہ نے عقود رسم المفتی میں بھی ضرورت کو عام رکھا ہے؛ بلکہ اس میں صفحہ:۴۵/ پر ”فهذه كلها قد تغيرت أحكامها لتغير الزمان،

اما للضرورة واما للعرف واما للقرائن الأحوال" الخ کے بعد جو تحریر فرمایا ہے (فان قلت): العرف يتغير مرةً بعد مرة، فلو حدث عرف آخر لم يقع في الزمان السابق؛ فهل يسوغ للمفتي مخالفة المنصوص واتباع العرف الحادث (قلت): نعم، فان المتأخرين لم يخالفوا الا لحدوث عرف بعد زمن الامام، فللمفتي اتباع عرفه الحادث في الألفاظ العرفية، وكذا في الأحكام التي بناها المجتهد على ماكان في عرف زمانه، وتغير عرفه الى عرف آخر اقتداء بهم؛ لكن بعد أن يكون المفتي ممن له رأي صحيح، ومعرفة بقواعد الشرع، حتى يميز بين العرف الذي يجوز بناء الأحكام عليه وبين غيره، فان المتقدمين شرطوا في المفتي الاجتهاد، وهذا مفقود في زماننا،فلا أقل: من أن يشترط فيه معرفة المسائل (الى آخر مامر).

اس میں تصریح ہے کہ اس زمانہ میں بھی تغیر زمان ضرورت جدیدہ کی وجہ سے ہو جاوے تو اہل فتویٰ کو مذہب غیر پر فتویٰ دینا جائز ہے۔

مگر على أنه لو ادعى أحد الخ سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ افتاء بمذہب الغیر مخصوص تھا زمانہ اجتہاد کے ساتھ جو چوتھی صدی پر ختم ہو چکا، پس چوتھی صدی کے بعد خواہ کیسی ہی ضرورت شدیدہ اور حالت اضطرار پیش آ جاوے مگر جس مسئلہ میں زمانہ اجتہاد کے مشائخ نے مذہب غیر کو اختیار نہیں فرمایا۔ اس مسئلہ میں بعد کے علماء کو مذہب غیر پر فتویٰ دینا جائز نہیں مقصود ان حضرات مستدلین کا یہ ہے کہ اس رسالہ میں جو مذہب مالکیہ کے مسائل لکھے گئے ہیں ان میں اکثر مسائل ایسے ہیں جن کو زمانہ مذکورہ میں کسی حنفی مجتہد نے نہیں لیا، اس واسطے ہم کو ان پر فتویٰ دینے کا اختیار نہیں، سو اس کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ جب خود علامہ موصوف ہر زمانہ میں اس کے جواز کی تصریح فرما چکے (جیسا کہ عبارت مذکورہ بالا از عقود رسم المفتی سے واضح ہے) اور قاعدہ

ہے "الحکم المذکور فی بابہ أولی من المذکور فی غیر بابہ" تو پھر اگر اس عبارت محوث فیہا سے عدم جواز بھی ثابت ہو جائے تب بھی قابل تسلیم نہیں۔

ثانیاً: یہ کہ اس عبارت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر کو لے کر اسی چیز کے جواز پر فتویٰ ہوسکتا ہے جس کا جواز مذہب غیر میں منصوص ہو غیر مجتہد کو یہ جائز نہیں کہ منصوص فی مذہب الغیر پر قیاس کر کے کسی ایسی چیز کا جواز ثابت کرے جو دوسرے (جیسا کہ خود اپنے مذہب کے مسائل پر قیاس کرنے کا حق نہیں ہے) مذہب میں منصوص نہ ہو، اور پھر ضرورت کی وجہ سے اس اپنے مستخرجہ جواز پر فتویٰ دے، جیسا کہ بعض لوگوں نے علامہ شامی کے زمانہ میں ضرورت کا دعویٰ کر کے تلاوت قرآن علی القبر وغیرہ کی اجرت کو جائز کہا تھا، قیاساً علی جواز تعلیمہ المنصوص فی مذھب الامام مالک و الشافعی اور اس مقام پر علامہ کا اصل مقصود اسی قیاس فاسد کو رد کرنا ہے۔

حاصل رد یہ ہے کہ اولاً استیجار علی التلاوۃ کی ضرورت غیر مسلم جو خروج عن المذہب کو جائز کرنے والی ہے، اور اگر بالفرض ہم اس کی ضرورت کو تسلیم بھی کر لیں تب بھی جائز نہیں ہوسکتی کیوں کہ کسی (کما قال العلامۃ أیضا فی رسائلہ (صفحہ: ۱۷۴ و ۱۷۵) وأما الاستیجار علی التلاوۃ فلا یجوز فی مذھب من المذاھب الاسلامیۃ، ولا دین من الأدیان السماویۃ، ولم ینقل عن أحد من الأئمۃ) مذہب میں بھی اس کا جواز منصوص نہیں، اور تعلیم جو منصوص ہے اس پر اہل زمانہ کے لئے بوجہ غیر مجتہد ہونے کے تلاوت کو قیاس کرنے کا حق نہیں ہے، اگرچہ ایصال نفع بکتاب اللہ الی الغیر تلاوت میں بھی موجود ہے، جو اصل مسئلہ یعنی رقیہ واردہ فی الحدیث کی علت ہے، اور اسی علت کے سبب امام مالک وشافعی نے تعلیم قرآن کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے، اور اسی واسطے۔ "قلنا ان نمنعہ" کے بعد "وان وجدت فیہ العلۃ" فرمایا ہے، یعنی اگرچہ اصل مسئلہ منصوصہ فیہ مذہب کی علت بھی پائی جائے۔ ورنہ اگر وہ مطلب ہوتا جو ان حضرات نے خیال فرمایا ہے، تو اس کی جگہ "وان مست

الیہ الحاجۃ" یا "وان دعت الیہ ضرورۃ" وغیرہ فرمانا مناسب تھا؛ کیوں کہ علت کی ضرورت "قیاس المسئلۃ علی المسئلۃ" میں ہے۔ پس روح اس جواب ثانی کی یہ ہے کہ "وان وجدت فیہ العلۃ" میں علت سے مراد "علۃ الحکم فی أصل المسالۃ المنصوصۃ فی مذھب" ہے نہ کہ "علۃ الضرورۃ" جس کی وجہ سے ان حضرات کو اشکال پیش آیا۔ فافھم حق الفھم۔

اب رہا یہ سوال کہ اس عبارت میں جب دونوں احتمال ہیں تو ان میں سے ایک کو متعین کیسے کہا جاوے اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ احتمال مستدل کو مضر ہوتا ہے، ہم چونکہ اس عبارت سے استدلال نہیں کرتے اس لئے دوسرا احتمال بھی رہے تو ہم کو ضرر نہیں پہنچ سکتا؛ بلکہ استدلال کرنے والے وہ حضرات ہیں جو مذہب غیر کا مسئلہ لینے کو محدود کرتے ہیں زمانہ خاص کے ساتھ بس ہم کو ایسا احتمال نکال دینا کافی ہے جس کی عبارت متحمل ہو اور یہ ثابت کرنا کہ اس کا صرف یہی ایک محمل ہے یہ کام حضرات مستدلین کا ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جو توجیہ ہم نے کی ہے وہی متعین ہے؛ اس لئے کہ اس کے بدون علامہ کا کلام صحیح نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ خود علامہ موصوف نے اپنے اس رسالہ "شفاء العلیل" و نیز "ردالمحتار" میں تعلیم فقہ و امامت و اذان و اقامت و وعظ کی ملازمت کا جواز تسلیم کیا ہے، حالانکہ زمانہ اجتہاد میں ان چیزوں پر تنخواہ کے جواز کا احناف میں کوئی قائل نہیں تھا، جیسا کہ خود "شفاء العلیل" ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین یعنی تین صدی تک تو علمائے کرام بالاتفاق سب طاعات کی اجرت کو مطلقاً منع فرماتے تھے، اور بعض متاخرین (یعنی تیسری صدی کے بعد والے مشائخ) نے تعلیم قرآن کو مستثنیٰ فرمایا ہے، ان متاخرین میں فقیہ ابواللیث سمرقندی بھی ہیں (جن کا انتقال ۳۷۳ھ میں یا اس کے بھی بعد ہوا ہے) اور امام فضلی نے بھی تعلیم قرآن پر اجارہ کو جائز اور اذان و امامت وغیرہ بقیہ طاعات پر ناجائز فرمایا ہے (امام فضلی کا سن وفات ۳۸۱ھ ہے)

الغرض یہ استثناء زمانہ اجتہاد میں صرف تعلیم قرآن پر مقتصر رہا، حتیٰ کہ شمس الائمہ

سرخسی (متوفی ۵۰۰ھ) نے تصریح فرمائی ہے: **واجمعوا علی ان الاجارة علی تعلیم الفقه باطلة.** اور تعلیم قرآن کے علاوہ دوسری طاعات مثل تعلیم فقہ واذان و امامت وغیرہ پر پانچویں صدی کے بعد والے فقہاء میں سے بعض نے وقتاً فوقتاً جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ چنانچہ مائۃ سادستہ میں صاحب مجمع البحرین نے تو امامت وتعلیم کو تعلیم قرآن کے ساتھ ملحق کر دیا، مگر صاحب ہدایہ (متوفی ۵۹۲ھ) وقاضی خاں (متوفی ۵۹۲ھ) جیسے جلیل القدر اصحاب تخریج وترجیح نے اس وقت بھی محض تعلیم قرآن ہی کی تنخواہ کو جائز قرار دیا، اس کے علاوہ بقیہ طاعات پر اجارہ کو بدستور ناجائز رکھا اور کنز جو متون متداولہ میں ایک ممتاز شان رکھتا ہے اس میں باوجود ساتویں صدی ختم ہو جانے کے بھی جواز اجارہ کو محض تعلیم قرآن پر مقتصر رکھا (صاحب کنز کی وفات ۷۱۰ھ میں ہوئی ہے) مگر اس کے بعد اکثر اصحاب متون وشراح اور ارباب فتاویٰ نے تعلیم قرآن کے ساتھ تعلیم فقہ وامامت واذان کو بھی ملحق کیا ہے، جیسا کہ مختصر (خود وقایہ میں تعلیم فقہ کا لفظ بھی موجود ہے، پس نہ معلوم علامہ نے وقایہ کی طرف کیوں منسوب نہیں فرمایا) وقایہ میں تعلیم قرآن کے ساتھ تعلیم فقہ ملحق ہے (صاحب مختصر وقایہ کی وفات ۷۴۷ھ میں ہوئی) اور صاحب ملتقی الابحر (متوفی ۹۵۶ھ وصاحب درر البحار (متوفی ۷۸۸ھ) نے امامت کا اضافہ کر دیا ہے، اور صاحب الاصلاح والایضاح (متوفی ۹۴۰ھ) نے فقہ کی اجرت کو جائز قرار دیا اور صاحب تنویر الابصار (متوفی ۱۰۰۴ھ) نے تعلیم قرآن وفقہ اور امامت کے ساتھ اذان کو بھی شامل کر دیا، اور بعض فقہاء (**هكذا ذكرهم العلامة بلاتسمية في رد المحتار أيضا**) نے اقامت ووعظ کا بھی اضافہ کر دیا۔

جب یہ سب تفصیل علامہ موصوف خود تحریر فرما رہے ہیں اور بایں ہمہ ان چیزوں کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں جو چوتھی صدی سے بہت پیچھے دوسرے مذہب سے لی گئی ہیں اور خود ان فقہائے کرام کا باوجود مجتہد نہ ہونے اور زمانہ اجتہاد ختم ہو جانے کے دوسری اشیاء کو ملحق کرنا اس کی بین دلیل ہے کہ علامہ شامی کے کلام کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں ہو سکتا کہ

چوتھی صدی کے بعد کسی دوسرے امام کا قول لینے کا اختیار نہیں، بلکہ افتاء بمذہب الغیر ہر زمانہ میں جائز ہے بشرطیکہ سخت ضرورت ہو کہ مذہب غیر کے لئے بدون کوئی تکلیف نا قابل برداشت (ایک مطبوعہ رسالہ میں دیکھا کہ مذہب غیر پر عمل جب جائز ہے جب اندیشہ ہلاکت ہو، مگر کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا، اور نہ دے سکتے ہیں ضرورت کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم نے کی ہے، یعنی تکلیف نا قابل برداشت، چناں چہ خود اس رسالہ میں بھی ایک جگہ تکلیف نا قابل برداشت کا لفظ استعمال کیا ہے۔) پیش آجاوے۔ کما بیناہ من قبل أیضا ھذا ما سخ بالبال و اللہ أعلم بحقیقة الحال.

تنبیہاتِ ضروریہ..... متعلق جماعتِ مسلمین

تنبیہ اوّل: فتاویٰ مالکیہ میں جماعت المسلمین العدول کے الفاظ ہیں، اور عدل سے مراد وہ شخص ہے، جو فاسق نہ ہو یعنی تمام کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو اور صغائر پر بھی مصر نہ ہو، اور اگر کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہو تو فوراً توبہ کر لیتا ہو، لہٰذا وہ شخص جو سود یا رشوت وغیرہ لیتا ہو یا داڑھی منڈواتا ہو، یا جھوٹ بولتا ہو، یا نماز روزہ کا پابند نہیں ہے، وہ اس جماعت کا رکن نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہ مسئلہ مالکیہ سے لیا گیا ہے۔

اس واسطے اس کی سب شرطیں مذہب مالکیہ سے لینا لازم ہے، اور ان کے نزدیک قاضی وغیرہ کے لئے عادل ہونا شرط ہے؛ اس لئے غیر عادل کا حکم نافذ نہ ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک گو قاضی کا عادل ہونا شرط کے درجہ میں نہیں؛ لیکن غیر عادل سے فیصلہ کرانا حرام ہے؛ اس لئے ان کے نزدیک بھی غیر عادل کو اس پنچایت کا رکن بنانا جائز نہیں، غرض پنچایت کا دیندار ہونا ضروری ہے۔

اور اگر بدقسمتی سے کسی جگہ کے با اثر لوگ دین دار نہ ہوں تو یہ تدبیر کر لی جاوے کہ وہ با اثر اشخاص چند دین داروں کو اختیار دے دیں تا کہ شرعاً فیصلہ کی نسبت دین دار جماعت کی طرف ہو اور با اثر اشخاص کی شرکت گو ضروری نہیں، مگر ان کے اثر سے کام میں سہولت

ہوتی ہے،اس طرح کام بھی بن جاوے گا،اوران باا ثر اشخاص کوثواب بھی ملے گا۔

تنبیہ دوم: اگر فیصلہ پنچایت کے سپرد کیا جاوے تو چونکہ عوام کی پنچایت کا کچھ اعتبار نہیں نہ معلوم کہاں کہاں قواعد شرعیہ کے خلاف کر بیٹھیں؛ اس لئے اولاً تو یہ چاہئے کہ پنچایت کے ارکان سب اہل علم ہوں،اوراگر یہ میسر نہ ہوتو کم ازکم ایک عالم معاملہ شناس کو پنچایت میں اس طرح شریک کرلیں کہ اول سے آخر تک جو کچھ بھی کریں ان سے پوچھ کر کریں،اوراگر یہ بھی ممکن نہ ہوتو پھر بجزاس کے پنچایت کا فیصلہ نافذ ومعتبر ہونے کی کوئی صورت نہیں کہ معاملہ کی مکمل روداد دکھلا کر ہر ہر جزئی کے حکم کو معاملہ فہم علمائے محققین سے دریافت کرکے ان کے فتویٰ کے موافق فیصلہ کیا جاوے، اگرایسا نہ کیا گیا بلکہ عوام نے محض اپنی رائے سے حکم کردیا تو وہ حکم نافذ نہ ہوگا اگرچہ اتفاقاً حکم صحیح بھی ہوگیا ہوجیسا کہ فقہائے مالکیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

کما فی مختصر الخلیل حیث قال ونبذ حکم جائر وجاھل لم یشاور، والا تعقب، ومضی غیر الجور، وقال شارحه العلامة الدردیر تحت قوله: "لم یشاور" (أی) العلماء، ولو وافق الحق۔ الی أن قال۔ وان تعقب مع المشاورة. لأنه وان عرف الحکم فقد لایعرف ایقاعه؛ لأنه یحتاج لزیادة نظر فی البینة وغیرها من أحوال المتداعین اذ القضاء صناعة دقیقة لایهتدی الیه کل الناس. (منح الجلیل شرح مختصر خلیل ۳۳٦/۸)

قلنا: ونظیره علی قول بعض من صلی بغیر التحری فان صلوته لاتصح وان أصاب القبلة؛ لأنه ترک فرض التحری، فکذا اذا ترک الجاهل فرض المشاورة مع العلماء لایصح حکمه، وان وافق الحق، وأما التعقب علی حکمه بعد المشاورة مع العلماء فهو فریضة القاضی، ویکفینا صحة الحکم. وقال فی باب القضاء: وأما الجاهل والکافر فلا یجوز تحکیمهما (ثم قال): فان حکما خصما أو کافرا أو جاهلا لم

ینفذ حکمه.(شرح الدردیر ۲/۲۸۶) قلنا: لعل عدم النفاذ مخصوص بما اذا لم یشاور الجاهل العلماء کما علم مما مر. واللّٰہ أعلم.

تنبیہ سوم: یہ شرعی پنچایت جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، اگر کسی معاملہ میں متفق ہوکر تفریق کردے تو اس کا حکم قاضی کے حکم کے قائم مقام ہوگا، اور تفریق وغیرہ صحیح ہوجائے گی، اور اگر پھر خدانخواستہ کسی واقعہ کے متعلق پنچایت کے ارکان میں اختلاف رہا تو تفریق وغیرہ نہ ہوسکے گی، اور اگر بعض نے فیصلہ کردیا تو کالعدم متصور ہوگا۔

ونظیره مافی کتبنا: من أن الحکمین اذا اختلفا لاینفذ حکم أحد منهما، قال صاحب الهدایة: لو حکما رجلین لابد من اجتماعهما؛ لأنه أمر یحتاج فیه الی الرأی. وفی شرحها "النهایة":

حتی لو حکم أحدهما دون الآخر، لایجوز لأنهما رضیا برأیهما، ورأی الواحد لایکون کرأی الاثنین. (هدایة آخرین، کتاب الأدب القاضی / باب التحکیم ۳/۱۴۵، طبع یاسر ندیم دیوبند)

قلنا: فکما أن تفویض الخصمین للحکمین یقتضی اجتماع رأیهما علی حکم واحد فکذٰلک تفویض الشرع الحکم الی الجماعة یقتضی اجتماع آراهم علی حکم واحد.

وبمثله صرح الامام مالکؒ فی المدونة، باب ماجاء فی الحکمین فی ابواب الأنکحة والطلاق.(ص:۲۵۷، ج:۲) حیث قال (قلت): فلو أنهما اختلفا فطلق أحدهما ولم یطلق الآخر (قال) اذا لا یکون هناک فراق؛ لأن الی کل واحد منهما ما الی صاحبه باجتماعهما علیه. انتهی، وأصرح منه ما قال الباجی المالکی فی المنتقی:

"مسئله: ولو حکم المتخاصمان رجلین، فحکم أحدهما ولم یحکم الآخر، فان ذلک لایجوز له، قاله سحنون فی کتاب ابنه، ولو

حكم جماعة فاتفقوا على حكم الفذوه وقضوا به جاز، قاله ابن كنانة في المجموعة ، ووجه ذلك انهما اذا رضيا بحكم رجلين أو رجال فلا يلزمهما حكم بعضهم دون بعض الخ". (منتقی: ص: ۲۲۷، ج:۵)

عباراتِ مرقومہ سے مستفاد ہوا کہ "جماعت المسلمین" کا صرف وہ فیصلہ معتبر ہوگا جو باتفاق ہو کثرت رائے کا اعتبار نہ ہوگا؛ کیوں کہ اس کے معتبر ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور بدون دلیل کے کوئی حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔

البتہ عورت کو نظر ثانی کی درخواست کا حق ہوگا، پھر نظر ثانی میں اس پنچایت کے ارکان کو اگر کوئی وجہ قوی عورت کے مطالبہ کی مؤید ظاہر ہو اور ارکانِ پنچایت اب تفریق پر متفق ہو کر تفریق کر دیں تو یہ تفریق نافذ ہو جاوے گی، اور اگر مقدمہ روداد بالکل وہی ہے کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی تو تفریق نہ کی جاوے۔

وذلك في المدونة أوائل كتاب الأقضية (ص: ٦٩ ج:٣) فان اتيابعد ذلك يريد ان نقض ذلك لم يقبل ذلك منهما الا أن يأتيا بأمر يرى لذلك وجهاً ۔ الى قوله ۔ وما أشبه هذا مما قال مالك يعرف به وجه حجة اهـ، والله اعلم.

حکم زوجۂ عنین

سوالات

(۱) عنین اصطلاح فقہ میں کس کو کہتے ہیں؟

(۲) زوجہ عنین کو فسخ نکاح کا اختیار دیا جائے گا یا نہیں؟

(۳) اگر اختیار دیا جائے تو اس کی کیا صورت ہوگی اور اس کے لئے کیا شرائط ہیں؟

(۴) تفریق کے بعد عنین پر پورا مہر واجب ہوگا یا نصف؟

ونیز عورت پر عدت لازم ہوگی یا نہیں؟

سوال نمبر ایک کا جواب

في العالمگيرية: العنين هو الذى لايصل الى النساء مع قيام الآلة، فان كان يصل الى الثيب دون الأبكار أو الى بعض النساء دون البعض، وذلك لمرض به أو لضعف فى خلقه أو لكبر سنه أو سحر فهو عنين فى حق من لايصل اليها، كذا فى النهاية. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق / فى العنين ۱/ ۵۲۲، طبع زکریا دیوبند)

وفى رد المحتار: أى مع وجود الآلة سواء كانت تقوم أولا.

(فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق/ باب العنين وغيره ۵/ ۱۶۶، طبع زکریا دیوبند)

عباراتِ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ فقہاء کی اصطلاح میں عنین اس شخص کو کہتے ہیں جو باوجود (اور جس شخص کا عضوِ مخصوص قطع ہوگیا، یا اصل سے ہی بالکل موجود نہ تھا، اس کا حکم آگے آتا ہے) عضوِ مخصوص ہونے کے عورت سے جماع (فى رد المحتار

عن المعراج: اذا أولج الحشفة فقط فليس بعنين، وان كان مقطوعها فلابد من ايلاج بقية الذكر، قال في البحر: وينبغي الاكتفاء بقدرها من مقطوعها. (فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق / باب العنين وغيره ۱۶۶/۵ ، طبع زکریا دیوبند) کرنے پر قادر نہ ہو، خواہ یہ حالت کسی مرض کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو یا ضعف کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے، یا اس وجہ سے کہ کسی نے اس پر جادو کر دیا ہو۔ اور اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ بعض عورتوں سے تو جماع کرنے پر قادر ہے اور بعض پر نہیں، تو جس سے ہم بستری پر قدرت نہیں اس کے حق میں یہ شخص عنین سمجھا جائے گا۔

سوال نمبر دو کا جواب

زوجۂ عنین کو ان شرائط کے ساتھ اپنے خاوند سے تفریق یعنی علیحدگی اختیار کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے، جو جواب نمبر ۳/ مندرجہ ذیل میں ابھی آرہے ہیں، بغور ملاحظہ فرمائیں۔

سوال نمبر تین کا جواب

الف: قال في العالمگيرية، باب العنين: اذا رفعت المرأة زوجها الى القاضي ادعت أنه عنين، وطلبت الفرقة، فان القاضي يسأله: هل وصل اليها أو لم يصل؟ فان أقرأنه لم يصل، أجله سنة، سواء كانت المرأة بكراً أم ثيباً، وان أنكر وادعى الوصول اليها، فان كانت المرأة ثيباً، فالقول قوله مع يمينه، أنه وصل اليها كذا في البدائع. فان حلف بطل حقها، وان نكل يؤجل سنة، كذا في الكافي. وان قالت: أنا بكر نظر اليها النساء، وامرأة تجزئ، والاثنتان أحوط وأوثق، فان قلن: انها ثيب، فالقول قول الزوج مع يمينه، كذا في السراج الوهاج. فان حلف لاحق لها، وان نكل يؤجله سنة، كذا في الهداية وان قلن: هي بكر، فالقول قولها من غير يمين.

(فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق/ فی العنین ۵۲۲/۱، طبع زکریا دیوبند)

وفي الدر المختار: فان قالت امرأة ثقة والثنتان أحوط: هي بكر، خيرت

الخ. (فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق / باب العنین وغیرہ ۵/۱۷۳، طبع زکریا دیوبند)

ب: وفی التأجيل تعتبر السنة القمرية فی ظاهر الرواية، كذا فی التبيين وهو الصحيح كذا فی الهداية. وروى الحسن عن ابی حنيفةؒ: انه تعتبر سنة شمسية، وهی تزيد على القمرية بأيام. وذهب شمس الأئمة السرخسی فی شرح الكافی الى رواية الحسن أخذ بالاحتياط، وكذلك صاحب التحفة، وهذا هو المختار عندی كذا فی غاية البيان، وهو اختيار شمس الأئمة فی المبسوط، واختيار الامام قاضی خان والامام ظهير الدين فی التأجيل: أنه يقدر بسنة شمسية أخذا بالاحتياط كذا فی الكفاية وعليه الفتوى كذا فی الخلاصة. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق فی العنین ۱/۵۲۳، طبع زکریا دیوبند)

وفی الدر: ولو أجل فی أثناء الشهر فبالأيام اجماعاً. (فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق / باب العنین وغیرہ / مطلب فی طبائع فصول السنة الأربعة ۵/۱۷۰، طبع زکریا دیوبند)

ج: ابتداء التاجيل من وقت (المراد به وقت التاجيل؛ لأنه لايؤخر من المخاصمة بدون عذروبه حصل التوفيق بين هاتين الروايتين.) المخاصمة كذا فی المحيط. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق / فی العنین ۱/۵۲۳، طبع زکریا دیوبند) وفی مبسوط السرخسی فی عبارة طويلة: ولا يحتسب بالمدة قبل التأجيل، انتهى. (المبسوط ۵/۱۰۲)

د: ان جاء ت المرأة الى القاضی بعد مضی الأجل، وادعت أنه لم يصل اليها، وادعى الزوج الوصول، فان كانت ثيباً فی الأصل كان القول قوله مع اليمين، فان حلف بطل حقها، وان نكل خيرها القاضی، وان قالت المرأة، أنا بكر، نظرت اليها النساء، والواحدة تكفی والثنتان أحوط، فان قلن: هی ثيب، كان القول قوله مع اليمين.

وإن قلن: هي بكر أو أقر الزوج أنه لم يصل اليها، خيرها القاضي في الفرقة، كذا في شرح الجامع الصغير لقاضيخان. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق / في العنين ۱/۵۲۴، طبع زکریا دیوبند)

وفي ردالمحتار: تحت قوله "خيرت" اى يكون القول قولها ويخيرها القاضي . قال في النهر: وظاهر كلامه أنها لا تستحلف، قلت: صرح به في البدائع عن شرح الطحاوى الخ. (فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق / باب العنين وغيره ۵/۱۷۳، طبع زکریا دیوبند)

هـ:ان اختارت الفرقة، أمرالقاضي أن يطلقها طلقة بائنة فان أبى فرق بينهما، هكذا ذكر محمد في الأصل كذا في التبيين، والفرقة تطليقة بائنة كذا في الكافي. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق / في العنين ۱/۵۶۴، طبع زکریا دیوبند) لأنها فرقة قبل الدخول حقيقة، فكانت بائنة. (فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق / باب العنين وغيره ۵/۱۷۱، طبع زکریا دیوبند)

عباراتِ مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ زوجۂ عنین کے لئے تفریق کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنا معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش کرے۔ قاضی واقعہ کی تحقیق کرے، یعنی اول خاوند سے دریافت کرے اگر وہ خود اقرار کرلے کہ بے شک میں اس عورت سے ہم بستری پر قادر نہیں ہوا، تو اس کو ایک سال کی مہلت علاج کرنے کے لئے دے دے، اور اگر وہ اقرار نہ کرے، بلکہ جماع کا دعویٰ کرے تو اس وقت یہ تفصیل ہے کہ اگر عورت باکرہ ہونے کا دعویٰ نہ کرتی ہو تب تو مرد سے حلف لیا جاوے گا، اگر اس نے حلف کرلیا تو پھر عورت کو تفریق کا حق حاصل نہ ہوسکے گا۔ اور اگر شوہر نے حلف سے انکار کردیا تو اس کو ایک سال کی مدت بغرض علاج دے دی جاوے گی، اور اگر عورت باکرہ ہونے کی مدعی ہو تو قاضی عورتوں سے اس کی بیوی کا معائنہ کرائے، ایک عادل تجربہ کار عورت کا معائنہ بھی کافی ہے؛ لیکن احتیاط اس میں ہے کہ ﴿اس کو احتیاط کہنا

اس وقت ہے جب فیصلہ کرنے والا قاضی ہو اور اگر پنچایت فیصلہ کرے تو مذہب مالکیہ لینا ضروری ہے، اوران کے مذہب میں معائنہ کے لئے دوعورتیں ضروری ہیں، ایک عورت کافی نہیں ہے۔ في المدونة (ص:۷۳/ ج:۴) قلت: أرأيت مالا يراه الرجال، هل يجوز فيه شهادة امرأة (قال مالكؒ): لايجوز في شيء من الشهادات أقل من شهادة امرأتين، لايجوز شهادة امرأة واحدة في شئ من الأشياء، وفي المختصر: (ص ۳۱۰، ج:۱، فصل في الخيار من أبواب الأنكحة) وان أتى بامر أتين تشهدان له قبلتا.)

دوعادل عورتیں معائنہ کریں، پھر معائنہ کے بعد دوصورتیں ہیں:

ایک یہ کہ عورتیں بیان کریں کہ یہ عورت باکرہ یعنی کنواری نہیں رہی تب تو خاوند سے اس بات پر حلف لیا جاوے کہ اس نے جماع کیا ہے اگر وہ حلف کرلے تو اس کا قول معتبر ہو جائے گا، اور عورت کو تفریق کا حق باقی نہ رہے گا، اور اگر شوہر حلف سے انکار کرے تو تاجیل یعنی ایک سال کی مہلت کا حکم کردیا جائے گا، اور دوسری صورت یہ ہے کہ عورتیں بیان کریں کہ ابھی تک یہ لڑکی باکرہ (کنواری) ہے، تو پھر قاضی بدون کسی سے حلف لئے ہوئے شوہر عنین کو ایک سال کی مہلت علاج کے لئے دے دے۔ خلاصہ یہ کہ جب کسی دلیل سے محقق ہو جاوے کہ عورت باکرہ نہیں، بلکہ ثیبہ ہے خواہ ثیبہ ہونا اس طرح معلوم ہو کہ وہ بیوہ ہو اور شوہر اول سے اولاد ہو چکی ہو یا خود عورت کے اقرار سے یا عورتوں کے معائنہ سے ان تینوں حالتوں میں مرد کا قول حلف کے ساتھ قبول کرلیا جاوے گا کہ وہ ہم بستری کر چکا اور عورت کو علیحدگی کا حق نہ دیا جائے گا، اور اگر تینوں حالتوں میں مرد حلف سے انکار کردے تو عورت کا دعویٰ درست مان کر مرد کو ایک سال کی مہلت دے دیں اور اگر عورتوں کے معائنہ سے زوجہ کا باکرہ ہونا ثابت ہو تو بدون حلف ہی ایک سال کی مہلت دے دی جاوے، یہ تمام مضمون عالمگیری کی عبارت حرف (الف) میں مفصل مذکور ہے۔ اور اس مہلت کے لئے ظاہر

الروایہ میں تو قمری سال کا اعتبار کیا ہے؛ لیکن روایت حسن میں شمسی سال کو لیا ہے، اور بعض اصحاب ترجیح نے احتیاطاً اسی کو اختیار کیا ہے اور عموماً متاخرین نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ (کما فی العبارة الثانية من العالمگيرية المذكورة في حرف ب) اور اب بھی عام اہل فتویٰ کا یہی معمول ہے، اور یہ سال حاکم کی مہلت دینے کے وقت سے شروع سمجھا جاوے گا، اس سے پہلے خواہ کتنی ہی مدت گزر گئی ہو معتبر نہ ہوگی، جیسا کہ عالمگیری ومبسوط کی عبارت مذکورہ حرف ج سے معلوم ہوا، پھر اس سال بھر کے عرصہ میں اگر شوہر کسی طرح علاج کر کے تندرست اور جماع پر قادر ہو گیا اور ایک مرتبہ بھی ہم بستری کر لی تو عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں رہا؛ بلکہ ہمیشہ کے لئے یہ حق باطل ہو چکا، اب کبھی علیحدگی کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

اور اگر اس عرصہ میں ایک مرتبہ بھی جماع نہ کر سکا، تو عورت کے دوبارہ درخواست کرنے پر قاضی تحقیق کرے، اور اگر شوہر نے اقرار کر لیا کہ بے شک میں قادر نہیں ہوا تب تو عورت کا دعویٰ بلا غبار صحیح ہو گیا، اس صورت میں قاضی عورت کو اختیار دے دے کہ اگر علیحدگی درکار ہے تو طلب کرو ورنہ اپنے خاوند کے ساتھ رہنے کو گوارا کرو، اس پر اگر وہ اسی مجلس میں علیحدگی چاہے تو خاوند سے طلاق دلوادی جاوے، اگر وہ انکار کرے تو خود قاضی تفریق کر دے، جیسا کہ آئندہ عنقریب آوے گا۔

اور اگر خاوند اقرار نہ کرے؛ بلکہ جماع ہو چکنے کا دعویٰ کرے تو اس وقت یہ تفصیل ہے کہ مہلت دینے کے وقت اگر عورت کا ثیبہ ہونا ثابت ہو چکا تھا، یا اب عورت اقرار کر لے کہ کسی طرح بکارت زائل ہو چکی ہے، مگر ہم بستری نہیں ہوئی تب تو خاوند سے حلف لیا جاوے، اگر وہ قسمیہ کہہ دے کہ میں نے اس عورت سے جماع کیا ہے، تو مرد کا قول معتبر ہوگا، اور تفریق نہ ہو سکے گی اور اگر شوہر نے اس وقت بھی حلف (لما في الدر المختار فان نكل في ابتداء أجل وفي الانتهاء خيرت. (فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق / باب العنين ۵/۱۷۴، طبع زكريا ديوبند) سے انکار کر دیا تو

عورت کو طلب فرقت کا اختیار دے دیا جائے گا، اور اگر مہلت دینے کے وقت سے عورت کا باکرہ ہونا ثابت ہوا تھا، اور اب دوبارہ معائنہ میں بھی باکرہ ہونے کی تصدیق ہو تب بھی عورت سے حلف لئے بدون قاضی عورت کو اختیار دے دے گا، اپنے خاوند کے نکاح میں رہے یا تفریق کا مطالبہ کرے، (اور جن صورتوں میں قاضی عورت کو اختیار دے ان میں حکم یہ ہے کہ اگر عورت اسی مجلس میں تفریق چاہے تب تو تفریق ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ کما سیاتی فی الشروط.

پس اگر عورت نے اسی مجلس میں تخییر کہہ دیا کہ میں اس شوہر سے علیحدہ ہونا چاہتی ہوں تو قاضی اس کے شوہر سے کہے کہ اس عورت کو طلاق دے دو، اس پر اگر خاوند نے طلاق دے دی تو طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی، اگر وہ طلاق دینے سے انکار کر دے تو قاضی خود تفریق کر دے، یعنی مثلاً یوں کہہ دے کہ میں نے تجھ کو اس کے نکاح سے الگ کر دیا یہ تفریق بھی شرعاً طلاق بائنہ کے قائم مقام ہو جائے گی۔ (کما فی عبارۃ العالمگیریۃ والشامیۃ المذکورۃ فی حرف د، و حرف ھ)

شرائط تفریق

زوجۂ عنین کو اپنے شوہر سے علیحدگی کا اختیار چند شرائط کیساتھ حاصل ہو سکتا ہے وہ شرائط یہ ہیں:

پہلی شرط: یہ ہے کہ نکاح سے پیشتر عورت کو اس شخص کے عنین ہونے کا علم نہ ہو، پس اگر اس وقت علم تھا اور باوجود معلوم ہونے کے نکاح کیا ہے تو اب اس کو تفریق کا حق نہیں مل سکتا۔ لما فی العالمگیریۃ . ان علمت المرأۃ وقت النکاح أنہ عنین، لایصل الی النساء، لا یکون لھا حق الخصومۃ.

(فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق / فی العنین ۱/ ۵۶۴، طبع زکریا دیوبند)

وفی الدر المختار: تزوج الأولی أو امرأۃ أخری عالمۃ بحالہ لاخیارلھا علی المذھب المفتی بہ، بحر عن المحیط، خلافا لتصحیح الخانیۃ. (فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق/ باب العنین وغیرہ ۵/ ۱۷۵، طبع زکریا دیوبند)

دوسری شرط: یہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع نہ کیا ہو۔ اور اگر ایک مرتبہ جماع کر چکا ہو اور عنین ہو گیا تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔
لما في الدرالمختار: فلو جُبّ بعد وصوله اليها مرة أو صار عنيناً بعده، اى الوصول لايفرق لحصول حقها بالوطي مرة، قال الشامي: قوله: "مرة" ومازاد عليها فهو مستحق ديانة لاقضاء، بحر عن جامع قاضي خان، ويأثم اذا ترك الديانة متعنتا مع القدرة على الوطي (فتاوىٰ شامي، كتاب الطلاق / باب العنين وغيره ۵/۱۶۷، طبع زكريا ديوبند)
تیسری شرط: یہ ہے کہ جب سے عورت کو شوہر کے عنین ہونے کی خبر ہوئی ہے اس وقت سے عورت نے اس کے ساتھ رہنے پر رضا کی تصریح نہ کی ہو، مثلاً یہ نہ کہا ہو کہ جیسا بھی ہے اب تو میں اسی کے ساتھ بسر کروں گی؛ کیوں کہ اگر وہ اپنی رضا کی تصریح (یعنی زبان سے کہہ دیا ہو خواہ تنہائی میں یا کسی کے سامنے کما يدل عليه اطلاق مالم تقل في الرواية الآتية اور تاجیل سے پیشتر یا بعد از تاجیل۔ كما هو المصرح في البدائع ونصه هذا فالنص هو تصريح اسقاط الخيار وما يجرى مجراه سواء كان ذلك بعد تخيير القاضي أو قبله مختصراً۔) کر چکی ہو تو پھر اس کو مطالبہ کا حق نہیں رہتا، ہاں محض سکوت (بلکہ تقبیل ومضاجعت وغیرہ افعال بھی موجب رضا نہیں، كما هو المصرح في الدرعن الخانية) سے اس جگہ رضا نہ سمجھی جائے گی۔ لما في الدر المختار: فلو وجدته عنيناً أو مجبوباً ولم تخاصم زمانا لم يبطل حقها، قال الشامي: (قوله : لم يبطل) أى مالم تقل: رضيت بالمقام معه، كذا قيده في التاتار خانية عن المحيط هنا. (فتاوىٰ شامي، كتاب الطلاق / باب العنين وغيره ۵/۱۷۲، طبع زكريا ديوبند)
چوتھی شرط: یہ ہے کہ جس وقت سال بھر کی مدت گزرنے کے بعد قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اسی مجلس میں تفریق کو اختیار کرے، پس اگر اس مجلس میں اس نے

اپنے خاوند کے ساتھ رہنا پسند کرلیا، یا اس قدر سکوت کیا کہ مجلس برخاست ہوگئی، خواہ اس طرح کہ یہ عورت مجلس سے اٹھ گئی، یا اس طرح کہ قاضی مجلس سے کھڑا ہوگیا تو اس کا اختیار باطل ہوگیا، اب کسی طرح تفریق نہیں ہوسکتی۔ لما في العالمگيرية: فان اختارت زوجها أو قامت عن مجلسها أو أقامها أعوان القاضي أو قام القاضي قبل أن تختار شيئاً بطل خيارها كذا في المحيط. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق / في العنين / ۱/ ۵۲۴، طبع زکریا دیوبند)

ونیز مجلس برخاست ہونے اور عورت کے اٹھ جانے کے علاوہ اور صورتیں بھی ایسی ہیں جن سے مجلس بدل جاتی ہے اور اختیار باطل ہوجاتا ہے، مثلاً کوئی دوسری گفتگو کرنے لگی یا نماز پڑھنے لگی۔ وغير ذالک مما يدل على الأعراض اور تبدیل مجلس کی تفصیل شامی باب تفویض الطلاق سے معلوم ہوسکتی ہے۔

والدليل على أن بطلان الخيار لايختص بقيامها وقيام القاضي؛ بل كل ما يدل على الاعراض يبطل الخيار قول الدر، حيث قال: لو وجد منها دليل اعراض بأن قامت الخ؛ لأن هذا يدل على أن القيام ذكر حيث ذكر تمثيلا، والمراد مطلق الاعراض، هذا ما عندنا، والله أعلم بالصواب.

پانچویں شرط: عنین کو سال ﴿وبقي من الشروط كونها بالغة غير رتقاء وقرناء وطلبها الفرقة أو طلب وليها ان كانت مجنونة، وان لم يكن لها ولي نصب القاضي رجلا يخاصم عنها كما هو المصرح به في الدر، فرق الحاكم لطلبها لوحرة بالغة غير اتقاء وقرناء وغير عالمة بحاله قبل النكاح وغير راضية به بعده. وغيره. (فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق، / باب العنين وغيره ۵/ ۱۶۷، طبع زکریا دیوبند) وتركناه هذه الشروط وما للاختصار﴾ بھر کی مہلت دینا اور سال گزرنے پر عورت کو اختیار ﴿غير ان بعضهم قالوا: ان المرأة اذا اختارت نفسها بعد تخيير القاضي اياها في آخر

الأمر فقد بانت، ولا تحتاج بعده الى التفريق أو التطليق، وفى رد المحتار: أنه قول الصاحبين وعند الامام الأعظم تحتاج الى القضاء بعد اختيار نفسها أيضا، قلت: قول الامام هو الماخوذ فى التنوير وغيره، كما مرفى الروايات وهو الأحوط كمالا يخفى والله اعلم.﴾

دینا اور بعدازاں اگر خاوند طلاق سے انکار کرے تو تفریق کردینا وغیرہ یہ سب امور جن کا ذکر اوپر مفصل ہو چکا، قضائے قاضی کے محتاج ہیں، بدون حکم قاضی کے ازخود عورت کو تفریق کا اختیار نہیں۔

کما فى رد المحتار تحت قول الدر: ولا عبرة بتاجيل غير قاضى البلدة) .لأن هذا مقدمة أمر لايكون الا عند القاضى، وهو الفرقة، فكذا مقدمته، والواجبة.(فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق/ باب العنين وغيره ۱۷۰/۵ ، طبع زکریا دیوبند) اور جس جگہ قاضی نہ ہو اس کا مفصل حکم اس جزو دوم کے مقدمہ میں مفصل گزر چکا وہاں دیکھ لیا جاوے۔

سوال نمبر چار کا جواب

بوجہ خلوتِ صحیحہ شوہر عنین پر پورا مہر واجب ہو چکا تھا، وہ تفریق کے بعد بھی ادا کرنا لازم ہے۔ اور عورت پر عدت بھی واجب ہے۔ كما قال العلامة الشامى تحت قول الدر: والا بانت بالتفريق من القاضى ان أبىٰ طلاقها، ولها كمال المهر، وعليها العدة، لوجود الخلوة الصحيحة، بحر. (فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق / باب العنين وغيره ۱۷۲/۵ طبع زکریا دیوبند)

وفى العالمگيرية:ولها المهر كاملاً وعليها العدة بالاجماع ان كان الزوج قد خلابها، وان لم يخل بها فلا عدة عليها، ولها نصف المهر ان كان مسمى والمتعة ان لم يكن مسمى، كذا فى البدائع.

(فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق فى العنين / ۵۲۴/۱، طبع زکریا دیوبند)

اہم فوائد

فائدہ اوّل: عنین کو ایک سال کی مہلت دینے کا حکم جو اوپر بیان کیا گیا ہے صرف اس شخص کے لئے ہے جس کو عرفاً عنین کہتے ہیں۔ (**والخصی الذی لاینتشر ذکرہ ملحق بالعنین**) لیکن وہ شخص جس کا عضو تناسل قطع ہوگیا ہو (خواہ تنہا یا مع الانثیین) جس کو اصطلاح میں مجبوب کہتے ہیں۔

اور اسی طرح وہ شخص جس کا عضو مخصوص خلقۃً بہت کم مثل نہ ہونے کے ہو اس کو سال بھر کی مہلت دینے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ پہلی ہی درخواست پر مجبوب وغیرہ ہونے کی تحقیق کر کے عورت کو اختیار دے دیا جاوے گا۔

لما فی العالمگیریة: ولو وجدت المرأة زوجها مجبوبا خیرها القاضی للحال، ولا یؤجل، کذا فی فتاوی قاضیخان ویلحق بالمجبوب من کان ذکرہ صغیراً جداً کالزر. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق / فی العنین ۱/۵۲۵، طبع زکریا دیوبند)

اگر عورت دعویٰ کرے کہ میرا شوہر مجبوب وغیرہ ہے، اور مرد اس کا انکار کرے اور بدون معائنہ کے اس کا فیصلہ نہ ہوسکے تو معائنہ بھی جائز ہے، پس قاضی کسی معتبر شخص کو کہہ دے کہ معائنہ کر کے بتلاؤ کہ عورت سچ کہتی ہے یا مرد سچا ہے۔ **کما هو المصرح فی الشامی تحت قول الدر: "ولو المجبوب صغیرا" قید بالمجبوب؛ لأن العنین لو کان صغیراً ینتظر بلوغه، کمامر.** (فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق / باب العنین وغیرہ ۵/۱۶۷، طبع زکریا دیوبند)

فائدہ دوم: عنین اور اسکی زوجہ میں تفریق کرنے کا حکم جو اوپر تحریر کیا گیا ہے، فقہ حنفیہ کا مشہور اور مسلم مسئلہ ہے، اور اسی کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے، اور اس مسئلہ میں مذہب مالکیہ بھی تقریباً تمام جزئیات میں حنفیہ کے ساتھ بالکل متفق ہے۔ (**الا فی بعض المسائل کما أن تراضی الزوجین بالتاجیل کاف عندهم کما به هو**

المصرح به في الرواية التاسعة عشر، وعندنا لا يعتدبه كما في البحر وغيره مصرحا، ولما لم نشاهد ضرورة المصير، الى ملهب المالكية في هذا الجزء لم ناخذبه روما للاحتياط في أمر الفروج﴾ جیسا کہ علامہ صالح تونسی مالکی مفتی مدینہ منورہ کے فتویٰ کی عبارت نمبر ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے۔

البتہ صرف ایک جزو یعنی پنچایت کا فیصلہ معتبر ہونا جس کا ذکر مقدمہ میں کیا گیا وہ خاص مذہب مالکیہ کا مسئلہ ہے، اور رسالہ ہذا میں بضرورت اس پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ کمامر مفصلاً

ہدایت: یہ مختصر بیان بقدر ضرورت لکھا گیا ہے اس کے سوا اور بھی بہت سی جزئیات ہیں جو کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں، بوقت ضرورت علماء اہل فتویٰ سے دریافت کرلیا جاوے۔

حکم زوجۂ مجنون

سوالات

(۱) کیا زوجۂ مجنون کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ تفریق کا مطالبہ کرے اور مجنون کی زوجیت سے نکل جائے۔ (۲) اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہے اور کیا شرائط ہیں؟

(۲) تفریق کے بعد مہر اور عدت کا کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) قال في الدر المختار: ولا يتخير أحدهما أي الزوجين بعيب الآخر فاحشاً، كجنون، وجذام، وبرص، ورتق، وقرن. وفي ردالمحتار وخالف الأئمة الثلاثة في الخمسة مطلقاً، ومحمد في الثلاثة الأول لو بالزوج، كذا يفهم من البحر وغيره. (فتاویٰ شامی، كتاب الطلاق / باب العنين وغيره ۵/۱۷۵، طبع زكريا ديوبند)

وفي الدر بعد قوله المذكور: ولو قضى بالرد صح. (فتاویٰ شامی، كتاب الطلاق / باب العنين وغيره ۵/۱۷۶ طبع زكريا ديوبند)

وفی آخر باب العنین من العالمگیریة: واذا کان بالزوج جنون أو برص أو جذام، فلا خیار لها، کذا فی الکافی، قال محمدؒ: ان کان الجنون حادثاً یؤجله سنة، کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرأ. وان کان مطلقا فهو کالجب، وبه نأخذ کذا فی الحاوی القدسی. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق / فی العنین ١/٥٢٦، طبع زکریا دیوبند) وفی مبسوط شمس الأئمة السرخسی، باب الخیار فی النکاح. (٥/٥٧): وعلی قول محمد لها الخیار اذا کان علی حال لاتطیق المقام معه، وفی کتاب الآثار للامام محمد رحمه الله تعالیٰ، وکذلک اذا وجدته مجنونا موسوسا یخاف علیها قتله. (کتاب الآثار، باب الرجل یتزوج وبه العیب ١/٦١)

وفی الفتاویٰ الحمادیة للعلامة رکن بن حسام الناکوری (ص:٤٦) من المضمرات: قال محمدؒ ان کان بالزوج عیب لایمکنه الوصول الی زوجة، فالمرأة مخیرة بعد ذلک ینظر ان کان العیب کالجنون الحادث والبرص ونحوهما فهو والعنة سواء فینتظر حولا، وان کان الجنون أصلیا أو به مرض ولا یرجی برئه فهو والجب سواء، وهی بالخیار ان شاء ت رضیت بالمقام معه، وان شاء ت رفعت الأمر الی الحاکم حتی یفرق بنهما.

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ شیخین کے نزدیک تو جنون ﴿البتہ اگر ہم بستری سے قبل کسی کو جنون ہوگیا اور حالت جنون میں بھی وہ ہم بستری نہ کرسکا تو ایسا مجنون امام صاحب کے نزدیک بھی عنین کے حکم میں ہے کہ سال بھر کی مہلت دے کر اسی طریق پر علیحدگی کردی جاوے جو کہ عنین کے بیان میں مفصل گزر چکا۔ کما فی کتاب الحجج للامام محمدؒ (ص:٣٣٩) باب مایذکر فی النکاح من المجنون محمد قال، قال أبو حنیفة فی المجنون: تخاف منه امرأته

ولم يجامعها أنه ان كان لايفيق جعل بين امرأته وبين مايخاف عليها منه في حال الخوف وأنفق عليها من ماله ولم يفرق بينهما الا أن يخلي بينه وبينها ولا يصل اليها، فاذا كان ذلك أجل سنة فان وصل اليها والاخيرت فان اختارت المقام معه أنفق عليها من ماله ولم يكن لها بعد ذلك خيار، وان اختارت الفرقة بانت بتطليقة انتهى.﴾

شوہر کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا اختیار﴿ويؤيده مافي منحة الخالق على البحر الرائق حيث قال (قوله فالمجنون كفوء للعاقلة فيه اختلاف المشائخ) قال في النهر وقيل: يعتبر لأنه يفرت مقاصد النكاح فكان أشد من الفقر ودناءة الحرفة، وينبغي اعتماده؛ لأن الناس يعيرون بتزويج المجنون اكثر من دنئي الحرفة الدنيئة. وفي بناية عن المر غيناني: لا يكون المجنون كفوء اللعاقلة الخ. (البحر الرائق كتاب النكاح / فصل في الكفاءة ۲۳۵/۳، طبع زكريا ديوبند)﴾ حاصل نہیں، لیکن امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو یہ حق حاصل ہے کہ قاضی کے یہاں درخواست دے کر تفریق کا مطالبہ کرے اور اپنے آپ کو مجنون کی زوجیت سے علیحدہ کرالے، بشرطیکہ جنون اس درجہ کا ہو کہ اس کے ساتھ رہنا قدرت سے خارج ہو، مثلاً اس سے قتل کا اندیشہ ہو۔

جنون موجبِ تفریق کی حد

اصل اس بارے میں یہ ہے کہ وہ جنون جس کی وجہ سے عورت کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خیار فسخ حاصل ہوسکتا ہے اس کی حد بیان کرنے میں مختلف الفاظ مذکور ہیں۔ مبسوط کے الفاظ یہ ہیں: لاتطيق المقام معه۔ اور کتاب الآثار میں: يخاف عليها قتله مذکور ہے، ان دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جو مجنون ایذاء پہنچایا کرتا ہو، اس کے متعلق عادتِ غالبہ سے اکثر یہ بھی اندیشہ ہوجاتا ہے کہ شاید قتل کر بیٹھے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جس مجنون سے ناقابل برداشت ایذا پہنچتی ہو اس کا یہ حکم ہے۔ واللہ اعلم

اور ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک وشافعی واحمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک بھی جنون وغیرہ کی وجہ سے خیار فسخ عورت کو حاصل ہے۔ اور "فتاویٰ عالمگیری میں حاوی قدسی سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کرنا نقل کیا ہے، ونیز ان کے قول میں یہ تفصیل نقل کی ہے کہ اگر جنون حادث ہے تو حاکم اس مجنون کو (اور اس کے اولیاء کو) عنین کی طرح سال بھر علاج کرنے کے لئے مہلت دے، اس عرصہ میں اگر تندرست نہ ہو تو پھر عورت کو اختیار دے دے کہ اس کے نکاح میں رہے یا فرقت اختیار کرلے (جیسا کہ عنین کے بیان میں مفصل گزرا، اس کو دیکھنا ضروری ہے) اور اگر جنون مطبق ہے تو معاملہ کی پوری تحقیق کرنے کے بعد بلا تاجیل وتاخیر عورت کو اختیار دے دیا جاوے۔

لیکن چونکہ جنون حادث کی تفسیر نہ اس جگہ لکھی ہے اور نہ کہیں دوسرے مواقع میں دستیاب ہوئی، جس کی وجہ سے اس کے مقابلہ میں مطبق کی تفسیر بھی پوری طرح واضح نہیں ہوسکتی اور دوسرے مواضع میں جو مطبق کی تفسیر بمقابلہ غیر مطبق لکھی ہوئی ہے، اس کو محض قیاس سے اس جگہ جاری کرنا احتیاط کے خلاف ہے۔ مثلاً ہدایہ اخیرین باب عزل الوکیل میں جنون کی تفصیل "مطبق وغیر مطبق" کے لفظ سے کرنے کے بعد دونوں لفظوں کی تفسیر ہمارے ائمہ ثلاثہ سے نقل کی ہے اور اس کی شرح کفایہ میں اسی کو آجل وعاجل کے الفاظ سے لکھا ہے۔ اور ہدایہ **کتاب الصوم باب من مرض فی رمضان** میں اسی کو جنون مستوعب وغیر مستوعب کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور اسی باب کے آخر میں جنون کی ایک دوسری تقسیم کی ہے، اصل وعارضی اس لئے عبارت عالمگیری مذکورہ بالا میں جو جنون حادث اور اس کے مقابلہ میں مطبق مذکور ہے، اس میں احتمالات پیدا ہوگئے کہ یہ حادث بمعنی العارض ہے۔ **کما ھو مدلول مادۃ الحدوث.** اور اس کے مقابلہ میں مطبق بمعنی الاصلی ہے، یا حادث بمعنی عاجل یا غیر مستوعب ہے، اس کے مقابلہ میں مطبق بمعنی آجل یا مستوعب ہے، جس کی تفسیر ہدایہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک سال کے جنون سے کی گئی ہے، کتاب

انجح میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جنون مطبق کو اس جنون کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے جس میں افاقہ ہو جاتا ہو، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مطبق وہ جنون ہے جس میں افاقہ نہ ہوتا ہو؛ لیکن کتب مذکورہ میں بھی لفظ حادث موجود نہیں جس کے مطبق و حادث کی تفسیر ایک دوسرے کے مقابلہ میں معلوم ہو جاوے غرض حادث اور مطبق کی تفسیر پورے طور سے واضح اور متعین نہیں ہو سکی۔

اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ تفصیل سے قطع نظر کر کے ہر حال میں سال بھر کی مہلت دی جاوے اور اس کے بعد حکم کیا جاوے، بالخصوص جب کہ فیصلہ بھی قاضی شرعی کی عدالت میں نہ ہو؛ بلکہ جماعت مسلمین کا فیصلہ بنا بر مذہب مالکیہ لیا جاوے تو مہلت وغیرہ بھی ان کے مذہب کے موافق دینا چاہئے، اور ان کا مذہب یہ ہے کہ جنون مطبق و جنون افاقہ کا ایک ہی حکم ہے، یعنی دونوں صورتوں میں ایک سال کی مہلت دی جاتی ہے، جیسا کہ فتاویٰ مالکیہ عربیہ میں جو اس رسالہ کے اخیر میں ملحق ہے "علامہ صالح تونسی" مدرس مسجد نبوی مدینہ طیبہ کے فتویٰ کی انیسویں روایت میں بحوالہ تحفہ مذکور ہے۔

وأيضا فی المنتقی للباجی من المالكية: وروى عبد الملك بن الحسن فی المجنون سواء كان جنون الافاقة أو مطبق ان كان يؤذيها ويخاف عليها منه حيل بينهما، وأجل سنة ينفق عليها من ماله، فان برأ والا فهی بالخيار. (المنتقی ۴/۱۲۱)

(۲) صورتِ تفریق یہ ہے کہ زوجہ مجنون قاضی کی عدالت میں درخواست دے اور خاوند کا خطرناک (کیوں کہ معمولی جنون میں خیار فسخ نہیں ہے۔ **کما علم مما مر من المبسوط وکتاب الآثار.**) مجنون ہونا ثابت کرے، قاضی واقعہ کی تحقیق کر کے اگر صحیح ثابت ہو تو مجنون ﴿مگر خود مجنون کو حکم سنانا کافی نہیں بلکہ اگر اسکا کوئی ولی ہو تو ولی جواب دہی کرے گا اور ولی ہی کو حکم مہلت کا اور بعد انقضاء مدت تفریق کا حکم سنایا جاوے گا اور اگر ولی نہ ہو تو قاضی کسی شخص کو مجنون کی طرف سے جواب دہی کے

لئے مختار بنادے۔ کما قال فی البحر، ویفرق بینهما للحال فی الجب وبعد التاجیل فی العنین لأن المجنون لا یعدم الشهوة بخصومة ولی ان کان والا فمن ینصه القاضی الخ. (البحر الرائق، کتاب الطلاق / باب العنین وغیره ۴/۲۰۷، طبع زکریا دیوبند)﴾ کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دے دے اور بعد اختتام سال اگر زوجہ پھر درخواست کرے اور شوہر کا مرض جنون ہنوز موجود ہو تو عورت کو اختیار دے دیا جاوے اس پر اگر عورت اسی مجلس تخییر میں فرقت طلب کرے تو قاضی تفریق کردے۔ کما مر فی الجواب الأول من العالمگیریة.

اور یہ تفریق قاضی نکاح کو بالکل رد کردینا ہے، یعنی نکاح کالعدم متصور ہوگا (جیسا کہ کتاب الآثار اور مبسوط سرخسی میں رد کا لفظ موجود ہے اور ''فتح القدیر'' وغیرہ میں فسخ کا لفظ موجود ہے) اور جو شرائط اختیار زوجہ عنین کے لئے ہیں اور اس سے پہلے مفصل گزر چکی ہیں ان میں سے اکثر ﴿ولم نر اشتراط کونها غیر رتقاء وقرناء فی خیار الجنون، والظاهر عدم الاشتراط، وکذا اشتراط بلوغها لم نره، وینبغی أن یشترط هو وینتظر ان کانت غیر بالغة قیاسا علی زوجة العنین والمجبوب. واللّٰه تعالٰی اعلم﴾ شرائط اختیار زوجہ مجنون کے لئے بھی ہیں جن کا اجمال یہ ہے:

الف: نکاح سے پہلے عورت کو خاوند کے مجنون ہونے کا علم نہ ہو۔

ب: نکاح کے بعد علم ہونے پر رضا کی تصریح نہ کی ہو۔

ج: جب مہلت کا سال گزر جانے کے بعد دوبارہ درخواست پر قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اسی مجلس میں فرقت اختیار کرلے، اگر مجلس برخاست ہوگئی، یا عورت خود یا کسی کے اٹھانے سے کھڑی ہوگئی تو اختیار نہ رہے گا۔ (وهذه الشروط الثلاثة وان لم تکن مصرحة فی کتبنا الا أن القواعد الکلیة المصرحة فی المذهب تقتضیها، فان أمثال هذه الاختیارات تتقید بالمجلس،

وتبطل بالعلم قبل العقد، وبتصريح الرضا بعد العقد، وظاهر عبارة العالمگيرية في قول محمدؒ يؤجله سنة، كالعنة لم يخير المرأة بعد الحول يؤيده، والله أعلم. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق / الباب الثاني عشر في العنين ١/٥٢٦، طبع زکریا دیوبند)

د: زوجۂ مجنون کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جنون موجب للفسخ کا علم ہوجانے کے بعد اپنے اختیار سے عورت نے جماع یا دواعی کا موقع نہ دیا ہو۔ بخلاف العنين؛ فان المقصود فيه الاختيار والامتحان (وهذا الشرط أيضا غير مصرح في كتبنا، ولكنه مفاد القواعد عندنا مصرح في كتب المالكية كما سيأتي من شرح الدر دير في الفائدة الآتية)

ہ: زوجۂ عنین کی طرح زوجۂ مجنون بھی اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے میں خودمختار نہیں؛ بلکہ قضائے قاضی شرط ہے، اور جس جگہ قاضی موجود نہ ہو وہاں شرعی پنچایت قائم مقام قاضی کے ہوگی، جیسا کہ مقدمہ میں گزر چکا ہے۔ ملاحظہ فرمایا جاوے۔

زوجۂ مجنون حادثات بعد العقد کا حکم

(۳) مہر وعدت کا یہ حکم ہے کہ اگر فسخ نکاح خلوت صحیحہ سے قبل ہوا ہے، تب تو مہر بالکل ساقط ہوجاوے گا، اور عدت کی بھی ضرورت نہیں۔ اور اگر عیب جنون معلوم ہونے سے پہلے خلوت صحیحہ ہوچکی تھی، بعد ازاں علم جنون ہونے پر فسخ نکاح کی نوبت آئی ہے تو پورا مہر لازم رہے گا۔

یہ مہر اور عدت کا لزوم اس بناء پر ہے کہ ہم نے قواعد کی رو سے مجنون کی خلوت کو خلوت صحیحہ سمجھا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے نائم کی خلوت کو صحیح قرار دیا ہے۔ كما في العالمگيري، ولو دخلت على زوجها وهو نائم وحده صحت الخلوة. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب النکاح / الباب السابع في المهر / الفصل الثاني فيما يتاكدبه المهر والمتعة ١/٣٠٥، طبع زکریا دیوبند) اور مجنون عدم شعور میں نائم

سے کم درجہ ہے، پس اس کی خلوت بدرجۂ اولیٰ صحیح ہوگی، ونیز فقہاء نے جب موانع خلوت میں جنون سے تعرض نہیں کیا، تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ مانع نہیں ہے؛ لأن السکوت في موضع البیان بیان. مگر چونکہ صریح جزئیہ نہیں ملا اس واسطے اگر کسی کو اس کے خلاف کتب معتبرہ میں تصریح مل جاوے تو اس پر عمل کیا جاوے اور عدت بھی واجب ہوگی۔ ﴿وثمرة کونه فسخاًفی هذه الصورة أنها ان تزوجت به ثانیها ملک الثلاث کما هو حکم الفسخ المصرح به فی الدر والشامیة، وهذه الفرقة فسخ لا تنقص عدد الطلاق. (فتاویٰ شامي، کتاب النکاح / باب الولی ۴/۱۵۶، طبع زکریا دیوبند)﴾

ولم نجده فی باب الخیار بالعیوب، ولکن حکم الفسخ فی باب الخیار بالبلوغ وغیره مصرح فی البدائع، واطلاقه یعم کل فسخ، ونصه هذا: "وفسخ العقد رفعه من الأصل، وجعله کان لم یکن، ولو لم حقیقة لم یکن لها مهر، فکذا اذا التحق بالعدم من الأصل، الی أن قال: وان کان قد دخل بها لایسقط المهر؛ لأن المهر قد تأکد بالدخول، فلا یحتمل السقوط بالفرقة الخ. وفیه أیضا بعد ثلاثة أسطر تصریح: بأن المراد من المهر المهر المسی. (بدائع الصنائع، فصل فی بیان مایرفع حکم النکاح ۲/۳۳۶) قلت: ویجب العدة أیضا کماهو مقتضی الخلوة الصحیحة وسیأتی التصریح بهذا التفصیل عن المنتقی للباجی المالکی فی التنبیه الآتی.

تنبیہ ضروری

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا جو مذہب زوجہ مجنون کے متعلق اوپر بیان کیا گیا ہے اس کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں اس عنوان سے لکھا ہے۔ باب الرجل یتزوج وبه العیب، اوراس کے تحت میں یہ عبارت بھی مذکور ہے۔ وکذلک اذا

وجدته مجنوناً موسوساً يخاف عليها قتله أو وجدته مجذومًا﴾خيار الفسخ ثابت عند المالكية والشافعية والحنابلة بالعيوب الخمسة، وعند محمدؒ بالثلاثة منها لو بالزوج الجنون والجذام والبرص، كما مرعن الشامي في الجواب الأول، ولكنا لم نأخذ منها الا الجنون؛ لكثرة وشدة الضرورة فيه، وليس كذلك الجذام والبرص، والنساء يصبرن على الاقامة معهما، بخلاف المجنون كما يعلم من كثرة سوال النساء في المجنون دون غيره.﴾منقطعا، لا تقدر على الدنو منه الخ. کتاب الآثار کے عنوان اور عبارت مذکورہ میں لفظ ''وجدت'' سے معلوم ہوا کہ یہ حکم زوجۂ مجنون کے نکاح کو فسخ کرنے کا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں ہے جب کہ جنون نکاح سے پیشتر موجود تھا۔ وهو المتبادر من المبسوط للسرخسي، وعليه يدل عبارة الفتح وغيره، حيث عبروه بخيار الفسخ، والفسخ يختص بعيب موجود قبل العقد بخلاف العنين؛ فانهم استعملوا فيه لفظ التفريق، والله أعلم.

اور جو جنون عقد نکاح کے بعد پیدا ہو گیا ہو اس کے متعلق امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی تصریح نہیں ملی؛ لیکن مالکیہ ﴿اور اسی جزو کی بنا پر مسئلہ جنون کو اس جزو دوم کے شروع میں فقہ مالکی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔﴾ کے مذہب میں اس کے متعلق یہ تصریح ہے کہ اگر نکاح کے بعد جنون ہو جاوے تب بھی عورت کو علیحدگی کا اختیار ہے۔ (کمافی المدونۃ ۲/۱۹۶) مگر ان کے نزدیک بھی شرط یہ ہے کہ جنون موجب للفسخ کا علم ہو جانے کے بعد زوجہ نے اپنے اختیار و رضامندی سے شوہر کو جماع یا دواعی جماع یعنی تقبیل و لمس وغیرہ کا موقع نہ دیا ہو کیوں کہ اگر اس نے ایسا کر لیا تو یہ عملی رضا ہو گئی، جس کی وجہ سے اس کا اختیار ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ زبان سے رضا کی تصریح کر دینا خیار کو ساقط کرتا ہے۔ كما قال الخليل في مختصره: الخيار ان لم

يسبق العلم، أو لم يرض، أولم يتلذذ، وُحلف على نفيه، ببرص وعذيطة (العذيطة: خروج بزار عند الجماع.) وجذام الخ. وقال شارحه العلامة الدر دير على قوله: "أولم يتلذذ" بالمعيب، عالما به وأوبمعنى الواو، أو لابدمن انتفاء الأمور الثلاثة، اذلووجدت، او بعضها لانتفى الخيار، الامرأة ﴿والفرق بين حكم المعترض والمجنون: أن تمكين امرأة المعترض لايدل على الرضاء، بل انما هو لاختيار حاله، فانه لايمكن بدون التمكين ودواعى الوطى ولا كذلك امرأة المجنون فان الجنون ظاهر، فالتمكين ودواعى الوطى بعد العلم بالجنون يدل على الرضاء بالمقام معه، وهو مسقط للخيار. والله اعلم.﴾المعترض (أى الذى لايقدر على الجماع) اذا علمت قبل العقد أو بعده باعتراضه، ومكنته من التلذذ بها فلها الخيار.

(الشرح الكبير للدردير ٢/٢٧٧)

تنبیہ: اس شرط مذکور میں اختیار کی قید لگانے سے یہ معلوم ہوگیا کہ اگر مجنون نے بجبر واکراہ ہم بستری کرلی، تو اس سے عورت کا حق خیار ساقط نہ ہوگا۔

چنانچہ عبارت مذکورہ میں "مکنتہ" کا لفظ اس پر صراحۃً دال ہے، نیز جنون کے ساتھ جب "للفسخ" کی قید سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اگر ابتدائی جنون کے زمانہ میں (قبل اس کے کہ وہ اس حد کو پہنچے جس سے حق فسخ حاصل ہوتا ہے۔(كما مر تفصيله فى أوائل الجواب الأول) جماع یا دواعیٔ جماع کا تحقق ہوا اور بعد میں جنون بڑھ کر حد مذکور پر پہنچ گیا، تو اس صورت میں بھی خیار فسخ ساقط نہیں ہوتا، جیسا کہ عبارت مذکورہ میں "عالمابه" کی قید سے ظاہر ہے۔

واصرح مافى الباب (أى خيار الفسخ بسبب جنون حدث بعد العقد) ما فى المنتقى شرح المؤطا ونصه هذا: فأما المجنون فقد روى محمد

عن مالک للمرأة ان ترد الرجل بما يضرها به من الجنون، والجذام، والبرص، وذلک علی وجهين، احدهما: أن يکون الجنون به حين العقد، فغرها من نفسه فاختارت الطلاق، فان کان دخل به فلها الصداق، وان لم يبن بها فلا شيء لها، ووجه ذلک أنه اذا غرها من نفسه بالعنة کان لها الخيار، وهذا أبين ضرراً فبأن يجب لها الخيار اولی، فان کان حدث به ذلک (الجنون) بعد العقد فعلی حسب ذلک،ان کان (ای الجنون) قبل البناء، فلها أن تطلق نفسها ولا شيء لها، وان کان بعده فلها جميع الصداق. (المنتقی شرح الموطأ ۴/۱۲۱)

اور منتقی کی اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مہر کا حکم جنون حادث بعد العقد میں بھی وہی ہے، جو جنون قدیم میں، یعنی اگر خلوت صحیحہ سے قبل تفریق ہوئی ہے تو مہر بالکل ساقط ہوگیا اور اگر بعد خلوت ہوئی ہے تو پورا مہر واجب ہے، اور عدت کا یہ حکم ہے کہ تفریق قبل الخلوت میں واجب نہیں ہوتی، اور بعد الخلوت میں واجب ہوتی ہے۔

مجنون میں شرائط نہ ہونے پر ایک گنجائش

اب صرف ایک سوال باقی رہا کہ یہ تفریق جو جنون حادث بعد العقد کی وجہ سے ہوتی ہے، فسخ ہے یا طلاق؟ اس بارہ میں علامہ خلیل اور شارح دردیر نے تو رد کا لفظ استعمال کیا ہے، جو بظاہر فسخ کا مرادف ہے، اور منتقی کی عبارت مذکورہ میں طلاق کا لفظ ہے؛ لہٰذا بوقت ضرورت علماء مالکیہ سے تحقیق کرلیا جاوے اور جب تک تحقیق نہ ہو اس تفریق کو طلاق قرار دینا چاہیے کہ اس میں احتیاط ہے اور ثمرہ طلاق ہونے کا یہ ہے کہ اگر اس عورت سے دوبارہ نکاح ہوجاوے تو خاوند کو صرف دو طلاق کا اختیار ملے گا، اگر دو طلاق اور دے دی تو طلاق مغلظہ ہوجاوے گی۔

فائدہ: زوجہ مجنون کے فسخ نکاح کے لئے جو شرائط اوپر مذکور ہوئے ہیں اگر وہ شرائط کسی جگہ موجود نہ ہوں، تو بنا بر جنون تفریق نہیں ہوسکتی؛ لیکن اگر یہ مجنون کوئی

ذریعہ آمدنی نہ رکھتا ہو اور زوجہ کے لئے اپنے نفقہ کی کوئی دوسری سبیل بھی نہیں تو ایسی صورت میں مفتی کے لئے عورت کے اضطرار کی پوری تحقیق ہو جانے اور چند علماء سے مشورہ کے بعد اس فتوے کی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کی بناء پر عدم نفقہ کی وجہ سے قاضی یا اس کا قائم مقام ان دونوں میں تفریق کر دے، اور یہ تفریق طلاق رجعی کے حکم میں ہوگی۔ کماهو المصرح فی الروایة الثانية من فتوى العلامة محمد طيب من قوله: بل لو كان حاضراً وعدمت النفقة الخ، والرواية الأولى والتصريح بكونه طلاقها رجعيا فی الرواية الرابعة عشر من فتوى العلامة الصالح، حيث قال: ان كل طلاق أوقعه الحاكم فهو بائن، الا طلاق المولى والمعسر، وسواء أوقعه الحاكم بالفعل أو جماعة المسلمين أو أمراها به، انتهى.

لیکن اس میں کامل تدبر سے کام لے کر مذہب مالکیہ کی تمام شرائط کی پابندی ضروری ہے، جن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عدم نفقہ کی وجہ سے فسخ نکاح کا حکم اس وقت دیا جاسکتا ہے جب کہ عقد نکاح سے پہلے اس کو خاوند کے فقیر اور نادار ہونے کا علم نہ ہو، ورنہ اگر ناداری کا علم ہوتے ہوئے عقد نکاح کیا گیا ہے تو بوجہ عدم نفقہ کے اس کو مطالبہ تفریق کا حق نہ ہوگا۔

كما صرح به فی مختصر الخليل، وشرح للدردير من أبواب النفقة (ص:۲۱۷، ج:۱) ولفظه: لا، ان علمت عند العقد (فقره) فليس لها الفسخ، ولو ايسر بعد ثم أعسر، انتهى. اور باقی شرائط اس مسئلہ کی بوقت ضرورت کتب مالکیہ کی مراجعت سے معلوم ہوسکتی ہیں، جن کا نام دیباچہ میں گزر چکا ہے۔ فقط والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.

حکم زوجۂ مفقود

ملقب بہ

نهاية المقصود في بيان المفقود

مفقود کو باتفاق جمہور ائمہ مجتہدین اپنے مال کے بارہ میں اس وقت تک زندہ تسلیم کیا گیا ہے جب تک اس کے ہم عمر ہم قرن لوگ زندہ پائے جائیں، جس وقت اس کی بستی میں اس کے ہم عمر لوگ ختم ہو جائیں اس وقت اس کی موت کا حکم دیا جاتا ہے، یعنی قاضی اس کی موت کا حکم دے دیتا ہے، اور اس کی میراث تقسیم کرنے وغیرہ کی اجازت ہو جاتی ہے، اس پر ائمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم ابوحنیفہ و مالک و شافعی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے۔ كما هو مصرح في كتبهم.

اور امام اعظم و امام شافعی اور بہت سے دوسرے مجتہدین نے زوجہ مفقود میں بھی یہی حکم باقی رکھا ہے کہ جب تک مفقود کے ہم عمر لوگ ختم نہ ہوں اس وقت تک وہ زندہ ہے، اور حسب قاعدہ اس کی بیوی کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں؛ البتہ بعض صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک زوجہ مفقود کو اس کے ہم عمروں کے ختم ہونے سے پیشتر بھی قاضی نکاح کی اجازت دے سکتا ہے، یعنی جب کہ اس مفقود کے ظاہر حال سے اس کی ہلاکت و موت کا غالب گمان ہو جیسے وہ شخص جو معرکۂ جنگ میں گم ہو گیا یا ایسے مرض کی حالت میں نکل گیا جس میں موت کا گمان غالب ہے، یا سمندر میں سفر کیا ہو (اور ساحل پر پہنچنے کا پتہ نہ چلا ہو) اس قسم کی صورتوں میں اتنا انتظار کر کے موت کا حکم دے دیا جاوے گا کہ جس میں حاکم کو مفقود کے فوت ہو جانے کا غلبہ ظن ہو جاوے اور اس حکم

بالموت کے بعد اس کی عورت کو عدت وفات گزار کر نکاح کر لینا جائز ہو جاوے گا۔

كما في الشامية تحت قول الدر (واختار الزيلعي تفويضه الى الامام) قال في الفتح: فاى وقت رأى المصلحة حكم بموته - الى أن قال - ومقتضاه أنه يجتهد ويحكم القرائن: الظاهرة الدالة على موته، وعلى هذا يبتنى مافى جامع الفتاوى حيث قال: واذا فقد في المهلكة فموته غالب فيحكم به كما اذا فقد في وقت الملاقاة مع العدو، أو مع قطاع الطريق، أو سافر على المرض الغالب هلاكه، أو كان سفرهٗ في البحر، وما أشبه ذلك حكم بموته، لأنه الغالب في هذه الحالات وان كان بين احتمالين، واحتمالُ موته ناشئ عن دليل لا احتمال حياته؛ لأن هذا الاحتمال كاحتمال ما اذا بلغ المفقودُ مقدار مالا يعيش على حسب ما اختلفوا في مقدار، نقل من الغنية، انتهى مافى جامع الفتاوى. وأفتى به بعض مشائخنا، وقال: انه أفتى به قاضي زاده صاحب بحر الفتاوىٰ؛ لكن لايخفى أنه لابد من مضى مدة طويلة حتى يغلب على الظن موته، لابمجرد فقده عند ملاقاة العدو أو سفر البحر ونحوه. (فتاویٰ شامی، کتاب المفقود/ مطلب في الافتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود ٦/٤٦٠، طبع زکریا دیوبند)

اور اس قسم کی صورتوں کے علاوہ فقہ حنفی میں زوجہ مفقود کے واسطے اس کے سوا کوئی گنجائش نہیں کہ مفقود کے ہم قرن لوگوں کے ختم ہونے پر قاضی اس کی موت کا حکم کر دے، اور بعد ازاں عورت عدت وفات گزار کر نکاح کر لے۔

لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے چند شرائط کے ساتھ جن کی تفصیل عنقریب آتی ہے ہر حال میں (یعنی ہلاک مظنون ہو یا نہ ہو) مفقود کی بیوی کو حکم حاکم کے بعد چار سال انتظار کر کے عدت گزرنے پر دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دے

دی ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مفقود کی بعض صورتوں میں چار سال کی مدت کو اختیار فرمایا ہے۔ (کما فی المغنی ۹/۱۴۳)

ضرورتِ شدیدہ میں امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر فتویٰ

اور ہر چند کہ حنفیہ کا مذہب از روئے دلیل نہایت قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے، مگر فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ میں سے بھی بعض متاخرین ﴿تین صدی تک کے فقہائے کرام کو متقدمین کہا جاتا ہے اور چوتھی صدی سے متاخرین کا اطلاق آتا ہے۔ کما هو "شفاء العليل" من رسائل ابن عابدين. (ص: ۱۶۱، ج: ۱) اور قہستانی کی پیدائش ۳۵۳ھ ہے۔﴾ نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتویٰ دے دیا ہے۔

جیسا کہ علامہ شامی نے در منتقی سے قہستانی کا (جو چوتھی صدی کے مشائخ حنفیہ میں ہیں) قول نقل کیا ہے۔ لوأفتى به في موضع الضرورة لاباس به على ما أظن. (ص: ۵۱۰، ج: ۳) اور ایک عرصہ سے ارباب فتویٰ اہل ہند و بیرون ہند تقریباً سب نے اسی قول پر فتویٰ دینا اختیار کرلیا ہے اور یہ مسئلہ اس وقت ایک حیثیت سے فقہ حنفی ہی میں داخل ہوگیا؛ لیکن جب تک عورت صبر کرسکے اس وقت تک اصل مذہب حنفی پر عمل کرنا لازم ہے، ہاں بوقت ضرورت شدیدہ کہ خرچ کا انتظام نہ ہوسکے یا بوجہ خوف معصیت کے بیٹھنا مناسب نہ سمجھا جاوے، اس وقت مذہب مالکیہ پر عمل کرنے میں مضائقہ نہیں، اور ایسے ہی مواقع کے لئے یہ فتویٰ مرتب کیا گیا ہے، مگر کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں، ان سب کی رعایت کی جاوے۔

لما في الدر المختار، من أن الحكم الملفق باطل بالاجماع، وقال الشامي تحته، مثاله: متوضئ سال من بدنه دم ولمس امرأة، ثم صلى

فان صحة هذه الصلاة ملفقة من مذهب الشافعیؒ والحنفی، والتلفيق باطل فصحته منتفية اهـ. وايضا قال الشامی عن الشرنبلالی تحت قول الدر (وان الرجوع عن التقليد بعد العمل باطل اتفاقا): وانه يجوز له العمل بما يخالف ما عمله علی مذهبه مقلدا فيه غير امامه مستجمعا شروطه الخ. (فتاویٰ شامی، المقدمه / مطلب: لايجوز العمل بالضعيف حتى لنفسه عندنا ۱/۱۷۷، طبع زکریا دیوبند)

لہٰذا اس مسئلہ مفقود میں مالکیہ کی تما شرائط کا معلوم کرنا لازم ہوا، اور شامی وغیرہ علمائے احناف نے اس کے متعلق جو مذہب مالکیہ نقل کیا ہے وہ محض اجمال تھا، اور مسئلہ کی پوری تنقیح اور اس کے تمام قیود وشرائط علمائے مالکیہ ہی سے معلوم ہو سکتے تھے، اس لئے اس ضرورت کا احساس کر کے مالکی المذاہب ارباب الفتوی کی خدمت میں مدینہ طیبہ (زادہا اللہ شرفا ونورا) مفصل استفتاء بھیجا گیا وہاں کے متعدد علماء محققین نے نہایت تفصیل وتوضیح کے ساتھ جو جوابات تحریر فرمائے۔

لیکن پھر ان میں کچھ شبہات باقی رہے اور بعض نئے سوالات پیدا ہوئے، اس لئے مکرر ان حضرات کو تکلیف دی گئی، مکرر جوابات کے بعد بھی کچھ اور سوالات کی ضرورت ہوئی تو سہ بارہ ان کی خدمت میں سوالات بھیج کر جوابات حاصل کئے، یہ تمام مراسلت کتب خانہ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں محفوظ ہے۔

اور ان فتاویٰ کا مجموعہ آخر رسالہ میں ملحق کر دیا گیا ہے، ان فتاویٰ کی جس جس عبارت سے ہمارے سوالات کا جواب نکلتا ہے ان سب پر الفاظ سے نمبر شمار ڈال دیئے گئے ہیں۔ اور جوابات مندرجہ ذیل میں ان عبارات کے حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے؛ کیوں کہ عوام کو تو عربی عبارات کی ضرورت نہیں۔ اور اہل علم اس نمبر کے حوالہ سے آخر رسالہ میں استدلال کی عبارت خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں، اب سوالات اور جوابات اردو میں یہاں درج کئے جاتے ہیں:

ہے گناہ ہونے پر اس کی بیعت بدستور رہتی ہے۔ یا کہ دوبارہ ہونے کی ضرورت ہے۔

جواب۔ اس سے بیعت تو نہیں ٹوٹتی مگر اس کی برکت جاتی رہتی ہے۔ جیسے کوئی سخت بد پرہیزی کرے تو اس کی حیات تو منقطع نہیں ہوتی۔ مگر صحت اور قوت بعض اوقات ایسی برباد ہوجاتی ہے کہ موت سے بدتر حالت ہوجاتی ہے۔ (النور ربیع الثانی 41ھ)

شیخ کے پاس آنے کی شرط

بعض وقت بہت شوق دل میں پیدا ہوتا ہے کہ کچھ ذکر بعد نماز تہجد کے ان لوگوں کی طرح کرے جو لوگ اپنے مرشد کی خدمت میں رہ کر حسب الارشاد انکے کیا کرتے ہیں اور ایسے موقع پر فوراً یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ مجھ سا کوئی بدقسمت اور گنہگار دنیا میں نہ ہوگا۔ کیونکہ قریب نو سال کے گزرے ہیں کہ احقر دولت بیعت سے بہرہ اندوز ہوا اور ابھی تک موقع حصول نعمت قدم بوسی اور آستانہ بوسی حاصل نہ ہوا۔

تحقیق: اگر معاش سے اطمینان ہو یعنی ان چند روز کے واسطے اپنے اور اہل وعیال کے گزر کے قابل کوئی ذخیرہ ہو تو مطلع فرمادیں تاکہ مشورہ دوں۔ (النور صفر 42ھ ص 156)

مرید کرنے کیلئے اہلیت کا شرط ہونا

سوال۔ شخصے از عوام الناس از شیخ خود تلقین یافتہ بود۔ چندیں شبے با چشم گریاں وسینہ بریاں اندرون مسجد محلہ خود خفتہ بود بخواب دید کہ ناگاہ جناب رسالت مآب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف آوردند و فرمودند کہ اے شخص بر و نزد مولوی عبدالرحمٰن رفتہ مرید شو پس آں شخص مذکور راز خواب خود بیدار گشتہ نزد من آمد و باصرار گفت کہ مطابق فرمودہ جناب رسالت مآب مرا تلقین کن پس ایں سخن شنیدہ من از خود رفتم و گفتم اللہ اکبر من کیم کہ محکوم علیہ جناب رسالت مآب شوم چرا کہ من بنفس خود آنقدر صلاحیت ندارم اکنوں با چشم تر ونگوسر عرض کردہ آید کہ بحق بندہ در بارہ شخص مذکور چگونہ مصلحت می بینند۔ ارشاد فرمایند آفتاب ہدایت منور باد۔

جواب۔ شیخ او کجاست و چہ حالت دارد صرف تلقین مضائقہ نیست بابت مرید کردن تاوقتیکہ شمارا نہ بینم چیزے نتوانم گفت چرا کہ خواب حجت شرعیہ نیست و برائے مرید کردن اہلیت شرط است۔ (النور ربیع الاول 42ھ)

جوابات

(۱) زوجہ مفقود کے لئے مالکیہ کے نزدیک مفقود کی زوجیت سے علیحدہ ہونے کی دارالاسلام میں تو یہ صورت ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں مرافعہ کرے۔ اور بذریعہ شہادت شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا (اگر نکاح کے عینی گواہ موجود نہ ہوں تو اس معاملہ میں شہادت بالتسامع بھی کافی ہے، یعنی شہرت عام کی بنا پر بھی شہادت دی جاسکتی ہے۔

كما في المنتقى للباجي المالكي (ص:۲۰۳، ج:۵، كتاب الأقضية) (فرع) وأما النكاح ففي العتبية عن سحنون قال: جل أصحابنا يقولون في النكاح اذا استنشر خبره في الجيران أن فلانا تزوج فلانة وسمع الزفاف فله أن يشهد أن فلانة زوجة فلان الخ. اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود ولا پتہ ہونا ثابت کرے بعد ازاں قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کرے اور جب پتہ ملنے سے مایوس ہو جاوے تو عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم کرے۔ پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جاوے گا، اور نیز ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گزار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔

اور اب چار سال گزرنے کے بعد دوبارہ قاضی کی عدالت میں درخواست دینا اور عدت وفات کے لئے حکم حاصل کرنا مالکیہ کے نزدیک ضروری نہیں؛ بلکہ قضائے قاضی صرف اول بار بوقت تأجیل ضروری ہے۔

كما صرح بذلك في شرح الدردير حيث قال الخليل: فيؤجل الحر أربع سنين - الى قوله - ثم اعتدت عدة الوفاة، وسقطت بها النفقة ولا يحتاج فيها لاذن، وقال الدردير تحته: لاذن من الحاكم؛ لأن اذنه حصل بضرب الأجل أولا اهـ. (الشرح الكبير للدردير ۴۰۰/۱)

ویأتی فی الروایۃ السابعۃ من فتوی العلامۃ محمد طیب بن اسحاق مفتی المالکیۃ بالمدینۃ المنورۃ. مگر احتیاط اس میں ہے کہ جب وہ چار سال جو قاضی نے مقرر کئے تھے ختم ہوچکیں تو دوبارہ درخواست دے کر قاضی سے حکم بالموت بھی حاصل کرلیا جاوے، تاکہ مذہب حنفیہ کی حتی الوسع ﴿ کیوں کہ ان کے نزدیک مفقود کے تمام ہم عمروں کے ختم ہوجانے پر بھی حکم بالموت حاصل کرنا شرط ہے۔ کما فی الدر عن القضیۃ أنہ انما یحکم بموتہ بقضاء ؛ لأنہ أمر محتمل فما لم ینضم الیہ القضاء لایکون حجۃ اھ.

اور مقتضائے عدد احتیاط ہونے کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی بھی یہی ہے کہ عورت کی دوبارہ درخواست پر موت مفقود کا حکم کرکے عدت وفات گزارنے کا حکم دیا تھا، اور مسئلہ مفقود میں مالکیہ کے مذہب کی اصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا فیصلہ ہے، پھر نہ معلوم اس جزو میں کیوں خلاف کرتے ہیں، ونیز عنین کو قاضی کی طرف سے سال بھر کی مہلت ملنے کے باوجود بھی زوجہ عنین کو اس سال کے گزر جانے پر دوبارہ درخواست دینی پڑتی ہے، اس میں حنفیہ کے ساتھ مالکیہ بھی متفق ہیں، پس نہ معلوم انہوں نے عنین ومفقود میں کیا فرق سمجھا ہے۔ واللہ اعلم﴾ رعایت ہوجاوے لیکن جس جگہ قاضی وغیرہ کی طرف دوبارہ مرافعہ زیادہ دشوار ہو وہاں بغیر مرافعہ ثانی کے ہی عمل کرلینے میں مضائقہ نہیں۔

یہ حکم مذکور تو دارالاسلام میں تھا اور دارالحرب میں زوجہ مفقود کا جمہور مالکیہ کے نزدیک تو وہی حکم ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے، یعنی جب تک اس کے ہم عمر لوگ زندہ ہیں اس وقت تک اس کی بیوی کے لئے اس کے نکاح سے جدا ہونے اور دوسرا نکاح کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ کما فی الروایۃ الثالثۃ من فتوی العلامۃ سعید بن صدیق مفتی المالکیۃ بالمدینۃ الطاھرۃ زادھا اللہ شرفا واجلالا.۔

(اور بعض حضرات اس کی مدت عمر طبعی کے لحاظ متعین بھی کردی ہے جس میں مختلف

اقوال ہیں، بعض کے نزدیک نوے برس بعض کے نزدیک پچھتر برس، بعض کے نزدیک ستر سال۔ وغیر ذلک ، ولکن الأولی أن یفوض الی رأی أهل الخبرة، وأهل العلم بحاله من صحته وسقمه وقوته وضعفه. مگر اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے (جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگردوں میں ہیں، اور فقہائے مالکیہ میں بلند پایہ رکھتے ہیں) دارالحرب میں بھی زوجہ مفقود کا وہی حکم رکھا ہے جو دارالاسلام میں گزر چکا۔ کما ذکره ابن رشد فی مقدماته. حیث قال: وأما المفقود فی بلاد الحرب، فحکمه حکم الأسیر، لا تزوج امرأته، ولا یقسم ماله حتی یعلم موته، أو یأتی علیه من الزمان، مالا یحیی الی مثله، فی قول أصحابنا کلهم، حاشا أشهب فانه حکم له بحکم المفقود فی المال والزوجة جمیعا. (المدونه ۲/۵۷)

چارسال کی میعاد حاکم کی تفتیش اور ناامیدی کے بعد ہوگی

(۲) حاکم جو چارسال کی مدت انتظار کے لئے مقرر کرے گا اس کی ابتداء اس وقت سے لی جاوے گی، جس وقت حاکم خود بھی تفتیش کر کے پتہ چلنے سے مایوس ہوجائے، اور قاضی کی عدالت میں پہنچنے اور اس کی تفتیش سے قبل خواہ کتنی ہی مدت گزر چکی ہو اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔

کما فی أول الفتوی من العلامة سعید بن صدیق المالکی، ویؤیده بأوضع وجه مافی الروایة العشرین من العلامة الموصوف.

(۳) زوجۂ مفقود کی صورت میں اس کے نکاح سے خارج ہونے میں خودمختار نہیں؛ بلکہ ہر حال میں قضائے قاضی شرط ہے۔ کما هو مصرح فی الروایة العشرین من الامام مالک رحمة الله تعالٰی. اور صورتِ مرافعہ اور فسخ کے سوال اول کے جواب میں گزر چکی ہے۔

(۴) ہاں قاضی پر بھی ضروری ہے کہ صرف عورت اور اس کے اولیاء کی تفتیش اور ان کے بیان پر اکتفا نہ کرے؛ بلکہ خود بھی تلاش کرائے اور تلاش کرنے کی صورت یہ ہے کہ قاضی وحاکم کو جہاں جہاں مفقود کے جانے کا غالب گمان ہو وہاں وہاں آدمی بھیجا جاوے۔

كما في شرح الدردير (ص: ۳۹۹، ج:۱) **من حين العجز عن خبره بالبحث عنه في الأماكن التي يظن ذهابه اليها من البلدان، بأن يرسل الحاكم رسولا بكتاب الحاكم تلك الأماكن، مشتمل على صفة الرجل وحرفته ونسبه، ليفتش عنه فيها.**

اور جس جگہ جانے کا گمان غالب نہ ہو صرف احتمال ہو وہاں اگر خط کو کافی سمجھے تو وہاں خطوط بھیج کر تحقیق کرے۔ اور اگر اخبار میں شائع کردینے سے خبر ملنے کی امید ہو تو یہ بھی کرلے۔ الغرض تفتیش میں پوری کوشش اور جہد بلیغ کرے (کما تخفی) اور جب تلاش کے بعد پتہ ملنے سے مایوسی ہوجائے اس وقت مذکورۃ الصدر طریق پر چار سال کے مزید انتظار کا حکم کرے۔ **كما في الرواية العشرين من فتوى العلامة سعيد بن صديق مفتي المالكية بالمدينة المنورة.** اور تفتیش کے مصارف کی بابت فقہائے مالکیہ میں اختلاف ہے۔

بعض نے کہا کہ عورت کے ذمہ ہے۔ اور بعض نے کہا کہ بیت المال کے ذمہ اور بعض کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر زوجہ (**وهذا القول الثالث أعدل الأقاويل عندنا والله أعلم**) کے پاس مال ہو تو مصارف تفتیش اس کے ذمہ ہوں گے، ورنہ بیت المال کے ذمہ۔ **كما في الرواية الخامسة من فتوى العلامة أنها هاشم** (افسوس کہ علامہ موصوف اس فتویٰ کی اشاعت سے قبل ہی رحلت فرما گئے۔ **انا لله وانا اليه راجعون**) اور جس جگہ بیت المال نہ ہو جیسے ہندوستان وغیرہ اگر ان مواقع میں حکومت مصارف برداشت کرے تو بہتر ہے ورنہ مسلمان سے چندہ کرلیا جاوے۔

قاضی شرعی نہ ہوتو اس کا قائم مقام کون ہوسکتا ہے؟

(۵) جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں، جیسے اسلامی ریاستوں کے علاوہ ہندوستان کے تمام شہروں کا حال ہے، تو وہاں وہ حکام جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات کے تصفیہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور فیصلہ شریعت کے موافق کریں تو ان کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے، جیسا کہ اس جزودوم کے مقدمہ میں مفصل گزر چکا ہے۔

اور اگر مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت سے فیصلہ شریعت کے مطابق نہ ہوتا ہوتو پھر مذہب مالکیہ کے موافق دین دار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچایت کرکے حسب بیان مذکور تحقیق کرے اور تحقیق کامل کے بعد فیصلہ صادر کردے، تو یہ فیصلہ بھی قضائے قاضی کے حکم میں ہوجاوے گا؛ لیکن پنچایت کا ان شرائط کے موافق ہونا ضروری ہے جو مقدمہ میں گزر چکی ہیں وہاں دیکھ لیا جاوے۔

تتمہ ہذا الجواب

اگر زوجۂ مفقود ایسی جگہ چلی جاوے جہاں قاضی شرعی یا مسلمان حاکم موجود ہو اور اس کے پاس مقدمہ دائر کرے تو اس کا فیصلہ بھی زوجہ مفقود کے لئے کافی ہے۔ فانها اذا دخلت في بلد القاضي دخلت تحت ولايته، وأما المفقود فالولاية عليه ليس بشرط كمالايخفى ﴿اگر کوئی شبہ کرے کہ مفقود الخبر جس جگہ کا باشندہ ہے وہاں کے قاضی کی ولایت گو اس وقت تو اس پر ثابت نہیں ہے مگر پیشتر اس پر ولایت تھی اس واسطے ولایت اصلیہ کی بنا پر وہاں کے قاضی کی قضا نافذ ہوسکتی ہے اور جس قاضی کی ولایت میں اول ہی سے نہ تھا اس کی قضا نافذ نہ ہونا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ نفاذ قضا کے لئے ولایت حال شرط ہے، ولایت سابقہ معتبر نہیں، پس سب جگہ کے قاضی مفقود کے بارہ میں یکساں شمار ہوں گے۔وهذا لمافي

ردالمحتار تحت قول الدر (صغيرة زوجت نفسها، ولا ولى ولا حاكم ثمه توقف، ونفذ باجازتها بعد بلوغها؛ لأنه له مجيزا وهو السلطان) قوله: (ولا حاكم ثمه) أى فى موضع العقد قوله (توقف الخ) وهذا مبنى على كفاية كون ذلک المكان تحت ولاية السلطان، وان لم يكن تحت ولاية قاض، وعليه فبطلان العقد يتصور فيما اذا كان فى دارالحرب، أو البحر، أو المفازة ونحو ذلک، بخلاف القرى والأمصار، ويدل عليه مافى الفتح فى فصل الوكالة بالنكاح حيث قال: ومالا مجيز له أى ماليس له من يقدر على الاجازة يبطل كما اذا كانت تحته حرة فزوجه الفضولى أمة أو أخت امرأته أو خامسة أو زوجه معتدة أو مجنونة أو صغيرة يتيمة فى دارالحرب، أو اذا لم يكن سلطان ولا قاض لعدم من يقدر على الامضاء حالة العقد فوقع باطلا. (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب الولی / مطلب: لایصح تولیة الصغیر شیخاً علی خیرات ۱۹۸/۴، طبع زکریا دیوبند) چونکہ اس روایت میں "مجنونة أو صغيرة فى دارالحرب" عام ہے؛ اس کو کہ وہ مجنونہ یا صغیرہ اول ہی سے دارالحرب میں ہو، یا پیشتر دارالاسلام میں تھی اوراب دارالحرب میں چلی گئی، اس عموم کی وجہ سے ثابت ہوا کہ ولایت سابقہ کا اعتبار نہیں، ورنہ اس مجنونہ اور صغیرہ میں جو دارالاسلام سے گئی ہو اعتبار ہوتا۔ اور نیز قول شامی أى فى موضع العقد اور ذلک المكان تحت ولاية السلطان کے لفظ سے واضح ہے کہ ولایت کے لئے سلطان وقاضی کے علاقہ میں ہونا شرط ہے، اور مالکیہ نے تو اس کی بہت ہی صاف تصریح کی ہے۔ چنانچہ شرح دردیر میں ہے: (ولايزوج) القاضى (امرأة) أى لايتولى عقد نكاحها حيث لاولى لها الا الحاكم (ليست بولاية) بأن كانت خارجة عنها اذ لا ولاية عليها وان كان أصلها من أهلها. (ص:۲۹۹، ج:۲) واللہ اعلم۔﴾

لیکن زوجہ مجنون یا زوجہ عنین تنہا کسی قاضی کے علاقہ میں چلی جائے تو قاضی کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا بلکہ یہ ضروری ہے کہ مجنون وعنین بھی اس قاضی کے علاقہ میں ہوں۔

ہندوستان وغیرہ ممالک مسئلہ مفقود میں بحکم دارالاسلام ہیں

(۶) مفقود کا حکم دارالحرب اور دارالاسلام میں مختلف ہے، جیسا کہ سوال اول کے جواب میں مفصل گزر چکا۔ مگر علماء مالکیہ کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان ومصر شام وغیرہ ممالک کہ جن میں باوجود حکومت کافرہ مسلط ہوجانے کے شعائر اسلام ہنوز قائم ہیں، ان سب میں مفقود کا حکم وہی ہے جو دارالاسلام میں ہے، بلکہ جس دارالحرب میں شعائر اسلام بھی موجود نہ ہوں، مگر وہاں مسلمانوں کو صلح وغیرہ کی وجہ سے آنا جانا اور تفتیش کرنا ممکن ہوتو اس دارالحرب میں بھی مفقود کا وہی حکم ہے جو دارالاسلام میں ہے، پس اصل بناء امکان تفتیش ہے، اس لئے ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں جو علماء کا اختلاف ہے اس کا اس مسئلہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اور زوجہ مفقود کو ان ممالک میں چار سال کی مہلت کے بعد عدت وفات گزار کر نکاح ثانی کا اختیار دے دیا جاوے گا۔ کما فی الروایۃ الخامسۃ للعلامۃ الفاھاشم والخامسۃ والعشرین للعلامۃ الطیب.

واپسی مفقود کے احکام

سوالات

(۱) اگر مفقود بعد حکم بالموت یا بعد نکاح ثانی قبل صحبت واپس آجائے، یا دوسرے خاوند سے صحبت وغیرہ ہوچکنے کے بعد واپس آجائے، تو مفقود کو عورت ملے گی یا نہیں؟ اور سب صورتوں میں ایک ہی حکم ہے یا مختلف؟

(۲) دوسرے خاوند سے صرف نکاح یا نکاح اور صحبت دونوں ہوجانے کے بعد مفقود کے

واپس آنے پر اگر زوجہ اس کو مل جاتی ہو تو اس کے متعلق چند سوالات مفصلہ ذیل ہیں:

الف: کیا پہلے خاوند کو تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی، یا ویسے ہی پہلا نکاح قائم سمجھا جائے گا؟ .... ب: درصورت تجدید نکاح تجدید مہر کی بھی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

ج: اس صورت میں دوسرے خاوند کی عدت بھی واجب ہوگی یا نہیں؟ اور اگر واجب ہوگی تو کتنے ایام تک اور یہ عدت شوہر ثانی کے مکان پر گزاری جائے گی یا شوہر اول کے؟

د: دوسرے شوہر کے ذمہ جو مہر تھا اس کا ادا کرنا واجب رہے گا یا نہیں؟

ہ: اگر زوج ثانی سے اولاد ہو چکی ہو یا تفریق کے بعد زمانہ عدت میں ہو جاوے تو اس اولاد کا نسب کس سے ثابت ہوگا، پہلے خاوند سے یا دوسرے سے؟

الجواب

(۱) وہ مفقود جس پر مرافعہ و تفتیش کے بعد چار سال تک انتظار کر کے قاضی نے موت کا حکم کر دیا ہے۔ اگر حکم بالموت کے بعد واپس آ جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں:۔

(۱) ایک یہ ہے کہ شوہر ثانی کے ساتھ خلوتِ صحیحہ ہونے سے پہلے پہلے آ جاوے خواہ عدت وفات کے اندر یا بعد، اور خواہ نکاح ثانی سے پہلے یا بعد۔

(۲) اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایسے وقت واپس آئے جب کہ عدت وفات گزارنے کے بعد عورت دوسرے مرد سے نکاح کر چکی اور خلوت صحیحہ بھی ہو چکی ہو۔

ان میں سے پہلی صورت کا حکم بالاتفاق یہ ہے کہ زوجہ شوہر اول ہی کے نکاح میں بدستور سابق رہے گی۔ دوسرے خاوند کے پاس نہیں رہ سکتی۔

كما فى مجموع الرواية الرابعة عشر والخامسة عشر والرابعة والثلاثين من فتوى العلامة الصالح.

اور دوسری صورت میں مالکیہ کا تو مشہور مذہب ❊ ایک ضروری بات قابل تنبیہ یہ ہے کہ مالکیہ کے مذہب مشہور میں بھی زوج ثانی سے ہم بستری کے بعد شوہر اول کا حق فوت ہو جانے کی ایک شرط ہے، جس کا علمائے مدینہ کے فتاویٰ میں تذکرہ نہیں

ہے نہ معلوم اس کا ذکر کس وجہ سے رہ گیا، ورنہ ان کی معتبر مستند کتاب میں موجود ہے۔ وہ شرط یہ ہے کہ دوسرے خاوند کو اس بات کی خبر نہ ہو کہ اس عورت کا خاوند لاپتہ ہے، اور اگر خبر ہو کہ اس کا خاوند لاپتہ ہے تو پھر شوہر ثانی کے دخول وہم بستری کے بعد واپس آنے پر بھی شوہر اول کا نکاح باقی رکھا جائے گا، اور اسی کو مل جاوے گی۔ کما صرح به فی مختصر الخلیل و شرحه للعلامة الدردیر. (ص:۴۰۰، ج:۱) فتکون للمفقود فیما اذا جاء أو تبین حیاته أو موته فی العدة أو بعدها وقبل عقد الثانی أو بعده، وقبل تلذذه بها أو بعده عالما بما ذکر وتفوت علیه تکون للثانی أن تلذذ بها غیرها عالم. پس مذہب مشہور کی بناء پر بھی صرف اس جگہ مالکیہ کو اختلاف ہوگا جہاں شوہر ثانی کو خبر نہ ہو کہ یہ زوجہ مفقود ہے۔ وهو نادرا۔ یہی ہے کہ زوجہ دوسرے خاوند کے پاس رہے گی۔ شوہر اول کا اب اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ کما فی الروایة الخامسة عشر من فتوی العلامة الصالح مع الروایة السابعة والعشرین من العلامة طیب بن اسحاق المدنی. گو علامہ شعرانی نے میزان میں لکھا ہے: وله روایة أخری أنها للأول بکل حال، ومع قول الشافعی فی أرجع القولین أن النکاح الثانی باطل (أی اذا قدم المفقود) (ص:۱۲۴، ج:۲)

لیکن امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا مذہب اس بارہ میں یہ ہے کہ اگر مفقود حکم بالموت کے بعد بھی واپس آجائے تو اس کی عورت ہر حال میں اسی کو ملے گی۔

خواہ عدت وفات کے اندر آجائے یا بعد انقضائے عدت، اور خواہ نکاح ثانی اور خلوت وصحبت کے بعد آئے یا پہلے۔

کما صرح به شمس الأئمة فی المبسوط حیث قال: وقد صح رجوعه ﴿فان قال قائل: اذا رجع عمر رضی الله تعالیٰ عنه عن مذهبه، فکیف یسوغ للمالکیة القول بمذهبه السابق المرجوع عنه؟ قلنا:

الرجوع مختلف فيه أى صح الرجوع عند الأحناف، ولم يصح عند المالكية كما قال ابن قدامة في كتابه المسمى بالمغنى. (ص:۱۲۳، ج:۹) قال الاثرم قلت (للمالکؒ) فروى من وجه ضعيف أن عمرؓ قال بخلاف هذا؟ قال: لا الا أن يكذب السان.﴾ (يعنى عمر رضى الله تعالىٰ عنه) عنه الى قول علي رضى الله تعالىٰ عنه فانه (أى عليا رضى الله تعالىٰ عنه) كان يقول: ترد الى زوجها الأول، ويفرق بينها وبين الآخر، ولها المهر بما استحل من فرجها، ولا يقربها الأول، حتى تنقضي عدتها من الآخر، وبهذا كان يأخذ ابراهيم فيقول: قول على رضى الله تعالىٰ عنه احب الى من قول عمر رضى الله تعالىٰ عنه ، وبه ناخذ أيضا. (ص: ۳۷، ج:۱۱) وفي ميزان الشعراني (ص:۱۲۴، ج:۲) ومن ذلک قول أبي حنيفة: أن المفقود اذا قدم بعد أن تزوجت زوجته بعد التربص، يبطل العقد، وهى للأول، وان كان الثاني وطئها فعليه مهر المثل، وتعتد من الثاني، ثم ترد الى الأول.

اور حنفی کے لئے غیر حنفیہ کے مذہب پر فتویٰ دینا سخت ضرورت کے وقت جائز ہے، جیسے تاجیل زوجہ مفقود وغیرہ کی صورتیں؛ لیکن واپسی مفقود کی صورت میں دوسرے مذہب پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت داعی نہیں۔

لہٰذا اس صورتِ ثانیہ میں بھی (یعنی جب کہ واپسی مفقود سے قبل شوہر ثانی خلوت صحیحہ بھی کر چکا ہو تب بھی) زوجہ اپنے خاوند سابق ہی کے نکاح میں رہے گی، شوہر ثانی کے پاس رہنا جائز نہیں؛ کیوں کہ شوہر﴿ومافي العالمگيرية عن التاتار خانية: فان عاد زوجها بعد مضى المدة فهو أحق بها، وان تزوجت فلا سبيل له عليها. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب المفقود ۳۰۰/۲، طبع زکریا دیوبند) فلا يعول عليه في مقابلة تصريح المبسوط. والله اعلم.﴾اوّل کی واپسی سے

نکاح ثانی باطل قرار دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

(۲) سوالِ اول کے جواب میں مبسوط کی جو عبارت درج کی گئی ہے اس سے سوال ہٰذا کے پانچوں اجزاء کا جواب نکل آیا۔ یعنی:

الف: پہلا نکاح قائم رہے گا، تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ اگر چہ دوسرے خاوند سے صحبت بھی ہو چکی ہو۔ وهو المستفاد من قوله: "ترد الى زوجها الأول" ومن قوله: "ولا يقربها الأول" الخ.

ب: ظاہر ہے کہ جب تجدید نکاح نہیں تو پھر تجدید مہر کہاں۔

ج: دوسرے شوہر کی عدت گزارنا واجب ہے جب تک عدت ختم نہ ہو اس وقت تک شوہر اول کو اس کے پاس جانا ہرگز جائز نہیں ہے؛ بلکہ پوری احتیاط لازم ہے۔

وهو المصرح في قوله: ولا يقربها الأول حتى تنقضي عدتها من الأخر.

اور عدت میں جو تفصیل دوسرے مواقع میں ہے وہ یہاں بھی ہوگی، یعنی اگر حاملہ ہے تو وضع حمل ورنہ تین حیض، باقی رہا یہ سوال کہ زمانہ عدت کہاں گزارے سو اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر اوّل کے یہاں گزارے گی۔

لأنها بمنزلة الموطؤة بالشبهة، كما قال شمس الأئمة ، فعرفنا أن الصحيح أنها زوجة الأول؛ ولكن لايقربها لكونها معتدة الغير، كالمنكوحة اذا وطئت بشبهة. (مبسوط ص: ۳۷، ۱، ج: ۱۱)

وفي الدر المختار: وللموطوءة بشبهة ان تقيم مع زوجها الأول وتخرج باذنه في العدة لقيام النكاح بينهما انما حرم (ودواعيه ملحقة به كما هو الظاهر) الوطي حتى تلزمه نفقتها وكسوتها، بحر. (فتاویٰ شامی، كتاب الطلاق / باب العدة / في النكاح الفاسد والباطل ۵/۱۹۹، طبع زكريا ديوبند)

ونقل الشامي عن كافي الحاكم أن امرأة رجل لو تزوجت (آخر) ودخل بها الزوج (الثاني) ثم فرق بينهما، وردت الى زوجها الأول كان

تشوق (أی تنظر كذا فی القاموس.) الی زوجها الأول، وتتزين له، وعليها عدة الآخر ثلاث حيض اهـ، والله سبحانه أعلم. (فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق / باب العدة / آخر فصل الحداد ۵/۲۳۰، طبع زکریا دیوبند)

(۱) اگر خلوتِ صحیحہ ہوچکی ہے تو پورا مہر جو وقت نکاح مقرر کیا گیا تھا ادا کرنا واجب ہوگا۔

وهو المستفاد من قوله: ولها المهر بما استحل من فرجها، ولم يصرح أن المراد من المهر المهر المسمى، أو مهر المثل، لكن المتبادر عند الاطلاق هو المهر المسمى، وأيضاً مامر فی حكم المجنون من أنه اذا فسخ النكاح بعد الدخول، يجب المهر المسمى، يؤيد ما قلنا، وما فی الميزان للشعرانی من أن عليه مهر المثل، فلا يتأيد برواية، ولا يعتضد بالقواعد الدراية فيما نعلم؛ بل ظاهر المبسوط والبدائع يخالفه كما مر آنفا، والله اعلم.

اور اگر خلوتِ صحیح نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں مہر کا حکم صراحۃً نظر سے نہیں گزرا مگر قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں مہر بالکل نہ ملے گا۔

لأن رفع نكاح الزوج الثانی كالفسخ، وفی الفسخ قبل الخلوة لايجب شیء من المهر، كما مر عن البدائع فی حكم زوجة المجنون، وأيضا لفظ المبسوط بما استحل من فرجها، يشير الی أن مجرد النكاح لايوجب المهر. والله أعلم.

(۲) اس اولاد کا نسب دوسرے خاوند سے ثابت ہوگا۔ كما صرح به العلامة الشامی فی رد المحتار، ونقل أن زوجته له والأولاد للثانی. (فتاویٰ شامی، کتاب المفقود / مطلب فی الافتاء بمذهب مالکؒ فی زوجة المفقود ۶/۴۶۳، طبع زکریا دیوبند)

واليه ذهب المالكيةؒ أيضا كما صرح به فی الرواية الثالثة والثلاثين من فتوى العلامة الصالح المالكی الملحقة بآخر الكتاب.

فائدہ: زوجۂ مفقود کے لئے چار سال کے مزید انتظار کا حکم اس صورت میں تو بالاتفاق ضروری ہے، جب کہ عورت اتنی مدت تک صبر وتحمل اور عفت کے ساتھ گزار سکے؛ لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو یعنی عورت اندیشہ ابتلاء ظاہر کرے۔ اور اس نے ایک عرصۂ دراز ﴿ اور عرصۂ دراز کی تعیین مفوض الی رأی الحاکم ہے، یعنی قاضی یا جماعت مسلمین مدعیہ کے خاص حالات میں غور کر کے قرار دیں کہ مقدمہ پیش ہونے سے پیشتر اس نے کافی انتظار کر لیا ہے یا نہیں، اگر معمولی انتظار کے بعد مقدمہ دائر کر دیا تو احکام گزشتہ کے موافق چار سال کے مزید انتظار کا حکم دیا جائے، اور اگر کافی انتظار کر کے مقدمہ پیش کیا ہے تو اس گنجائش کے موافق فیصلہ کی اجازت ہے۔ ﴾ تک مفقود کا انتظار کرنے کے بعد مجبور ہو کر اس حالت میں درخواست دی ہو جب کہ صبر سے عاجز ہو گئی تو اس صورت میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کے موافق چار سال کی میعاد میں تخفیف کر دی جاوے کیونکہ جب عورت کے ابتلاء کا شدید اندیشہ ہو تو ان کے نزدیک کم از کم ایک سال ﴿ لیکن یہ بات کہ یہ سال غائب ہونے کے وقت سے شروع سمجھا جائے گا، یا مرافعہ الی القاضی کے وقت سے، اس کی تصریح فتاویٰ مالکیہ میں نہیں ہے اور جس قدر کتب مالکیہ یہاں موجود تھیں ان میں بھی دستیاب نہیں ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ مرافعہ کے بعد سے سال انتظار شمار کیا جائے۔ ﴾ صبر کے بعد تفریق جائز ہے۔ **كما في الرواية الثانية من فتوى العلامة الفاهاشم.**

مگر علمائے سہارنپور دونوں صورتوں میں چار ہی سال کی مدت کے مزید انتظار کو شرط فرماتے ہیں، اور ایسا کرنا ظاہر ہے کہ زیادہ احتیاط کی بات ہے: لیکن جہاں قرائن قویہ سے اندیشہ قوی ابتلاء بالزنا کا ہو تو ایک سال کے قول پر بھی حاکم کو حکم کر دینے کی گنجائش ہے، مگر معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، بہانہ تلاش نہ کیا جاوے۔

تتمۃ الفائدۃ

اگر تفریق اس قاعدہ کے موافق کی جائے تو اس بات کا خیال ضروری ہے کہ یہ

تفریق طلاق رجعی ہوگی، اور اس صورت میں زوجۂ مفقود کو بجائے عدت وفات کے
عدت طلاق تین حیض گزارنے ہوں گے، اور اگر مفقود اس صورت میں واپس آ گیا تو
اس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر عدت کے اندر اندر آ کر رجعت کرلے تو رجعت صحیح
ہو جائے گی اور زوجہ بدستور اس کے نکاح میں رہے گی، اور اگر عدت کے بعد آیا یا پہلے
ہی آ گیا مگر عدت کے اندر رجعت قولی یا فعلی نہ کی تو اب زوجۂ مفقود پر طلاق بائنہ ہو کر
وہ خود مختار ہوگئی خواہ دوبارہ اسی سے نکاح کرلے یا کسی دوسرے سے۔ ولما فی
الروایۃ الرابعۃ عشر من فتوی العلامۃ الصالح التونسی۔

حکم زوجۂ متعنت.....فی النفقۃ

متعنت اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جو باوجود قدرت کے بیوی کے حقوق نان
نفقہ وغیرہ ادا نہ کرے، اس کا حکم بھی بوقت ضرورت شدیدہ ستم رسیدہ مستورات کی رہائی
کے لئے مالکیہ کے مذہب سے لیا گیا ہے جو ذیل کے سوال و جواب میں مذکور ہے۔

تفریق کی صورت اور اس کے شرائط

سوال (۱) جو شخص باوجود قدرت کے اپنی زوجہ کے حقوق نان و نفقہ ادا نہ کرتا
ہو، کیا اس کی زوجہ کو حق ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو اس کی زوجیت سے نکال سکے؟
اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟

سوال (۲): اگر قاضی ان میں تفریق کر سکتا ہو تو جب قاضی اس متعنت کی زوجہ
پر طلاق واقع کر چکے جو نان نفقہ نہ دیتا ہو، اس وقت یا اس کے بعد پھر کسی وقت متعنت
اپنی حرکت سے باز آ جائے اور نفقہ وغیرہ حقوق ادا کرنے کا وعدہ کرے، تو کیا وہ
عورت پھر اس کو مل جائے گی؟ اور اگر اس کو مل سکتی ہے، تو قبل عدت اور بعد عدت میں
یا قبل نکاح ثانی اور بعد نکاح ثانی میں کچھ فرق ہوگا یا نہیں؟

الجواب: (۱) زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع

وغیرہ کرلے؛ لیکن اگر باوجود سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے، تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک زوجۂ متعنت کو تفریق ﴿وهذا الحكم عند المالكية لايختص بخشية الزنا وافلاس الزوجة؛ لكن لم ناخذ مذهبهم على الاطلاق، بل أخذناه حيث وجدت الضرورة المسوغة للخروج عن المذهب.﴾ کا حق ل سکتا ہے، اور سخت مجبوری کی دوصورتیں ہیں:

ایک یہ کہ عورت کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہوسکے، یعنی نہ کوئی شخص عورت کے خرچ کا بندوبست کرتا ہو اور نہ خود عورت حفظ آبرو کے ساتھ کسب معاش پر قدرت رکھتی ہو۔ اور دوسری صورت مجبوری کی یہ ہے کہ اگر چہ بسہولت یا بدقت خرچ کا انتظام ہوسکتا ہے؛ لیکن شوہر سے علیحدہ رہنے میں ابتلاءِ معصیت کا قوی اندیشہ ہو۔

اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین (جماعت مسلمین و نیز مسلمان حاکم کا مفصل بیان جزو دوم کے مقدمہ میں گزر چکا ہے اس کا ملاحظہ ضروری ہے۔) کے سامنے پیش کرے، اور جس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے۔ اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا، تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کر یا طلاق دے، ورنہ ہم تفریق کردیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے، اس میں کسی مدت کے انتظار اور مہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں۔ الرواية الثالثة والعشرين من الفتوى للعلامة سعيد بن صديق.

متعنت اپنے ظلم سے باز آجائے تو کیا حکم ہے؟

(۲) متعنت اگر اپنی حرکت سے اس وقت باز آجائے جب کہ حاکم اس کی زوجہ پر

طلاق واقع کر چکے اور عدت بھی گزر چکے، تو اب اس کا کوئی اختیار زوجہ پر نہیں ﴿فان قيل: ان المتعنت اذا رجع عن التعنت بعد العدة، فالمرأة لا ترجع اليه بحال، كماهو مذكور في هذا المقام، والغائب المطلق عليه اذا قدم بعد العدة وأثبت خلاف ما ادعته، فالمرأة له وان عاد بعد ما أرسل اليه الحاكم كما سيأتي، فما الفرق بين تعنت الحاضر وعناد الغائب حيث لاحق بعد العدة للتعنت بحال، بخلاف الغائب المعاند، يجاب:

بأن تعنت الحاضر يثبت في مجلس القاضي، فتكون له قوة، كما يفهم من المختصر مع شرحه حيث قال: (وان لم يجب) المدعى عليه باقرار ولا انكار (حبس وأدب) بالضرب (ثم) ان استمر على عدم الجواب (حكم) عليه بالحق؛ لأنه في قوة الاقرار بالحق.(ص: ۲۹۳، ج: ۲) بخلاف عناد الغائب فافهم.﴾ رہتا (کیوں کہ عدت گزرنے کے باوجود رجوع کا حق نہیں رہتا گو طلاق رجعی ہی ہو؛ البتہ تراضی طرفین سے نکاح ہوسکتا ہے) اور اگر انقضائے عدت سے پہلے پہلے اپنی حرکت سے باز آجائے اور نفقہ دینے پر آمادہ ہوجاوے تو اس بارہ میں مالکیہ کے مذہب میں صریح روایت نہیں، اس لئے ارباب فتویٰ کے نزدیک دو احتمال ہیں: (۱) یہ کہ اس تفریق کو طلاق رجعی قرار دیا جائے اور عدت کے اندر اندر رجعت کو صحیح کہا جاوے۔

(۲) دوسرا یہ کہ طلاق بائنہ قرار دی جاوے۔ اور رجعت کا حق خاوند کو نہ دیا جاوے، لیکن علامہ صالح نے احتمال اول کو اقرب لکھا ہے۔ كما في الرواية الرابعة عشر مع التنبيه والتلخيص عن الفتوى الثانية للعلامة الصالح. اور ہم کو بھی علامہ صالح کی رائے ان کے فتویٰ میں غور کرنے کے بعد درست معلوم ہوتی ہے۔ اس واسطے ہمارے نزدیک فتویٰ یہی ہے کہ عدت کے اندر اندر تعنت سے باز آجانے کی صورت میں عورت کو اسی کے پاس رہنا پڑے گا۔ خواہ عورت راضی ہو یا

ہوگا؛ کیوں کہ رجعت ہو جب رجعت صحیح ہو گئی تو عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا حرام ہے اور اسی مرد کے پاس رہنا ضروری ہے اس لئے عورت کو بھی لازم ہے کہ تجدید نکاح کرے، لیکن اگر عورت اپنی نادانی سے تجدید نکاح نہ کرے تو مرد کو جائز ہے کہ بدون تجدید رکھ لے۔ رجعت میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں، مگر احتیاطاً تجدید نکاح ہو جاوے تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

حکم زوجہ غائب غیر مفقود

یہ حکم بھی مذہب مالکی سے لیا گیا ہے، تاکہ بوقت ضرورت شدیدہ مظلومہ کو نجات حاصل ہو سکے۔

سوال (۱): جو شخص غائب ہو جائے اور پتہ اس کا معلوم ہے، لیکن نہ وہ خود آتا ہے نہ بیوی کو اپنے پاس بلاتا ہے، نہ اس کے خرچ وغیرہ کا انتظام کرتا ہے، اور نہ طلاق دیتا ہے، اس وجہ سے عورت تنگ اور پریشان ہے، تو کیا اس کی عورت کے لئے کوئی سبیل ہے کہ اس غائب کی زوجیت سے اپنے آپ کو الگ کرے اور جائز طور پر دوسری جگہ نکاح کر سکے؟

سوال (۲): درصورت جواز تفریق اگر تفریق کے بعد نکاح ثانی سے پیشتر یا نکاح ثانی کے بعد وہ شخص واپس آجائے اور نان نفقہ انتظام کرنے پر آمادہ ہو، تو کیا زوجہ اس کو مل جاوے گی؟ اور اگر واپس مل جاتی ہے تو کن شرائط اور کن تفصیل کے ساتھ ملتی ہے؟

سوال نمبر ایک کا جواب

اس عورت کی رہائی کے واسطے جو صورت باتفاق ائمہ صحیح ہے، وہ تو یہ ہے کہ اس کے خاوند کو خلع پر راضی کیا جاوے۔ اور اگر وہ سنگ دل خلع پر بھی راضی نہ ہو تو پھر اگر یہ عورت صبر کر کے اپنا زمانہ عفت میں گزار سکے تو بہتر ہے، ورنہ جب گزارہ اور نان نفقہ کی کوئی صورت ممکن نہ ہو، تو سخت مجبوری میں یہ بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کے موافق صورت ذیل اختیار کر کے رہائی حاصل کر لے۔

وہ صورت یہ ہے کہ اولاً قاضی (اور جہاں قاضی نہ ہو وہاں کا حکم مقدمہ میں مفصل

گزر چکا ہے، اس کو ضرور دیکھ لیا جاوے) کے پاس مقدمہ پیش کر کے گواہوں سے اس غائب کے ساتھ اپنا نکاح ہونا ثابت کرے۔

پھر یہ ثابت کرے کہ وہ مجھ کو نفقہ دے کر نہیں گیا اور نہ وہاں سے اس نے میرے لئے نفقہ بھیجا، نہ یہاں کوئی انتظام کیا، اور نہ میں نے نفقہ معاف کیا، غرض نفقہ کا وجوب بھی اس کے ذمہ ثابت کرے۔ اور یہ بھی کہ وہ اس واجب میں کوتاہی کر رہا ہے اور ان سب باتوں پر حلف بھی کرے اس کے بعد اگر کوئی عزیز قریب یا اجنبی اس کے نفقہ کی کفالت (اگر کسی نے اس وقت نفقہ کی کفالت کر لی۔

لیکن پھر چھوڑ دیا تو عورت کو مکرر مرافعہ کا حق ہوگا) کرلے تو خیر ورنہ قاضی اس شخص کے پاس (یعنی بذریعہ دو ثقہ آدمیوں کے جس کا تذکرہ تنبیہ میں آتا ہے۔) حکم بھیجے کہ یا تو خود حاضر ہو کر اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو یا اس کو بلالو، یا وہیں سے کوئی انتظام کرو، ورنہ اس کو طلاق دے دو، اور اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات نہ کی پھر ہم خود تم دونوں میں تفریق کر دیں گے۔

اس پر بھی اگر خاوند کوئی صورت قبول نہ کرے تو قاضی ایک مہینے (فتاویٰ مالکیہ کی روایت سی وششم میں جس کا حوالہ متن میں عنقریب آتا ہے، یہ بات تو مصرح ہے کہ یہ تاجیل شہر قاضی کے سامنے دعویٰ ثابت کرنے کے بعد ہوگی؛ لیکن اس روایت میں لرسال الی الغائب سے کوئی تعرض نہیں، اس لئے یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ یہ تاجیل بعد الارسال ہوگی یا قبل الارسال؟ ہم نے بعد الارسال کو احوط سمجھ کر اختیار کرلیا ہے۔) کے مزید انتظار کا حکم دے، اس مدت میں بھی اگر اس کی شکایت رفع نہ ہوئی تو اس عورت کو اس غائب کی زوجیت سے الگ کردے۔ کما فی الروایۃ الثانیۃ والعاشرۃ والثانیۃ والعشرین والسادسۃ والثلاثین. اور یہ ظاہر ہی ہے کہ تفریق کے لئے عورت کی طرف سے مطالبہ شرط ہے۔ پس اگر اس غائب کا جواب آنے کے بعد عورت مطالبہ ترک کردے تو پھر تفریق نہ کی جاوے گی۔

غائب کے پاس حکم بھیجنے کی ضرورت اور اس کی صورت

قاضی جو اس غائب کے پاس حکم بھیجے تو بذریعہ ڈاک وغیرہ بھیجنا کافی نہیں؛ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ حکم نامہ دو ثقہ آدمیوں کو سنا کر ان کے حوالہ کر دے کہ اس کو غائب کے پاس لے جاؤ۔ یہ دونوں شخص غائب کو حکم نامہ پہنچا کر اس سے جواب طلب کریں، اور جو کچھ جواب تحریری یا زبانی نفی یا اثبات میں دے اس کو خوب محفوظ رکھیں (بلکہ زبانی جواب کو بھی احتیاطاً لکھ لیں) تا کہ واپس ہو کر اس پر شہادت دے سکیں اور اگر وہ کچھ جواب نہ دے تو اسی کی شہادت دے دیں۔

الغرض قاضی جو حکم کرے ان دونوں کی شہادت پر کرے، محض خط کو کافی نہ سمجھے۔

وهو منصوص المذهبين الحنفي والمالكي، كما صرحوا به كتاب القاضى الى القاضى، وقال العلامة الدردير تحت قول المختصر: (ولم يفد كتاب وحده) من غير شهادة على الحاكم۔ الى قوله۔ فلابد من شاهدين، يشهد ان على أن هذا كتاب القاضى الفلانى، وأنه اشهد هما على مافيه. (الشرح الكبير للدردير ۲/۲۹۸) **والله أعلم.**

اگر غائب شخص کسی دور دراز ملک میں ایسی جگہ پر ہو جہاں پوری جد و جہد اور امکانی کوشش کے باوجود بھی آدمی بھیجنے کا کوئی انتظام ممکن نہ ہو تو مذکور الصدر مجبوری کے وقت اس کی بھی گنجائش ہے کہ بغیر آدمی بھیجے ہوئے حاکم یا قائم حاکم واقعہ کی تحقیق حسب قاعدہ مذکورہ کرنے کے بعد تفریق کا حکم کر دے۔ **كما فى الرواية العاشرة للعلامة الفاهاشم.**

سوال نمبر دو کا جواب

اگر یہ غائب حکم بالطلاق کے بعد آ جاوے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ عدت کے اندر اندر واپس آ جاوے اور با قاعدہ خرچ وغیرہ دینے پر آمادہ ہو۔ اس صورت میں تو اس کو رجعت کا حق ہے، اگر رجعت کر لے گا تو صحیح ہو جائے گی، اور رجعت نہ کرے تو عدت کے بعد اس کے نکاح سے بالکل الگ ہو جاوے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عدت ختم ہوچکنے کے بعد واپس آیا ہو، سو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس نے عورت کے دعوے کے خلاف کوئی بات ثابت کردی مثلاً یہ کہ میں نے اس کو پیشگی خرچ دے دیا تھا، یا یہ کہ وہاں سے بھیجتا رہتا تھا، یا یہ کہ عورت نے نفقہ معاف کردیا تھا تب تو اس کو ہر حال میں عورت مل جاوے گی، یعنی خواہ وہ عورت عدت کے بعد نکاح ثانی بھی کرچکی ہو حتیٰ کہ اگر شوہر ثانی سے اولاد بھی ہوچکی ہوتب بھی شوہر اول ہی کا نکاح باقی سمجھا جاوے گا، اور شوہر ثانی کا نکاح اب باطل قرار دیا جائے گا۔ اور اگر خاوند نے عورت کے دعوے کے خلاف کوئی بات ثابت نہ کی تو عورت اس کو نہ ملے گی؛ کیوں کہ عدت ختم ہونے کے بعد رجعت کا حق نہیں رہتا۔

وهذا كله مصرح في الرواية الرابعة عشر والسادسة عشر.

اور دوسری صورت کی پہلی شق میں جو شوہر اول کو عورت ملے گی اس کو نہ تجدید نکاح کی ضرورت ہے نہ تجدید مہر کی؛ البتہ شوہر ثانی سے خلوت صحیحہ ہوچکی ہوتو عدت واجب ہے۔ یعنی عدت گزرنے سے پیشتر شوہر اول کو جماع اور اس کے دواعی کا ارتکاب جائز نہیں۔ كما في الرواية التاسعة والعشرين الى الرابعة والثلاثين۔ اور شوہر ثانی کے ذمہ مہر واجب ہونے میں وہی تفصیل ہے جو مفقود کے بیان میں گزر چکی، یعنی اگر اس سے خلوت صحیحہ ہوچکی ہے تو پورا واجب ہے، ورنہ بالکل ساقط ہوجائے گا، كما هو حكم سائر الفسوخ۔ ونیز احکام مفقود میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ عدت شوہر اول کے مکان میں گزارے گی۔

فلينظر ثم فقدا والله أعلم بالصواب واليه المرجع والمآب.

وههنا تمت الرسالة. والحمدلله الهادى فى كل مقالة كتبها الأحقر أشرف علي، عفي عنه ذنبه الخفي والجلي. بمشاركة الفاضلين الجامعين للعلم القويم، والعمل المستقيم؛ المولوى محمد شفيع، والمولوى عبدالكريم شرفهما الله تعالى بالأجر العظيم. فى أوائل شهر ذى القعدة ١٣٥١ من هجرة النبى الشفيع الكريم عليه ألف ألف صلوة وتسليم.

تصدیقات

جو حضرات علمائے امداد العلوم تھانہ بھون، دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور دام اللہ فیوضہم رسالہ ہٰذا کی ترتیب وتہذیب وتنقیح میں شریک رہے، ان کی تصدیقات ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

از: امداد العلوم تھانہ بھون

الحمدلله وكفى سلام على عباده الذين اصطفى، وبعد! فقد طالعت هذه الرسالة الفريدة، وملأت عيني بأنوار تلك اللآلي النضيدة، فوجدتها فريدةً في الباب، ودُرّةً يتيمةً أخرجت من لجة العباب:

منها الحياة لكل حق ميت   منها الممات لكل قول زور
منها البياض لكل قلب أسود   منها السواد لكل عين ضرير

ولله درشيخنا، فقد بالغ في التحقيق والتنقير، وبذل جهده في التسهيل على الأمة المظلومة والتيسير، جعل الله هذا السعي مشكوراً، وهذا العمل مقبولًا مبرورًا. وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد، وعلى آله وأصحابه أجمعين.

كتبه: أذل الخدام وأحقر الغلمان
ظفر احمد التهانوي تغمده الله بالغفران
مورخه ٢٦ / ذي الحجة ١٣٥١هـ

از: خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بعد حمد وصلوٰۃ: گزارش ہے کہ اس رسالہ فیض مقالہ کا نہایت ضروری ہونا بھی ظاہر ہے۔ نیز اس کا جامع مانع اور بے حد مفید ہونا بھی محتاج بیان نہیں، اس کو سرسری نظر سے دیکھنے والا بھی بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے:

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

درحقیقت امت مرحومہ کی اس اہم مشکل کا حل حضرت اقدس ہی جیسے مجمع کمالات کا محتاج تھا۔ آپ نے جس انتہائی غور وخوض کو ایک عرصہ دراز تک اس تحقیق وتصنیف میں مبذول فرمایا ہے اس کا کچھ اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو زمانہ تالیف میں حاضری کی دولت نصیب ہوئی ہو۔ حضرت والا نے بارہا ارشاد فرمایا کہ: مجھے اتنی مشقت عمر بھر کسی کام میں نہیں ہوئی، حق تعالیٰ حضرت والا دامت برکاتہم کے سایۂ رحمت کو ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے، آمین ثم آمین۔

اب اہل ضرورت سے صرف اس قدر گزارش ہے کہ رسالہ ہذا میں جو قیود وشرائط درج ہیں وہ نہایت درجہ ضروری ہیں، عمل کے وقت ان کو خوب پیش نظر رکھیں اور پوری طرح ان کی پابندی کریں، محض ضرورت کا بہانہ لے کر اتباع ہوئی میں مبتلا نہ ہوں۔ نیز اربابِ فتویٰ کی خدمت فیض درجت میں التماس ہے کہ فتوے کے وقت تمام شرائط کو بخوبی ملحوظ رکھنا ضروری تصور فرماویں۔

وهو الموفق للخير والعاصم عن كل ضير،

الملتمسان: کمترین خدام، کہترین غلام

احقر عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۲۶ رمضان ۱۳۵۲ھ

مہر
خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون

سراج احمد غفرلہ
مدرس خانقاہ امدادیہ
۲۶ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ

از: دار العلوم دیوبند

ہم سبھوں نے رسالہ "الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة" کو بغور و تدبر سنا۔ یقیناً ہمارے دیارِ ہندیہ میں موجودہ حالات کے ماتحت بجز اس کے کوئی چارہ نہیں معلوم ہوتا کہ علماء مذہب حنفی رسالہ ہذا کے مسائل مندرجہ کو معمول بہا قرار دیں، اور اسی پر فتویٰ دیں، قرونِ سابقہ میں بھی علمائے حنفیہ نے مسئلہ مفقود وغیرہ میں ضروریاتِ وقتیہ کی بناء پر یہی طرز اختیار کیا ہے۔

حضرت مؤلف دامت برکاتہم اور ان کے معاونین کی مذکورہ بالا مسائل میں مساعیٔ بلیغہ اور انتہائی جدوجہد بے شک وبلاشبہ قابل ہزار ہا ہزار تشکر و تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہر دو جہاں میں جزائے خیر عطا فرماوے۔ آمین۔

العبد	العبد	العبد	العبد
ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ (صدر مدرس)	عبد السمیع غفرلہ (مدرس)	محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ (مدرس)	بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ (مدرس)
العبد	العبد	العبد	العبد
احقر العباد محمد طیب (مہتمم)	بندہ سید محمد مبارک علی غفرہ (نائب مہتمم)	ریاض الدین عفی عنہ (مدرس)	بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ (مدرس حدیث)

العبد	العبد	العبد
مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی (دار العلوم دیوبند)	بندہ محمد شفیع غفرلہ خادم دار الافتاء (دار العلوم دیوبند)	محمد اعزاز علی امروہی شیخ الفقہ والادب ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ

مہر دار الافتاء
جامعہ اسلامیہ
دار العلوم دیوبند

از مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً، أما بعد: ہم نے بامعانِ نظر و خوضِ تام اس فتویٰ "الحیلة الناجزة" کو تقریباً سوا ماہ تک مسلسل مرة بعد مرة دیکھا اور سنا، ہم یقین کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت مجدد الملة مولانا تھانوی دامت برکاتہم جیسے فقیہ کو جو علاوہ ظاہری و باطنی علوم کی مہارت تامہ کے احوال زمانہ و مشکلات حاضرہ سے بخوبی واقف ہیں، یقیناً یہ حق حاصل ہے کہ فتوے کے لئے کسی دوسرے امام کے مذہب کو اختیار فرمالیں؛ کیوں کہ بوقت ضرورت شدیدہ دوسرے اماموں کے مذہب کو اختیار کرنا بھی فقہ حنفی کا ایک حکم ہے۔ بناء علیہ گزارش ہے کہ گو حضرت اقدس کا فتویٰ ہم جیسوں کی تائید و تصحیح کا اصلاً محتاج نہیں؛ لیکن تحصیلاً للخیر والثواب ان مسائل کی تائید و تصحیح سے افتخار حاصل کرتے ہیں۔ حضرت اقدس دام ظلہ العالی نے اس فتوے میں جس تحقیق و تدقیق و احتیاط سے کام لیا ہے، وہ منت کش بیان نہیں۔ ہم صمیم قلب سے جناب باری عز اسمہ میں دست بدعا ہیں کہ وہ حضرت اقدس کو بایں فیوض و برکات تادیر مسترشدین کے رؤس پر سلامت رکھے، آمین۔

ہم یقین کرتے ہیں کہ حضرت اقدس کی یہ مساعئ جمیلہ تاقیامت امت مرحومہ میں مشکور رہیں گی۔ **فجزاهم الله أحسن الجزاء عنا وعن سائر المسلمين.**

عبداللطیف	بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ	محمد زکریا کاندھلوی عفی	محمد اسعد اللہ عفا عنہ
ناظم مدرسہ مظاہر علوم	مدرس اوّل مظاہر علوم	عنہ، مدرس مدرسہ	مدرس مدرسہ مظاہر
۸؍محرم ۱۳۵۲ھ	۸؍محرم ۱۳۵۳ھ	مظاہر علوم سہارنپور	علوم سہارنپور

مہر
مدرسہ مظاہر
علوم سہارنپور

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○

چوں آیت بعموم عسر شامل است بر آلام حسیہ منکوحات از جور بعال، وبعموم یسر براحکام شرعیہ مستخلصہ ایشاں ازاں نکال، وایں رسالہ کہ تتمہ ایست مرحیلۂ ناجزہ را

یعنی

المختارات

فی

مهمات التفريق والخيارات

حرمت مصاہرت، خیار بلوغ، خیارِ کفاءت ...

بقلم

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بمدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

تمہید تتمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وصلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ جن مسائل میں فسخ نکاح یا تفریق قاضی کی ضرورت پیش آئی ہے اور قاضی نہ ہونے کی وجہ سے دقت کا سامنا ہوتا ہے ان کے حل کے لئے رسالہ ''الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ'' نہایت تحقیق وتدقیق کے ساتھ بہت سے علماء محققین کے مشورہ کے بعد لکھا گیا ہے اور اس میں بالاتفاق یہ قرار پاچکا کہ ہندوستان میں جس جگہ قاضی شرعی موجود نہ ہو اور کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے بھی فیصلہ شرعی حاصل کرنا اختیار میں نہ ہو وہاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق جماعت مسلمین کو قائم مقام قاضی کے سمجھا جائے گا۔

اس رسالہ کی تکمیل کے بعد ضرورت محسوس کی گئی کہ مسائل خمسہ مندرجہ رسالہ کے علاوہ تین صورتیں اور بھی ہیں، جن میں فسخ نکاح کی ضرورت پڑتی ہے، اور قاضی نہ ہونے کی وجہ سے مشکلات پیش آتی ہیں ان کو بھی اس رسالہ میں شامل کردیا جاوے، تاکہ ضرورت کے سب مسائل یکجا جمع ہوجاویں؛ لیکن ان مسائل ثلاثہ کو سب علماء مذکورین کے سامنے پیش کرنے کی نوبت نہیں آئی، جس کی وجہ یہ ہے کہ سب حضرات کے سامنے پیش کرنے میں علاوہ اس کے کہ بہت تاخیر ہوجاتی، ان مسائل میں زیادہ ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی؛ کیوں کہ ان میں زیادہ تر مشورہ طلب جزو جماعت مسلمین کا فیصلہ تھا، جو مذہب مالکیہ سے لیا گیا ہے اور وہ اصل رسالہ میں بمشورہ

علمائے کرام طے ہو چکا ہے، اس لئے بغرض امتیاز ان مسائل ثلاثہ کو مستقل نام سے موسوم کر کے بطور تتمہ ملحق کیا جاتا ہے، اور جماعت مسلمین کے علاوہ اس تتمہ کے بائی اجزاء اپنے مذہب کی کتب فقہ سے لئے گئے ہیں، جن میں اکثر بلکہ تقریباً کل مسائل مصرح ہیں جیسا کہ عبارات مندرجہ سے معلوم ہوگا صرف دو چار جگہ تصریح نہ ملنے کے باعث قواعد سے استنباط کی نوبت آئی ہے، ان میں علمائے دیوبند و سہارنپور سے مراجعت کی گئی، جہاں بالاتفاق کچھ طے ہوگیا وہاں جزم کے ساتھ مسئلہ لکھ کر قاعدہ فقہیہ کی طرف اشارہ کر دیا ورنہ تردد یا اختلاف لکھ دیا، اور وہ تین مسائل یہ ہیں:

(۱) حرمت مصاہرت (۲) خیارِ بلوغ (۳) خیارِ کفاءت

اب ان کی بقدر ضرورت تفصیل لکھی جاتی ہے، پورے احکام بوقت ضرورت علمائے کرام کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیں، اور عوام علمائے کرام سے دریافت کرلیں۔

حرمتِ مصاہرت

اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے، یا شہوت کے ساتھ اس کو صرف ہاتھ لگائے، یا شہوت سے بوسہ لے، یا شرم گاہ کے اندرونی حصہ کو بشہوت دیکھ لے تو ان سب صورتوں میں حرمتِ مصاہرت قائم ہو جاتی ہے۔ یعنی اس مرد پر اس عورت کی بیٹی اور ماں وغیرہ سب اُصول و فروع نسبی و رضاعی حرام ہو جاتے ہیں، اور اس عورت پر اس مرد کا بیٹا اور باپ سب اصول و فروع نسبی و رضاعی حرام ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح عورت کسی مرد کو شہوت سے ہاتھ لگا دے، یا شہوت سے اس کا بوسہ لے لے، یا عضوِ مخصوص پر نظرِ شہوت ڈالے، تب بھی مصاہرت کا علاقہ قائم ہو کر مرد پر عورت کے تمام اصول و فروع نسبی و رضاعی اور عورت پر مرد کے تمام اصول و فروع نسبی و رضاعی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں۔ اور حرمت مصاہرت کے لئے ان افعال کا قصداً کرنا شرط نہیں ﴿ لمس و تقبیل (یعنی چھونے اور بوسہ لینے) کے وقت اگر مرد کو شہوت نہ تھی، مگر عورت کو ہوگئی تب بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح اگر عورت نے ہاتھ لگایا ہے یا تقبیل

کی ہے تب بھی دونوں میں سے ایک کو شہوت ہونا کافی ہے؛ البتہ نظر کے موجب حرمت ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جو دیکھے اس کو شہوت ہو صرف دوسری طرف سے شہوت ہونا موجب حرمت نہیں، و نیز لمس اور تقبیل میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ ایسا کپڑا حائل نہ ہو، جو بدن کی گرمی محسوس ہونے کو روک دے۔

پس اگر کسی نے باوجود ایسا کپڑا حائل ہونے کے کپڑے کے اوپر سے مس کیا یا بوسہ لیا ہے تو وہ حرمت مصاہرت کا موجب نہیں، نیز ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان افعال کی وجہ سے انزال نہ ہو گیا ہو پس اگر لمس و تقبیل و نظر ہی سے انزال ہو جائے تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔ ﴾ بلکہ اگر کسی سے بے خبری میں بھی کوئی فعل سرزد ہو جائے، مثلاً بیوی سمجھ کر خوش دامن کو شہوت کی حالت میں ہاتھ لگا دیا تب بھی بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ اس لئے خاوند کو بیوی کے اصول و فروع مؤنثہ سے اور عورت کو مرد کے اصول و فروع مذکرہ سے سخت احتیاط ﴿یعنی نہ ایسی حرکاتِ شنیعہ کا قصداً ارتکاب کرے نہ ایسا کوئی کام کرے جس میں کوئی احتمال ہو، مثلاً جس کمرہ میں بیوی لیٹی ہے۔

اگر وہاں دوسری مستورات بھی ہوں تو جب تک اس کو جگا کر اور بات چیت کر کے پورا یقین نہ ہو جائے کہ یہ بیوی ہے اس وقت تک ہاتھ ہرگز نہ لگاوے، پلنگ معین ہونے وغیرہ کو ہرگز کافی نہ سمجھے کہ اس میں بعض مرتبہ غلطی ہو جاتی ہے۔﴾ لازم ہے کہ ان کو بشہوت ہاتھ لگانے وغیرہ میں علاوہ معصیت شدیدہ کے یہ بڑی خرابی ہے کہ میاں بیوی میں حرمت مصاہرت کا علاقہ ہو جاتا ہے۔

یعنی اگر خاوند سے اپنی بیوی کے اصول یا فروع مؤنثہ میں سے کسی کے ساتھ کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے یا بیوی کے اصول و فروع مؤنثہ میں سے کسی نے مرد کے ساتھ ایسے افعال میں سے کسی فعل کا ارتکاب کیا ہو جو حرمت مصاہرت کا موجب ہے، مثلاً شہوت کے ساتھ خوش دامن کو کہہ دے گی ہاتھ لگا دیا، یا بیوی اپنے شوہر کے اصول و فروع مذکرہ و مثلاً خسر کے ساتھ کوئی فعل موجب حرمت مصاہرت کر بیٹھے، یا خسر وغیرہ

نے اس قسم کے فعل کا ارتکاب کیا ہو، تو ان سب صورتوں میں بیوی اس خاوند پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے، خواہ یہ افعال کسی نے دانستہ کئے ہوں، خواہ بھول چوک میں ہو گئے ہوں ہر حال میں ایک ہی حکم ہے، جیسا کہ ابھی گزر چکا۔

اگر کوئی واقعہ ایسا ہو جاوے تو عورت کو بھی لازم ہے کہ اپنے خاوند کے پاس ہرگز نہ رہے اور مرد کے ذمہ بھی واجب ہے کہ فوراً اس عورت کو الگ کر دے، اور زبان سے بھی علیحدگی کو ظاہر کر دے، مثلاً یوں بھی کہے کہ: میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، یا یوں کہہ دے کہ: میں نے تجھ کو طلاق دے دی، اور کہنے کے بعد عدت ﴿وأما ما ذكر في عدة رد المحتار، ومثله في البحر: من أن المتاركة كما تكون من الزوج، كذلك تكون من الزوجة، فهو مختص بما اذا كانت الحرمة أصلية لاطارية، كما اذا نكحت المرأة بمن ثبت حرمة المصاهرة والرضاع قبل النكاح، فيجب على كل من الزوجين فسخه، وكل واحد منهما مستقل في هذه المتاركة، ولا كذلك في الحرمة الطارية بعد النكاح، وان المتاركة فيه لا يتحقق الامن الزوج أو بتفريق القاضي وهو صورة الجمع بين القولين وبه يرتفع الخلاف بين كلام البحر والنهر المذكور في الشامية. والله اعلم۔﴾ گزرنے پر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے؛ لیکن اگر خاوند بے دینی اختیار کرے اور عورت کو الگ نہ کرے تو جس طرح ممکن ہو عورت کو اس کے پاس سے چلا جانا نہایت ضروری ہے؛ کیوں کہ اسکے ساتھ میاں بیوی کا تعلق رکھنا حرام ہو چکا، مگر جب تک خاوند زبان سے نہ کہہ دے کہ میں نے الگ کر دیا ہے، یا قاضی تفریق نہ کر دے اس وقت تک دوسری جگہ بھی اس عورت کا نکاح درست نہیں ہو سکتا، جیسا کہ درمختار میں ہے:

(و) حرم أيضا بالصهرية (أصل مزنيته) أراد بالزنا الوطى الحرام (و) أصل (ممسوسته بشهوة) ولو لشعر على الرأس بحائل لايمنع

لحرارة (و)أصل ماسته وناظرة الى ذكره (والنظر الى الأنثيين لا يوجب حرمة المصاهرة كمالايخفى، ولكن لم نرمن تعرض لهذا.)و (المنظور الى فرجها) المدور (الداخل ولو) نظره من زجاج أوماء هي فيه. وقال الشامي تحت قوله: (وحرم أيضا الخ) قال في البحر: أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع، حرمة المرأة على أصول الزاني، وفروعه نسباً، ورضاعًا، وحرمة أصولها، وفروعها على الزاني نسباً ورضاعاً، كما في الوطئ الحلال الخ. (فتاوىٰ شامي، كتاب النكاح / فصل في المحرمات ۴/۱۰۷، طبع زكريا ديوبند)

وفروعهن مطلقاً، وقال تحت قوله: (مطلقا) يرجع الى الأصول والفروع أى وان علون وان سفلن. (فتاوىٰ شامي، كتاب النكاح / في المحرمات ۴/۱۰۸ طبع زكرياديوبند)

وفي الدر أيضا بعد ورقتين وتكفى الشهوة من أحدهما، وقال الشامي: هذا يظهر في المس، أما في النظر فتعتبر الشهوة من الناظر. (فتاوىٰ شامي، كتاب النكاح / فصل في المحرمات ۴/۱۱۳، طبع زكريا ديوبند)

وفيه أيضا: وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح، حتى لايحل لها التزوج بآخر الا بعد المتاركة وانقضاء العدة. وفي رد المحتار تحت قوله: (الا بعد المتاركة) أى وان مضى عليها سنون، كما في البزازية، وعبارة الحاوى الا بعد تفريق القاضي أو بعد المتاركة، وقد علمت أن النكاح لايرتفع بل يفسد، وقد صرحوا في النكاح الفاسد، بأن المتاركة لاتتحقق الا بالقول، ان كانت مدخولاً بها، كَتَرَكْتُكِ او خَلَّيْتُ سَبِيْلَكِ، وأما غير المدخول بها، فقيل: تكون بالقول(وظاهر أن القصد لايعلم الا بقول الزوج فلا ثمرة لهذا الاختلاف في حق المرأة فيما اعلم،

وان ظهر الاختلاف ثمرة في صورة ما، فالأحوط أن يؤخذ قول من اشترط المتاركة بالقول خصوصا في الفساد الطاری.) وبالترک علی قصد عدم العود الیها، وقیل: لاتکون الا بالقول فیهما الخ. (الفتاویٰ شامی کتاب النکاح / فصل في المحرمات ۴/۱۱۴، طبع زکریا دیوبند)

پس عورت اگر دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو قاضی کے پاس نالش کر کے تفریق کا حق حاصل کرے، اور جس علاقہ میں قاضی نہ ہو وہاں اگر کوئی مسلمان حاکم حکومت وقت کی جانب سے ایسے معاملات میں تفریق کا اختیار رکھتا ہو تو اس کے پاس مقدمہ پیش کرے، ورنہ مسلک مالکیہ کے مطابق جماعت مسلمین ﴿اصل رسالہ کے دیباچہ میں حاشیہ پر یہ مضمون ہو چکا ہے کہ جب دو عمل جداگانہ ہوں تو تلفیق جائز ہے، مگر حضرت والا نے مزید احتیاط کے لئے اس رسالہ میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں لیا جس میں تلفیق خارق اجماع لازم آ جائے، اور تتمہ کے تین مسئلوں میں سے بھی دو مسئلوں میں اس کی رعایت موجود ہے، مگر صرف اس ایک مسئلہ یعنی حرمت مصاہرت میں جماعت مسلمین کا فیصلہ ایسا ہے جس میں بظاہر تلفیق خارق اجماع لازم آتی ہے، یعنی مذہب حنفیہ میں تو جماعت مسلمین کا فیصلہ معتبر نہیں اور مالکیہ کے مشہور ومختار مذہب کی بناء پر بعض خاص صورتوں میں لمس بالشہوۃ وغیرہ سے حرمت مصاہرت متعلق نہیں ہوتی، گو بعض صورتوں میں قول معتمد ومشہور کے موافق اور بعض میں قول غیر مشہور کے موافق ان کے نزدیک بھی حرمت متعلق ہوجاتی ہے۔ کما في مختصر الخلیل وشرحه للدردیر: وفي نشر حرمة الزنا خلاف المعتمد منه عدم نشره الحرمة۔ الی قوله۔ وان حاول زوج تلذذا بزوجة فالتلذذ بابنتها منه أو من غیره ظانا أنها زوجته بوطئه أو مقدمة فتردد في تحریم زوجته علیه، وهو المرتضی وعدمه. (ص ۲۹۶، ج:۱)

غرض بعض صورتوں میں جماعت مسلمین کے ذریعہ بوجہ حرمت مصاہرت تفریق

کرانے میں تلفیق کا شبہ ہوگا، لیکن ہم ان کو عمل واحد خیال نہیں کرتے بلکہ جماعت مسلمین کو قاضی کے حکم میں سمجھنا ایک مستقل مسئلہ ہے، اور حرمت مصاہرت کو تفریق کا سبب کہنا دوسرا مستقل مسئلہ ہے، جیسے وضو جداگانہ عمل ہے اور نماز جدا، اور توضیح اس کی اصل رسالہ کے دیباچہ میں حاشیہ پر دی گئی ہے، پس تلفیق کی یہ صورت ہمارے نزدیک جائز ہے، جس کی تائید علامہ محمد بن علی بیضاوی مفتی مالکیہ کے فتوے کی روایت (۳۷) سے بھی ہوتی ہے، تاہم عمل کے وقت احتیاط یہ ہے کہ عمل کرنے والا جواز تلفیق کے بارہ میں کسی اپنے معتقد فیہ عالم محقق سے رجوع کر کے ان کے فتویٰ پر عمل کرے۔ واللہ اعلم۔ ﴿سے رجوع کیا جاوے، اور جماعت مسلمین کا مفصل بیان رسالہ کے جزو دوم کے مقدمہ میں گزر چکا ہے، اس سب کو غور کے ساتھ دیکھ لینا نہایت ضروری ہے۔

طریق فیصلہ در حرمتِ مصاہرت

جب عورت دعویٰ کرے کہ میرے اور خاوند کے اصول وفروع میں سے فلاں مرد کے درمیان یا خاوند اور میرے اصول وفروع میں سے فلاں عورت کے درمیان ایسا ایسا﴿ایک بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ اگر واقعہ زنا کا پیش آیا ہو تو دعوے میں زنا کو صراحۃً ظاہر نہ کیا جاوے؛ کیوں کہ زنا کے دعوے پر چار گواہ پیش نہ ہو سکے تو حد قذف کا اندیشہ ہے؛ بلکہ صرف مباشرت فاحشہ وغیرہ کو بیان کرے۔

یعنی یہ کہے کہ شرمگاہ کو شرمگاہ سے بغیر حائل کے ملایا گیا ہے۔﴾واقعہ پیش آیا ہے، جو حرمتِ مصاہرت کا موجب ہے: لہٰذا مجھ کو میرے خاوند سے الگ کر دیا جاوے، تو قاضی یا اس کا قائم مقام اولاً شوہر سے بیان لے اگر اس نے عورت کے بیان کی تصدیق کر دی تب تو تفریق کا حکم کر دیا جاوے۔ اور اگر خاوند نے اس دعوے کی تصدیق نہ کی تو عورت سے گواہ طلب کئے جائیں گے، اگر گواہ پیش نہ ہوں یا ان میں شرائط شہادت موجود نہ ہوں تو خاوند سے حلف لیا جائے، اگر وہ حلف کر لے تو مقدمہ﴿اور اس صورت میں اس شوہر کے ساتھ رہنا اور اپنے نفس پر قدرت دینا جائز

ہے یا نہیں؟ اس کا حکم عنقریب مسئلہ دوم میں آتا ہے۔﴾ خارج کر دیا جائے، یعنی نہ تفریق کی جائے اور نہ یہ حکم کیا جائے کہ عورت بدستور شوہر کے ساتھ رہے۔

اور اگر قاضی نے عورت کو اس کی زوجیت میں رہنے کا حکم دے دیا تو اس کا حکم مسئلہ دوم میں عنقریب آتا ہے اور اگر وہ حلف سے انکار کر دے تو تفریق کر دی جائے۔

حلف وتصدیق اور شہادت کے متعلق ضروری توضیح

اگر دعویٰ خاوند کے فعل پر ہو، مثلاً یہ کہ اس نے زوجہ کے اصول وفروع میں سے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ پکڑا ہے، تب تو خاوند سے حلف اس بات پر لیا جاوے کہ اس نے یہ فعل ہرگز نہیں کیا یا بشہوت نہیں کیا۔ اور اگر دوسرے کے فعل پر دعویٰ تھا، مثلاً عورت یوں کہے کہ مجھے خسر نے بشہوت پکڑا ﴿ثبوت حرمت کے لئے پکڑنا اور ہاتھ لگانا وہی معتبر ہوگا جس کی تفصیل ماقبل کے حاشیہ میں گزر چکی ہے۔ مطلقاً پکڑنا یا ہاتھ لگانا معتبر نہیں۔﴾ ہے تو خاوند سے اس طرح حلف لیا جاوے گا کہ خدا کی قسم میرا زیادہ تر ﴿شامی وغیرہ کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ غلبۂ ظن اور اکبر رائے کی نفی پر حلف کر لینا کافی ہے ہمارے محاورہ میں یہ الفاظ اس کا ترجمہ ہے، اگر کسی جگہ کا عرف اس کے خلاف ہو تو اہل عرف سے تحقیق کر کے وہاں کے مناسب الفاظ تحریر کر لئے جائیں۔﴾ خیال یہ ہے کہ عورت اس دعوے میں سچی نہیں، اور اس واقعہ کا ہونا یا شہوت کے ساتھ ہونا میرے دل کو نہیں لگتا۔

اور گواہی میں یہ تفصیل ہے کہ دہن اور رخسار پر بوسہ دینے اور شرم گاہ یا عضو مخصوص چھونے اور پستان چھونے کے دعوے میں تو صرف ان افعال کی شہادت دینے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، شہوت کا انکار مسموع نہ ہوگا، اور تفریق کا حکم کر دینا لازم ہوگا، اور پیشانی یا سر وغیرہ پر بوسہ دینے اور باقی بدن چھونے میں اگر یہ شہادت ہو کہ یہ افعال شہوت کے ساتھ ہوئے تھے (اور اس کا علم قرائن سے شاہدین کو ہو سکتا ہے) تو اس گواہی سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، ورنہ صرف افعال

پر شہادت دینا کالعدم ہے اس کی بناء پر تفریق کا حکم نہ کیا جاوے گا بلکہ خاوند سے حلف لیا جائے کہ یہ افعال شہوت سے نہیں تھے، اگر حلف کر لے تو خیر ﴿یعنی اس صورت میں قاضی تفریق نہ کرے گا، یہ دوسری بات ہے کہ عورت کو تمکین جائز ہو، جب کہ دعویٰ فی نفسہ صحیح ہو جیسا کہ مسئلہ دوم میں آتا ہے۔﴾ ورنہ تفریق کا حکم کر دیں گے۔

وذٰلک کله لما فی الدر (وان ادعت الشهوة) فی تقبیله، أو تقبیلها ابنه (وأنکرها الرجل فهو مصدق) لاهی (الا أن یقوم الیها منتشرا) آلته (فیعانقها) لقرینة کذبه، أو یاخذ ثدیها (أو یرکب معها) أو یمسها علی الفرج، أو یقبلها علی الفم، قاله الحدادی. وفی الفتح یترأی الحاقه الخدین بالفم. وفی الخلاصة: قیل له ما فعلت بأم امرأتک؟ فقال: جامعتها، تثبت الحرمة ولا یصدق أنه کذب، ولوهازلاً. (وتقبل الشهادة علی الاقرار باللمس والتقبیل عن شهوة وکذا) تقبل (علی نفس اللمس والتقبیل) والنظر الی ذکره أو فرجها (عن شهوة فی المختار) تجنیس؛ لأن الشهوة مما یوقف علیها فی الجملة بانتشار وآثار. وفی رد المحتار قوله: (وان ادعت) أی ادعت الزوجة أنه قبّلَ أحد أصولها، أو فروعها بشهوة، أو أن أحد أصولها أو فروعها قبله بشهوة فهو مصدر مضاف الی فاعله أو مفعوله، وکذا قوله: تقبیلها ابنه اهـ. قوله: (فهو مصدق)؛ لأنه ینکر ثبوت الحرمة، والقول للمنکر. (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / فصل فی المحرمات ۱۱۴/۴، طبع زکریا دیوبند)

وأما توجیه الیمین علی الزوج، فظاهر للقاعدة المقررة من أن قول المنکر انما یعتبر مع الیمین، ونص علیه الفقهاء فی باب الرضاع، وحرمة المصاهرة نظیر حرمة الرضاع، وأما ألفاظ الیمین فماخوذة مما فی الشامیة عن الفتح. وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن

یصدقها، ویقع فی أکبر رأیه صدقها، وعلی هذا ینبغی أن یقال فی مسـ
ایاها: لاتحرم علی أبیه وابنه الا أن یصدقاه أو یغلب علی ظنهما
صدقه، ثم رأیت عن أبی یوسفؒ مایفید ذلک. (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / فصل فی المحرمات ۴/۱۰۸، طبع زکریادیوبند)

ایک ضروری فائدہ

یہ تو ظاہر ہے کہ حرمت مصاہرت جن واقعات سے ثابت ہوتی ہے ان میں احد الزوجین کے ساتھ ایک اور کی شرکت بھی ہے اور واقعہ کی صحت وعدم صحت، ونیز شہوت کے وجود وعدم کا اس کو بھی علم ہوتا ہے؛ لیکن باوجود سعی بسیار کہیں یہ جزئیہ نہیں ملا کہ مقدمہ میں اس سے بیان لیا جائے گا یا نہیں؟ اور اگر اس کا بیان ہو تو وہ کیا حیثیت رکھتا ہے؛ لیکن قواعد میں غور وخوض کے بعد رجحان اس طرف ہوا ہے کہ وہ مدعا علیہ نہیں اس واسطے اس کو مدعا علیہ بنا کر بیان پر مجبور نہ کیا جاوے؛ بلکہ اس کو ایک شاہد سمجھا جاوے۔ لأن الاخبار بحق الغیر علی الغیر لیس باقرار ؛ بل هو شهادة، والاقرار اخبار بحق علیه للغیر، کما هو مصرح فی کتب الفقه.

اور اس کی شہادت معتبر ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ شخص اپنے دوسرے افعال واقوال کے اعتبار سے عادل ہو، اور اس واقعہ میں بھی کسی ایسے فعل کا اقرار نہیں ہے جو مسقط عدالت ہو، (مثلاً وطی بالشبہ وغیرہ کا بیان دے) تب تو اس کی شہادت مقبول ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا فعل بیان کرے جس سے اس کا فسق ثابت ہوتا ہو، تو اس کی یہ شہادت معتبر ہوگی یا نہیں؟ اس میں وجوہ سے تردد ہے بوقت ضرورت کتب مذہب اور علماء سے تحقیق کرلی جائے۔ البتہ اگر یہ مرد ہو تو اس نے جو شہادت دی ہے وہ خود اس کے حق میں اقرار ہے، اگر آئندہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جو اس عورت کے اصول وفروع میں سے ہو، یا پہلے سے کوئی ایسی عورت اس کے نکاح میں ہو تو ماخوذ بالاقرار ہوگا۔ کمالا یخفی واللہ أعلم بالصواب.

مسئلہ اوّل: اگر خاوند کو غالب گمان ہو کہ ایسا واقعہ ضرور ہوا ہے جس سے حرمت مصاہرت متحقق ہوگئی، تو اس کو انکار کرنا حرام ہے، اگر اس نے جھوٹا حلف کرلیا اور اس پر قاضی نے فیصلہ کردیا تو اس کی تفصیل عنقریب مسئلہ دوم میں آتی ہے۔

مسئلہ دوم: اگر عورت کا دعویٰ صحیح تھا مگر شہادت معتبرہ پیش نہ ہوسکی اور خاوند نے حلف کرلیا اس واسطے قاضی نے مقدمہ خارج کردیا، یعنی نہ تفریق کی اور نہ زوجیت میں رہنے کا حکم کردیا، تو اس عورت کے لئے جائز نہیں کہ اپنے اختیار سے شوہر کو اپنے نفس پر قدرت دے؛ بلکہ خلع وغیرہ کے ذریعہ اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کرنے کی کوشش کرے، اور اگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہو تو جب تک اپنا بس چلے اس شوہر کو پاس نہ آنے دے۔ کما صرح به في الدر المختار وغيره فيمن سمعت من زوجها الطلاق الثلاث ولا بينة لها.

اور اگر قاضی نے عورت کا دعویٰ رد کرنے کے ساتھ یہ حکم بھی جاری کردیا کہ بدستور اس شوہر کی زوجیت میں رہے تو اس صورت میں عورت کو تمکین جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق نہ تو کوئی جزئیہ ملا اور نہ قواعد سے کچھ احقر کی فہم ناقص میں آیا، اور خود غور و تلاش کے بعد جب مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند سے مکالمت پر بھی مسئلہ حل نہ ہوا، تو حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم سے مراجعت کی، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ قواعد سے صاف واضح ہے کہ اس صورت میں بھی عورت کو تمکین جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ حکم نہ عقد کے متعلق ہے نہ فسخ کے جن میں امام صاحب کے نزدیک قضاء، قاضی باطناً بھی نافذ ہوجاتی ہے؛ بلکہ یہ حکم ایسا ہے جیسا کہ املاک مرسلہ کا حکم شہادت زور کی بنا پر اور اس حکم سے کسی کے نزدیک بھی باطناً ملک ثابت نہیں ہوتی، و نیز یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مجھ کو اس میں شرح صدر ہے کہ کچھ تردد نہیں اور مفتی صاحب موصوف نے بھی اس میں موافقت فرمائی، مگر احقر کو ہنوز شرح صدر نہیں ہوا۔ ولعل الله يحدث بعد ذالک أمرا. ہاں یہ ظاہر ہے

کہ جب تک کسی جزئیہ سے یا قواعد سے شرح صدر کے ساتھ جواز تمکین ثابت نہ ہو، اس وقت تک حضرت والا کے ارشاد پر عمل واجب ہے۔ واللہ اعلم

خیارِ بلوغ

باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کا لازم ہونا اور اس کے شرائط

نابالغ لڑکے اور لڑکی کا سب سے مقدم ولی باپ ہے۔ ﴿اگر کوئی با اولاد عورت یا مرد مجنون ہو جاوے تو اس کا سب سے مقدم ولی بیٹا ہے، اور بیٹے کا کیا ہوا نکاح سب احکام میں اسی نکاح کے برابر ہے جو باپ نے کیا ہو۔﴾ اگر باپ نابالغ کا نکاح کردے تو وہ نکاح لازم ہو جاتا ہے، یعنی بلوغ کے بعد بھی لڑکے لڑکی کو اس کے فسخ کرانے کا اختیار نہیں رہتا، خواہ کفو میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں۔ ﴿یہ حکم جب ہے جب کہ نکاح کرنے کے وقت باپ کو غیر کفو ہونے کا علم ہو، اور اگر اس نے زوج یا ولی زوج وغیرہ کے بیان کی بناء پر کفو سمجھ کر کیا تھا اور بعد میں ثابت ہوا کہ کفو نہیں تو اس کا حکم خیار کفاءت میں معلوم ہوگا۔﴾

اور مہر مثل مقرر ہو یا مہر میں غبن فاحش کیا ہو (غبن فاحش لڑکی کے بارے میں تو یہ ہے کہ اس کے مہر مثل سے اتنی کمی کردی ہو جتنی کمی عموماً گوارا نہیں ہو سکتی، اور لڑکے کے بارہ میں یہ ہے کہ اس کا نکاح جس لڑکی سے ہوا ہے اس لڑکی کے مہر مثل سے اتنا زیادہ مقرر کیا کہ اس زیادتی کو عموماً ناگوار سمجھا جاتا ہو) مگر غیر کفو کے ساتھ اور غبن فاحش پر نکاح کے صحیح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں ﴿اگر باپ دادا خود نکاح پڑھادیں تب بھی یہی حکم ہے، اور اگر مقدار مہر معین کر کے کسی معین شخص سے نکاح پڑھانے کے لئے کسی کو وکیل بنادیا ہے، تب بھی یہی حکم ہے؛ لیکن اگر کسی شخص کو مہر کی مقدار اور شوہر کی تعین کئے بدون ہی وکیل بنادیا کہ میری لڑکی کا کسی جگہ نکاح کردو تو اس وکیل کو غیر کفو سے اور غبن فاحش پر نکاح کرنے کا اختیار نہیں، اگر کردیا تو باطل ہے۔ کما یأتی عن الدر فی العبارات الآتیة من قوله (وان کان المزوج

غیرهما) ای غیر الأب وأبیه ولو الأم أو القاضی او وکیل الأب لکن فی النهر بحثاً (لو عین لوکیله القدر) ای الذی هو غبن فاحش، (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب الولی / قبیل مطلب مهم هل للعصبة تزویج الصغیر امرأة غیر کفوء، له ۱۷۳/۴، طبع زکریا دیوبند) وأما اذا صرح فی التوکیل ان زوجها بغیر کفوء لم .... او قال زوجها بغبن فاحش ففیه تردد.﴾

پہلی شرط: یہ ہے کہ وہ شخص نکاح کرنے کے وقت ہوش وحواس سالم رکھتا ہو، پس اگر نشہ کی حالت میں ایسا کیا تو نکاح بالکل ہی باطل ہے۔

دوسری شرط: یہ ہے کہ معروف بسوء الاختیار نہ ہو، یعنی اس کے قبل کوئی واقعہ ایسا نہ ہوا ہو جس کی بناء پر عموماً خیال ہو جائے کہ یہ شخص معاملات میں لالچ وغیرہ کی وجہ سے مصلحت اور انجام بینی کو مدنظر نہیں رکھتا، پس اگر کوئی شخص لالچ یا ناعاقبت اندیشی کے سبب بدتدبیری میں مشہور و معروف ہو، وہ اگر نابالغ بیٹے یا بیٹی کا نکاح غیر کفو سے کردے یا مہر میں غبن فاحش کرے تو وہ نکاح بھی بالکل باطل ہے۔ اور جو شخص فاسق متہتک (یعنی بے باک اور بے غیرت) ہو وہ بھی سئی الاختیار کے حکم میں ہے۔ کما فی أوائل باب الولی من الدر المختار مع الشامی، وحاصله: أن الفسق وان کان لا یسلب الأهلیة عندنا؛ لکن اذا کان الأب متهتکاً، لاینفذ تزویجه الا بشرط المصلحة، ومثله ما سیأتی من قول المصنف، ولزم ولو بغبن فاحش أو بغیر کفوء، ان کان الولی أبا أو جداً، لم یعرف منهما سوء الاختیار، وان عرف لا. (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب الولی ۱۵۳/۴، طبع زکریا دیوبند)

اس کو خوب یاد رکھیں اکثر لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ اور ان دونوں شرطوں کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے نکاح کیا ہے اس وقت اس کی ظاہری حالت سے کم از کم خیر خواہی کی توقع ہو سکتی ہو۔

باپ دادا کے سوا دوسرے اولیاء کا حکم

اور جب باپ نہ ہو تو دادا اولیٰ ہوتا ہے، اور دادا جو نکاح کردے اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو باپ کے متعلق گزر چکی ہے، یعنی مذکورہ دو شرطیں اگر پائی جاویں تب تو نکاح لازم ہو جاتا ہے، ورنہ بالکل باطل ہے۔ اور دادا کے بعد بھائی چچا وغیرہ کو بترتیب ﴿شریعت نے خاص ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے ولایت کا حق بہت لوگوں کو دیا ہے، جس کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔﴾ حق ولایت پہنچتا ہے، مگر وہ باپ دادا کے برابر نہیں؛ بلکہ ان کا جدا حکم ہے، یعنی اگر باپ دادا کے سوا کوئی دوسرا ولی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا غیر کفو میں نکاح کردے یا مہر غبن فاحش کے ساتھ مقرر کردے تب تو نکاح بالکل ہی نہیں ہوتا، خواہ اس نے نہایت ہی خیر خواہی سے ایسا کیا ہو۔

اور اگر کفو کے ساتھ مہر مثل پر کیا ہو تو اس وقت نکاح صحیح ہو جاتا ہے؛ لیکن لازم نہیں ہوتا یعنی لڑکے لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار رہتا ہے کہ اس نکاح کو باقی رکھیں یا فسخ کرالیں جس کی شرط ابھی آتی ہے اور اس اختیار کو خیارِ بلوغ کہا جاتا ہے۔

اور خیارِ بلوغ میں نکاح فسخ ہونے کے لئے قضائے قاضی ہر حال میں شرط ہے۔ ﴿یعنی چاہے لڑکا بالغ ہو کر فسخ کا خواہاں ہو یا لڑکی﴾ بدون قضائے قاضی کسی حال میں نکاح فسخ نہیں ہوسکتا۔ اور جہاں قاضی نہ ہو وہاں مسلمان حاکم یا پنچایت علی الترتیب فسخ کرسکتی ہے۔ **کما مر مرارا مع الشرائط فی اصل الرسالة.**

خیارِ بلوغ باقی رہنے کی شرط اور اس کی تفصیل

بالغ ہونے پر فسخ نکاح کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے اس میں اس امر کا خیال رکھنا بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ کب تک باقی رہتا ہے، اور کس کس وجہ سے نکاح لازم ہو کر فسخ کا اختیار باطل ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے تاکہ عمل کے وقت اس کا خاص طور پر دھیان رکھا جائے۔

تفصیل یہ ہے کہ جو لڑکی بالغ ہونے پر نکاح تڑوانا چاہتی ہے، اگر وہ ﴿باکرہ

ہونے کا یہ مطلب ہے کہ نہ اس کو خاوند سے ہمبستری کی نوبت آئی ہو نہ اس سے قبل اور خاوند سے۔﴾ باکرہ ہو تو اس کو اختیار فسخ حاصل ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جس وقت آثارِ بلوغ ﴿یہ جب ہے کہ پندرہ سال سے قبل آثار بلوغ ظاہر ہو جائیں، ورنہ جس وقت پورے پندرہ سال کی عمر ہو جائے اس وقت کا اعتبار ہوگا، مثلاً کوئی لڑکی رمضان ۴۰ھ کی ۷/ تاریخ کو عین طلوع آفتاب کے وقت پیدا ہوئی اور رمضان ۵۵ھ تک کوئی علامت بلوغ کی نہ پائی گئی تو ۷ رمضان ۵۵ھ کو ٹھیک طلوع آفتاب کے وقت اس کو شرعاً بالغ سمجھا جائے گا پس اگر اس باکرہ نے اسی وقت فوراً زبان سے نکاح فسخ کر دیا تو اس کا اعتبار ہوگا، ورنہ اگر ذرا بھی تاخیر کی تو خیارِ بلوغ باطل ہو گیا اور اسی طرح ثیبہ نے یا لڑکے نے وقت مذکور کے بعد قولاً یا فعلاً رضامندی ظاہر کر دی تو نکاح لازم ہو جائے گا، اور یہ بھی یاد رکھیں کہ عمر کا حساب قمری سال سے کیا جائے۔

انگریزی وغیرہ کا اعتبار نہیں۔ **واعتبار البلوغ بالسن فی هذا الباب لم نره صریحا، ولکن لفظ البلوغ فی عبارة الفقهاء مطلق، فیندرج فیه جمیع صور البلوغ والله اعلم.**﴾ ظاہر ہوں اسی وقت فوراً بلا کسی تاخیر کے زبان سے یہ کہہ دے کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں چاہے اس وقت کوئی اس کے پاس موجود ہو یا نہ ہو ہر حال میں فوراً زبان سے کہنا شرط ہے؛ البتہ اگر کھانسی یا چھینک وغیرہ کی وجہ سے فوراً بولنے کی قدرت نہ ہوئی، یا کسی نے جبراً منہ بند کر دیا ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے جو تاخیر ہو جاوے اس کے باعث خیار فسخ باطل نہیں ہوتا بشرطیکہ مجبوری رفع ہوتے ہی فوراً کہہ دیا ہو اور بدون کسی مجبوری کے اگر زبان سے کہنے میں ذرا بھی دیر کی تو یہ اختیار باطل ہو گیا، اور فسخ کرانا جائز نہ رہا، اگر غلط بیان کر کے فسخ کرالے گی تو سخت گنہگار ہوگی۔ **والکن ان احتالت للفسخ ینفذ القضاء ظاهراً او باطناً عند الامام رحمه الله تعالىٰ والله اعلم.**

نیز باکرہ کو اس کی بھی ضرورت ہے کہ زبان سے کہنے پر کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور

دو عورتوں کو گواہ بنالے، تا کہ قاضی وغیرہ کے پاس معاملہ پیش ہونے پر کام آ ویں، اور گواہ بنانے کا تفصیلی حکم روایات فقہیہ کے بعد بعنوان ''فائدہ موعودہ'' آ وے گا، اس کو ضرور دیکھ لیا جاوے۔ اور اگر وہ لڑکی ثیبہ ﴿ثیبہ وہ ہے جس سے ہم بستری ہو چکی ہو، خواہ اس خاوند سے یا اس سے پیشتر کسی اور خاوند سے۔ والموطوءة بالشبهة أو النكاح الفاسد والتي حدت بالزنا أو تكرر زناها وشاع بين الناس ثيبة أيضا كما في الدر المختار باب الولي تفسير البكر.﴾ ہے تو پھر اس کو فوراً کہنا ضروری نہیں؛ بلکہ جب تک رضامند نہ ہوگی اس وقت تک منظور رکھنے نہ رکھنے کا اختیار باقی رہتا ہے، چاہے کتنا ہی زمانہ گزر جاوے، صرف خاموش رہنے کی وجہ سے ثیبہ کا خیار بلوغ باطل نہیں ہوتا؛ البتہ اگر بعد بلوغ زبان سے کہہ دے گی کہ یہ نکاح منظور ہے، یا کوئی ایسا کام ﴿مثلاً خاوند نے اس کی رضامندی سے بوسہ وغیرہ لے لیا یا ہم بستری کر لی﴾ کرے گی جس سے رضامندی پائی جاوے تو اختیار باطل ہو جائے گا، اور پھر ثیبہ کو نامنظوری پر گواہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں؛ بلکہ اسکو صرف یہ دعویٰ کرنا کافی ہے کہ میں ثیبہ ہوں اور بالغ ہو چکی ہوں، اب اس نکاح کو فسخ کرانا چاہتی ہوں، اور لڑکے کا حکم بھی یہی ہے جو ثیبہ کا ہے، یعنی بالغ ہوتے ہی فوراً زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ جب تک قولاً یا فعلاً ﴿فعلاً منظور کرنے سے مراد وطی یا اس کے دواعی وغیرہ ہیں۔﴾ منظور نہ کرے اس وقت تک اختیار باقی رہتا ہے۔

پس اگر کسی لڑکے یا ثیبہ لڑکی نے بعد بلوغ ایک مرتبہ بھی زبان سے کہہ دیا کہ یہ نکاح منظور ہے، تو اب فسخ کا مطالبہ حرام ہے، خواہ اس منظوری کو بالکل تنہائی میں یا آہستہ کہنے کی وجہ سے کسی اور نے سنا بھی نہ ہو، اسی طرح اگر بلوغ کے بعد تقبیل وغیرہ کی نوبت آئی ہو، تب بھی خیار فسخ نہیں رہتا، نیز دعوے کی صورت بھی لڑکے کے واسطے وہی ہے جو ثیبہ کے لئے ابھی گزر چکی۔

اور یہ سب تفصیل جب ہے جب کہ بلوغ سے پیشتر ان کو نکاح کی اطلاع ہو چکی

ہو اور اگر کسی کو بلوغ سے پیشتر نکاح کی خبر ہی نہ ہوئی ہو تو جب خبر ملے تب خیار بلوغ حاصل ہوگا اور لڑکی لڑکے کے واسطے اختیار باقی رہنے نہ رہنے کی جو تفصیل ابھی گزری ہے اس سب کا لحاظ خبر ملنے کے وقت سے کیا جائے گا۔

وهذه المسائل كلها في الدر المختار مع حاشية للعلامة الشامي رحمه الله تعالٰى حيث قال صاحب الدر: (ولزم النكاح ولو بغبن فاحش) بنقص مهرها وزيادة مهره (أو) زوجها (بغير كفوء ان كان الولى) المزوج بنفسه بغبن (أبا اوجدًا) وكذا المولٰى وابن المجنونة (لم يعرف منهما سوء الاختيار) مجانة وفسقًا (وان عرف لا) يصح النكاح اتفاقا. وكذا لو كان سكران الخ. وفى ردالمحتار تحت قوله: (بغبن فاحش) هو مالايتغابن الناس فيه، أى لا يتحملون الغبن فيه، احترازاً عن الغبن اليسير، وهو ما يتغابنون فيه، أى يتحملونه، قال فى الجوهرة: والذى ﴿وفى حاشية البحر للعلامة الشامى أن الأقرب القول الثانى. (البحر الرائق ۲۳۷/۳) قلت: لعل الاختلاف لاختلاف الزمان أو المكان، فالأولى أن لايقدر ؛ بل ينظر الى العرف. والله اعلم.﴾يتغابن فيه الناس، مادون نصف المهر، كذا قاله شيخنا موفق الدين، وقيل: مادون العشر الخ. وتحت قوله (بغير كفوء) بان زوج ﴿هذا يدل على أن الكفاء ة معتبرة فى نكاح كل من الصغير والصغيرة كما حققه العلامة الشامى.﴾ابنه أمة أو بنته عبدا الخ. وتحت قوله (بنفسه) احترز به عما اذا وكل وكيلا بتزويجها، وسيأتى بيانه قريباً. وتحت قوله: (بغبن) كان عليه أن يقول: أو بغير كفوء. ولو قال المزوج بنفسه على الوجه المذكور، كما قال فى المنح لسلم من هذا. وتحت قوله: (وابن المجنونة) ومثلها المجنون، قال فى البحر:

المجنون والمجنونة اذا زوجهما الابن، ثم افاقا لاخيار لهما. وتحت قوله: (لم يعرف منهما الخ) أى من الأب والجد، وينبغى أن يكون الابن كذلك، وتحت قوله: (مجانة وفسقا)...... وفى شرح المجمع: حتى لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه لا يجوز ﴿أى ان كان العقد بغير الكفوء أو بغبن فاحش﴾ عقده اجماعا. (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب الولی ۴/ ۱۷۱، طبع زکریا دیوبند)

ثم قال: (وان كان المزوج غيرهما) أى غير الأب وأبيه ولو الأم او القاضى أو وكيل الأب؛ لكن فى النهر بحثاً، لوعين لوكيله القدر صح، (لايصح) النكاح (من غير كفوء أو بغبن فاحش أصلا) وما فى صدر الشريعة: صح ولهما فسخه وهم (وان كان من كفوء وبمهر المثل صح و) ولكن (لهما) أى لصغير وصغيرة وملحق بهما (خيار الفسخ) ولو بعد الدخول (بالبلوغ او العلم بالنكاح بعده) لقصور الشفقة، ويغنى عنه خيار العتق، ولو بلغت وهو صغير فرق بحضرة أبيه أو وصيه بشرط القضاء للفسخ اهـ. وقال الشامى تحت قوله: (غير الأب وأبيه) الأولى أن يزيد: والابن والمولىٰ، لمامر. وتحت قوله (لوعين لوكيله القدر) أى الذى هو غبن فاحش، نهر. وكذا لوعين رجلا غير كفوء، كما بحثه العلامة المقدسى، وتحت قوله: (أصلا) أى لا لازماً ولا موقوفاً على الرضا بعد البلوغ، وتحت قوله: (وملحق بهما) كالمجنون ﴿(٢) ينبغى أن التفصيل الآتى فى البكر والثيب بعد البلوغ يجرى فى المجنونة بعد الافاقة، والله أعلم.﴾ والمجنونة، اذا كان المزوج لهما غير الأب والجد والابن، بأن كان اخا أو عمًّا مثلا. وتحت قوله: (بالبلوغ) أى اذا علما قبله أو

عنده، قهستاني، وتحت قوله: (أو العلم الخ) اى بعد البلوغ بأن بلغا ولم يعلما به، ثم علما بعده. وتحت قوله: (للفسخ) أى هذا الشرط انما هو للفسخ لالثبوت الاختيار، وحاصله: أنه اذا كان المزوج للصغير والصغيرة غير الأب والجد، فلهما الخيار بالبلوغ أو العلم به، فان اختار الفسخ، لايثبت الفسخ الابشرط القضاء.(فتاویٰ شامی، كتاب النكاح / باب الولى ۱۷۳/۴، طبع زكريا ديوبند)

ثم قال (وبطل خيار البكربالسكوت) لومختارة (عالمة بأصل النكاح)...... ولا يمتد الى آخر المجلس ...... وان جهلت به...... بخلاف خيار المعتقة؛ فانه يمتد لشغلها بالمولٰى (وخيار الصغير والثيب اذا بلغا لايبطل) بالسكوت (بلا صريح) رضا (أو دلالة) عليه كقبلة ولمس، ودفع مهر (لا) يبطل (بقيامهما عن المجلس) لأن وقته العمر؛ فيبقى حتى يوجد الرضا. وقال الشامي: قوله (لومختارة) أما لو بلغها الخبر، فأخذها العطاسُ أو السعال، فلما ذهب عنها قالت: لا أرضى، جاز الرد اذا قالته متصلاً الخ. قوله:(آخر المجلس)اى مجلس بلوغها اوعلمها بالنكاح كمافى الفتح قوله (وان جهلت به) اى بأن لها خيار البلوغ أو بأنه لايمتد. قوله: (والثيب) شمل مالوكانت ثيبا فى الأصل أو كانت بكرا ثم دخل بها، ثم بلغت، كما فى البحر وغيره. قوله: (دفع مهر) حمله فى الفتح على ما اذا كان قبل الدخول، أما لودخل بها قبل بلوغه، ينبغى أن لايكون دفع المهر بعد بلوغه رضا. لأنه لابدمنه أقام أو فسخ اهـ بحر. ومثله يقال فى قبولها فى المهر بعد الدخول بها أو الخلوة أفاده، ط (فتاویٰ شامی، كتاب النكاح باب الولى ۱۸۷/۴، طبع زكريا ديوبند)

باکرہ کیلئے خیارِ بلوغ میں گواہ بنانے کی ضرورت اوراس کی تفصیل

باکرہ لڑکی بالغ ہونے پر جب نکاح نامنظور کرے تو اس کو نامنظوری پر گواہوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے، جیسا کہ پیشتر گزر چکا ہے؛ لیکن وہ مختصر تھا اس واسطے حسب وعدہ تفصیل لکھی جاتی ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ اشہاد (یعنی گواہ بنانے کی دوصورتیں ہیں: اول یہ کہ جس وقت بالغ ہوتی ہے اس وقت اگر اس کے پاس گواہ موجود ہیں تب تو اسی وقت اس کو کہہ دینا چاہئے کہ میں اب بالغ ہوئی ہوں، اور اس نکاح کو فسخ کرانا چاہتی ہوں۔ دوسری صورت یہ کہ اس وقت گواہ پاس نہ ہوں اس صورت میں زبان سے فوراً نامنظوری کرکے گواہوں کو بلالیا جاوے، یا خود ان کے پاس چلی جاوے، اور گواہ جلدی مل جاویں یا دیر میں بہر صورت ان کے سامنے یہی کہنا چاہئے کہ میں اب بالغ ہوئی ہوں اور نکاح فسخ کرانا چاہتی ہوں۔ یہ ہرگز ظاہر نہ کرے کہ تھوڑی دیر ہوئی بالغ ہوچکی ہوں، حتیٰ کہ اگر گواہ صراحۃً بھی دریافت کریں کہ تو کب بالغ ہوئی ہے تب بھی مفصل واقعہ ذکر نہ کرے؛ بلکہ یہی جواب دے

﴿ويجود الكذب لاحياء الحق كما هو مصرح في هذا الباب من كتب الفقه، وفي أبواب أخر، ولكن يختلج في القلب أنهم لماجوز والتفريق بمحض قولها عند القاضي: اني فسخت كما بلغت، وهو صدق ينجيه من الابتلاء، بالكذب، فكيف جوزوالها الكذب فيه عند الشهود والقاضي، فليتأمل.﴾ کہ میں اب بالغ ہوئی ہوں، یا صرف اتنا کہہ دے کہ: میں نے بالغ ہوتے ہی نکاح کو توڑ دیا ہے؛ کیوں کہ اگر مفصل واقعہ گواہوں سے ظاہر کردے گی تو ان کو گول مول گواہی دینا جائز نہ ہوگا، اور تفصیلی شہادت دی تو یہ شہادت اس کے حق میں مفید نہ ہوگی۔ اور مجمل واقعہ سن کر گواہی دینا جائز ہے ان کو نہ اس کی ضرورت ہے کہ تفصیل دریافت کریں نہ اس کا حق ہے۔

قاضی کے یہاں درخواست دینے کی صورتیں

پھر قاضی کے یہاں درخواست دینے کی تین صورتیں ہیں۔ ﴿ایک امر قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ ان تین صورتوں میں سے پہلی صورت میں یعنی جب گواہ ہو چکے ہوں تو اس کو ایک ماہ تک درخواست کی مہلت ہے۔ اگر ایک ماہ گزر گیا تو خیار فسخ جاتا رہا۔ لأن هذا الخيار نظير خيار الشفعة، وفي الشفعة يبطل الخيار بالسكوت شهرا على ماحققه العلامة الشامي في رد المحتار. اور دوسری صورت میں حتی الوسع جلدی کرنا لازم ہے؛ لیکن اس تعجیل کی کوئی خاص تجدید کتب فقہ میں باوجود تلاش کے نہیں ملی؛ البتہ خلاصۃ الفتاویٰ کی ایک روایت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ چند روز تک مقدمہ پیش نہ ہوا تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ وہ روایت یہ ہے: قال هشام: سألت محمدا عن صغيرة زوجها عمها فحاضت فبعثت خادمها لبدعوا لشهود فلم يقدر، وهي في موضع ينقطع عن الناس، فمكثت أياما، قال الزمها النكاح. (خلاصة في جنس خيار البلوغ ۲/۲۵) اور تیسری صورت کا حکم بھی قواعد سے وہی معلوم ہوتا ہے جو دوسری صورت کا۔ لأن الامهال في الصورة الأولى كان لتقرر الحق، الاشهاد والتقرر بالاشهاد مفقود في الثالثة في الثانية. والله أعلم بالصواب.

تنبیہ: چوں کہ اس حاشیہ کا یہ مضمون قواعد سے لکھا گیا ہے، اس لئے عمل کے وقت احتیاطاً اپنے کسی معتقد فیہ عالم محقق سے بھی دریافت کر لینا ضروری ہے۔﴾

(۱) اگر قاعدہ کے موافق گواہ ہو چکے ہیں تب تو قاضی یا اس کے قائم مقام کی عدالت میں یوں درخواست پیش کرے کہ میں فلاں روز بالغ ہونے پر نکاح کو نامنظور کر چکی ہوں، اور نامنظوری کے فلاں فلاں گواہ ہیں اس واسطے میرا نکاح فسخ کر دیا جائے۔ اس درخواست پر شہادت کے بعد تفریق ہو جاوے گی۔

(۲) اگر کسی کو معتبر گواہ میسر نہ ہوں یا گواہوں سے اس قسم کی تفصیل ظاہر کر دی جس

سے ان کو مفید گواہی دینا جائز نہ رہا تو پھر یہ صورت ہے کہ حتی الوسع جلد درخواست پیش کرے اور درخواست میں یہ ظاہر نہ کیا جاوے کہ کب بالغ ہوئی ہے؛ بلکہ صرف اتنا کہے کہ میں نے بالغ ہوتے ہی نکاح فسخ کر دیا ہے؛ لہٰذا فسخ کا حکم دے دیا جائے۔ اگر قاضی دریافت بھی کرے کہ کب بالغ ہوئی ہے؟ تب بھی نہ بتلاوے اگر بتلا دیا تو پھر تفریق نہ ہو سکے گی، اور ایسی درخواست پر حلف لے کر نکاح فسخ کرا دیا جائے گا۔

(۳) ایک صورت درخواست کی یہ ہے کہ صاف کہہ دے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں اور یہ نکاح مجھے منظور نہیں، اس واسطے فسخ کرانا چاہتی ہوں، اس صورت میں نہ کسی گواہ کی حاجت ہے نہ حلف کی؛ بلکہ بدون شہادت اور حلف ہی قاضی اس درخواست کو قبول کر کے نکاح کو فسخ کر دے۔ قال العلامة الشامي بعد نقل عبارة البزازية وغيرها، "قلت: وتحصل من مجموع ذلك أنها لوقالت: بلغت الآن وفسخت، تصدق بلابينة ولايمين. ولو قالت: فسخت حين بلغت، تصدق بالبينة أو اليمين. ولو قالت: بلغت أمس وفسخت فلابد من البينة الخ". (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب الولی / مطلب فی فرق النکاح ۴/۱۸۹، طبع زکریا دیوبند)

تنبیہ: اگر حقیقتاً بالغ ہوتے ہی فوراً زبان سے کہہ دیا ہے کہ میں اس نکاح کو فسخ کرتی ہوں تب تو اس کو جائز ہے کہ گواہوں سے یا قاضی سے اصل واقعہ چھپا کر یہ کہہ دے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں۔

اور اگر بلوغ کے بعد اس کہنے میں ذرا بھی دیر کر دی تھی تو خیار فسخ باطل ہو گیا، اب اس کو ہرگز جائز نہیں کہ شہادت اور درخواست کے قبول ہونے کا حیلہ کرے، اگر حیلہ کرے گی تو سخت گنہگار ہوگی۔ ولکن ان احتالت مع سقوط الخيار، وحكم القاضي بالفسخ النسخ النكاح عند الامام؛ لأن القضاء عنده ينفذ ظاهراً وباطناً في العقود والفسوخ.

خیارِ کفاءت

غیر کفو میں نکاح ہونے کی کئی صورتیں ہیں، بعض میں نکاح بالکل باطل ہے، اور بعض میں صحیح اور لازم ہوجاتا ہے۔ یعنی فسخ کا اختیار بھی نہیں رہتا، اور بعض میں صحیح تو ہوتا ہے مگر لازم نہیں ہوتا؛ بلکہ فسخ کا اختیار رہتا ہے۔ یہاں اصل مقصود تو انہیں صورتوں کا بیان کرنا ہے جن میں خیارِ فسخ ہو؛ کیوں کہ قضائے قاضی کی ضرورت صرف انہی میں پڑتی ہے، مگر ہم تتمیم فائدے کے لئے سب صورتیں درج کرتے ہیں اور ہر ایک کا جداگانہ حکم لکھتے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

پہلی صورت

یہ ہے کہ بالغ عورت بغیر اذنِ ولی عصبہ ﴿اور اگر عصبہ نہ ہونے کی حالت میں کسی اور کو ولایت نکاح پہنچتی ہو تو بالغہ کو نکاح بغیر الکفوء میں اس کے اذن کی حاجت نہیں۔ کما هو مصرح فی عبارة الدر المذكورة في المقام.﴾ کے غیر کفو میں نکاح کرے، اس صورت میں فتویٰ اس پر ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوتا؛ بلکہ بالکل باطل ہے، حتیٰ کہ اگر نکاح کے بعد ولی عصبہ جائز بھی رکھے تب بھی صحیح نہیں ہوتا؛ کیوں کہ نکاح سے قبل اجازت کا ہونا شرط ہے، لہٰذا عورت کو لازم ہے کہ ایسا ہرگز نہ کرے، اگر کرے گی تو نکاح کالعدم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ معصیت میں مبتلا رہے گی۔ کما فی الدر المختار: (فنفذ نكاحُ حرةٍ مكلفةٍ بلا ولی وله اذا كان عصبةً) ولو غير محرم كابن عم فی الأصح، خانية. وخرج ذو الأرحام والام والقاضی (الاعتراض فی غير الكفوء مالم تلد منه ويفتى بعدم جوازه أصلا الخ. وفی ردالمحتار: هذه رواية الحسن عن أبی حنيفة، وأيده صاحب الدر بقوله: وهو المختار للفتوى، والعلامة الشامی وغيره بقوله، وقال شمس الأئمة: وهذا أقرب الى الاحتياط. (فتاویٰ شامی، كتاب النكاح / باب الولی ۴/۱۵۵، طبع زكريا ديوبند)

فائدہ: اسی سے اس صورت کا بھی حکم معلوم ہو گیا جس میں عورت کو شوہر کے غیر کفو ہونے کا علم نہ ہو اور کفو ہونے کی شرط کر کے یا بلا شرط نکاح کیا ہو اور بعد میں معلوم ہو جائے کہ وہ شخص کفو نہیں ہے تو عورت پر واجب ہے کہ معلوم ہوتے ہی اس سے الگ ہو جائے، کیوں کہ قول مفتی بہ کے موافق غیر کفو سے بدون اذن ولی نکاح درست نہیں ہوتا تو جس وقت اس کا غیر کفو ہونا ظاہر ہو گیا۔ اس وقت ثابت ہو گیا کہ نکاح اول ہی سے باطل تھا۔

وأما قول المختار: فلو نكحت رجلا ولم تعلم حاله، فاذا هو عبد، لاخيار لها؛ بل للأولياء. (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب الكفاءة ۲۰۸/۴، طبع زکریادیوبند) فهو مبنی علی ظاهر الرواية؛ والا فلا معنی لخيار الأولياء، وقد عملت أن ظاهر الرواية متروک برواية الحسن المختارة للفتوىٰ.

دوسری صورت

یہ ہے کہ باپ دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے نابالغ کا نکاح غیر کفو میں کر دیا ہو، یا باپ دادا نے کیا مگر وہ معروف بسوء الاختیار یا فاسق متہتک ہو۔ وقد مر تفسيرهما فی خيار البلوغ. یا نشہ کی حالت میں نکاح کیا ہو، اس صورت میں بھی نکاح بالکل باطل ہے۔ کمامر فی خيار البلوغ مفصلا.

تیسری صورت

یہ ہے کہ باپ دادا نے بدرستی ہوش وحواس نابالغ کا نکاح غیر کفو میں کیا ہے، اور وہ باپ دادا نہ فاسق متہتک ہو نہ معروف ﴿اس کی تفسیر خیارِ بلوغ میں گزر چکی ہے۔﴾ بسوء الاختیار، اس صورت میں نکاح لازم ہو جاتا ہے، اس نکاح کو فسخ کرانے کا بھی اختیار نہیں ہے۔ کما مر فی خيار البلوغ أيضا.

اور یہ حکم عام ہے، خواہ باپ دادا کو بوقت نکاح عدم کفاءت کا علم تھا یا نہ تھا، بہر دو صورت نکاح صحیح اور لازم ہو جاتا ہے؛ البتہ اگر دوسری صورت یعنی عدم علم کی صورت میں کفاءت کی شرط پر نکاح کیا ہو تو اس کا حکم جدا ہے جو صورت ششم میں آتا ہے۔

چوتھی صورت

یہ ہے کہ بالغہ عورت کا نکاح باجازت ولی عدم کفاءت کا علم ہوتے ہوئے غیر کفو میں ہوا، حکم اس کا یہ ہے کہ نکاح صحیح اور لازم ہوجاتا ہے، اور کسی کو فسخ کا اختیار نہیں رہتا۔ کما لا یخفی لرضائهم بسقوط حقهم، وسیاتی التصریح بعدم الخیار لأحد فی الصورة الخامسة فهذه الصورة أولی به. اور حکم سب اولیاء کے لئے عام ہے، خواہ اب وجد ہوں یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا ولی ہو؛ لیکن فرق اتنا ہے کہ اگر لڑکی باکرہ ہے اور اب وجد کی ولایت سے نکاح ہوا ہے، تو اجازت کے لئے محض اس کا سکوت کافی ہوگا اور لڑکی ثیبہ ہے یا اب وجد کے علاوہ کسی دوسرے ولی کی ولایت میں نکاح ہوا ہے، تو اجازتِ صریحہ کی ضرورت ہے محض سکوت کافی نہیں۔ لما فی خزانة المفتین (قلمی ورق ص:۱۲۲) زوج ابنته البکر البالغة من غیر کفوء فعلمت بذلک فسکتت فسکوتها لایکون﴿هکذا بالأصل (الموجود فی مدرسة مظاهر العلوم بسهارنفور) والصواب من غیر "لا" لیستقیم المعنی؛ فانه مقابل لقوله الأتی لم یکن، کتبه مولانا عبداللطیف مدظلهم العالی.﴾رضا، والجد کالأب عند عدمه، وغیر الأب والجد لیس بولی فی النکاح بغیر کفوء، فلم یکن سکوتها رضا.

وفی الخانیة: رجل زوج ابنته البکر البالغة من غیر کفوء فعلمت بذلک فسکتت، قال بعضهم: سکوتها لایکون رضا. وقال بعضهم فی قول ابی حنیفةؒ: یکون رضا؛ لأن علی قول أبی حنیفةؒ الأب ولی فی النکاح من غیر کفوء. (فتاویٰ قاضی خان علی حاشیة الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب النکاح / فی شرائط النکاح ۱/۳۳۸، طبع زکریادیوبند)

وظاهر أن هذا الاختلاف مبنی علی أن الأب والجد ولیان فی الانکاح بغیر کفوء عند الامام، خلافا لصاحبیه، کما فی رد المحتار

عن شرح المجمع أن تزويج الأب الصغير والصغيرة من غير كفوء، أو بغبن فاحش، جائز عنده لا عندهما. (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب الولي ۱۷۳/۴، طبع زکریادیوبند)......والفتوی علی قول الامام، وعليه المتون قاطبة، فصار سكوتها في مسئلتنا هذه رضا لتحقق الاستيذان من الولي على الامام المختار للفتوى. والله اعلم.

پانچویں صورت

یہ ہے کہ بالغہ عورت کا نکاح باجازت ولی کسی ایسے شخص سے ہوا جس کی کفاءت کا حال معلوم نہ تھا؛ لیکن بوقت نکاح کفاءت کی شرط کرلی تھی، یا صراحۃً تو شرط نہ کی تھی مگر خاوند کی طرف سے کفو ہونا ظاہر کیا گیا تھا، اور اس پر اعتماد کرکے نکاح کردیا ہو، پھر خلاف ظاہر ہوا اور ثابت ہوا کہ کفو نہیں ہے۔ حکم اس صورت کا یہ ہے کہ عورت کو بھی خیار فسخ حاصل ہوگا اور اس کے ولی کو بھی۔ لما في كفاءة الدرالمختار مانصه: ولو زوجوها برضاها، ولم يعلموا بعدم الكفاءة، ثم علموا لاخيار لأحد، الا اذا شرطوا الكفاءة أو أخبرهم بها وقت العقد، فزوجوها على ذلك، ثم ظهر أنه غير كفوء كان لهم الخيار. والوالجية. (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب الکفاءۃ ۲۰۸/۴، طبع زکریادیوبند)

لیکن اگر یہ عورت ہنوز باکرہ ہو تو اس کا خیار سکوت سے باطل ہوجاوے گا، یعنی اگر اطلاع حال کے بعد فوراً کہہ دیا کہ مجھے اس سے نکاح رکھنا منظور نہیں تب تو اختیار باقی رہے گا اور بذریعہ حاکم مسلم فسخ کراسکے گی، ورنہ اگر نامنظوری ظاہر کرنے میں ذرا بھی تاخیر کی تو خیار فسخ باقی نہ رہے گا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ لڑکی ہنوز باکرہ ہو اور اگر ثیبہ ہوچکی ہے تو اس کے سکوت سے خیار باطل نہیں ہوتا بلکہ جب تک صراحۃً یا دلالۃً ﴿مثلاً شوہر لمس وتقبیل وغیرہ کرلے یا مہر یا نفقہ ادا کردے اور زوجہ اس کو لمس وتقبیل وغیرہ پر قدرت دے، یا مہر وغیرہ قبول کرلے تو یہ دلالۃً رضا ہے،

اور مہر کا قبول کرنا دلیل رضا اس وقت ہے جب کہ بلوغ سے خلوتِ صحیحہ نہ ہو چکی ہو۔ کما هو مصرح فی الدر والرد وقد مرمنا لصه. (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب الولی ۱۸۷/۴، طبع زکریادیوبند)﴾ رضا نہ پائی جائے اس وقت تک اختیار باقی رہے گا۔ کما مرنصه من الدر المختار والشامية مفصلا فی خیار البلوغ، قبیل عنوان الفائدة الموعودة. (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب الولی ۱۸۷/۴، طبع زکریادیوبند)

اور یہی حکم ہے ولی کا کہ اس کا خیار فسخ بھی محض سکوت سے باطل نہیں ہوتا؛ بلکہ صراحۃً یا دلالۃً رضا کی ضرورت ہے، اور دلالۃً رضا کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ولی مہر وغیرہ پر قبضہ کر لے۔ کما فی باب الولی من الدر المختار مانصه: (وقبضه) أی ولی له حق الاعتراض (المهر ونحوه) مما یدل علی الرضا (رضا) دلالة، ان کان عدم الکفاء ة ثابتاً عند القاضی قبل مخاصمته، والا لم یکن رضا کما (لا) یکون (سکوته) رضا. (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب الولی ۱۵۸/۴، طبع زکریادیوبند)

چھٹی صورت

یہ ہے کہ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح اس کے والد یا دادا نے ﴿اسی طرح مجنون اور مجنونہ کا بیٹا ان احکام میں باپ کے برابر ہے، جیسا کہ پیشتر گزر چکا ہے۔﴾ ایسے شخص سے کیا جس کو اس کے بیان کی بناء پر کفو ﴿اور اگر کفاءت کی نہ تو شرط کی تھی نہ زوج نے اپنا کفو ہونا بیان کیا تھا؛ بلکہ باپ دادا نے محض اپنے گمان سے کفو سمجھ کر نکاح کر دیا تھا، پھر ظاہر ہوا کہ کفو نہیں ہے، تو اس صورت میں خیار کفاءت ہونے یا نہ ہونے میں باوجود تتبع اور مراجعت علماء کے کوئی امر منقح نہیں ہو سکا۔ بعض جزئیات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بظن کفاءت نکاح کر دینے اور پھر خلاف ظاہر ہونے کی صورت میں مطلقاً خیار فسخ حاصل ہوتا ہے، خواہ یہ ظن کفاءت شوہر کے بیان وغیرہ کی وجہ سے پیدا

ہوا ہو یا خود بخود لڑکی والوں نے یہ گمان کرلیا ہو۔ اور بعض دوسرے جزئیات میں یہ خیار اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ ظن کفاءت شوہر کے بیان کی بناء پر کیا گیا ہو؛ اس لئے اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ دونوں مسئلے جدا جدا ہیں اور ہر دونوں صورتوں میں خیار فسخ حاصل ہے، یا مطلق مقید پر محمول ہے، اور بغیر اخبارِ زوج کے محض ظنِ کفاءت خیار فسخ کے لئے کافی نہیں ہے۔ اور ہمیں قواعد سے رجحان اس کو معلوم ہوتا ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے اور ظن کفاءت بلا اخبار زوج کی صورت میں خیار فسخ نہ دیا جائے۔ یہ جزئیات فقہیہ رد المحتار باب میں من قوله: (وان عرف لايصح النكاح) استشكل ذلک الخ. (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب الولی ۴/۱۷۲، طبع زکریادیوبند)

اور باب الکفاءت میں قوله: (فلو نكحت الخ) تفريع الى آخره. (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح باب الولی ۴/۲۰۸، طبع زکریادیوبند)

اور باب العنین میں من قوله: (لوتزوجته على أنه حر الى قوله لها الخيار) أى لعدم الكفاءة الى آخره. اور بحر الرائق باب الکفاءۃ میں قول کنز لو زوج طفله غيره كفو. (البحر الرائق، کتاب النکاح / فصل فی الکفاءۃ ۳/۲۳۷ زکریادیوبند) کی شرح مع حاشیہ منحۃ الخالق اور خانیہ آخر باب الکفاءۃ میں رجل زوجه بنته الصغيرة الخ. (فتاویٰ قاضی خان علی حاشیۃ فتاویٰ عالمگیری، کتاب النکاح / فصل فی الکفاءۃ ۱/۳۵۳، طبع زکریادیوبند) اہل علم بوقت ضرورت مراجعت کر کے کسی جانب کو خود ترجیح دے کر عمل کریں ہماری ترجیح پر نہ رہیں۔ ﴾ سمجھا گیا تھا، یا کفو ہونے کی شرط کرلی گئی تھی، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ غیر کفو ہے تو اس صورت میں یہ تفصیل ہے کہ بالغ ہونے سے پیشتر تو صرف باپ دادا کو اختیار ہے۔ اگر اس نے فسخ کرادیا تو فسخ ہوجاوے گا اور اگر حقیقت ظاہر ہونے کے بعد بھی نکاح کو منظور رکھا تو لازم ہوجائے گا۔

اور اگر باپ دادا نے سکوت کیا تو صرف اس کے سکوت سے اختیار باطل نہ ہوگا؛ بلکہ باپ دادا کو بھی اختیار رہے گا، اور بالغ ہونے پر لڑکے لڑکی کو بھی اختیار حاصل ہوجائے گا؛ اس لئے بالغ ہونے کے بعد نکاح لازم ہونے کے واسطے دونوں کی رضامندی شرط ہے۔ باپ دادا کی بھی اور لڑکے یا لڑکی کی بھی، پس بلوغ کے بعد لڑکے یا لڑکی اور باپ دادا میں سے ایک بھی چاہے تو نکاح فسخ ہوسکتا ہے، اگرچہ دوسرا بقائے نکاح پر رضامند ہوجائے۔ لما قال في فتاوى قاضي خان:

رجل زوج ابنته الصغيرة من رجل، ذكر انه لايشرب المسكر، فوجده شريبا مدمنا، فبلغت الصغيرة، وقالت: لا أرضى، قال الفقيه أبو جعفرؒ: ان لم يكن أبو البنت يشرب المسكر، وكان غالب أهل بيته الصلاح، فالنكاح باطل؛ لأن والد الصغيرة لم يرض بعدم الكفاءة، وانما زوجها من على ظن أنه كفوء. (فتاویٰ قاضی خان علی حاشیۃ فتاویٰ عالمگیری، کتاب النکاح / فصل فی الکفاءۃ ۱/۳۵۳، طبع زکریا دیوبند)

اس جزئیہ میں اس کی تو تصریح ہے کہ صورت مذکورہ میں بعد بلوغ کے لڑکی کو اختیار ہے (اور لڑکا کفاءت کے باب میں لڑکی کا حکم رکھتا ہے۔ كمامر في خيار البلوغ. اور اس صورت میں باپ دادا کے منظور کرنے سے لازم ہوجانا اس وجہ سے ہے کہ اس کو غیر کفو میں نکاح کرنے کا حق ہے، جیسا کہ خیار بلوغ کے بیان میں مفصل گزر چکا، اور اس جزئیہ مذکورہ میں لأن والد الصغيرة الخ سے بھی مفہوماً معلوم ہوتا ہے، ونیز خزانۃ المفتین میں باپ کو اختیار ہونے کی تصریح ہے۔ فانه قال: الأب اذا زوج ابنته الصغيرة من رجل، وظن أنه يقدر على ايفاء المعجل والنفقة، ثم ظهر عجزه عن ذلك، كان للأب أن يفسخ؛ لأنه يخل بالكفاءة، ولم يسقط حقه؛ لأنه زوج على أنه قادر، انتهى. (خزانۃ المفتین قلمی ورق ۲/۱۲۱)

اور جب اس کو ظہور حال کے بعد خیار ملے گا تو بدون کسی مسقط کے ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں؛ لہٰذا بعد بلوغ بھی باپ کو خیار رہے گا۔ واللہ اعلم۔

فائدہ: فرقت کی تمام صورتیں ونیز یہ معلوم ہونے کے لئے کہ کس کس صورت میں قضائے قاضی کی ضرورت ہے، اور کس کس میں نہیں؟ درمختار سے ایک نظم نقل کی جاتی ہے۔

وهو هذا:

فرق النكاح أتتک جمعا نافعًا فسخُ طلاقٍ وهذا الدر يحكيها
تباين الدار مع نقصان مهر كذا فساد عقدٍ وفقد الكفوء ينعيها
تقبيل سبي واسلام المحارب أو ارضاع ضرتها قد عد ذافيها

﴿غيره العلامة الشامي هكذا: أن النكاح له في قولهم فرق. وهو أجود.....هذا على ظاهر الرواية لاعلى رواية الحسن المختارة للفتوى المذكورة في الصورة الأولى من عنوان خيار الكفائة.....قد غيره العلامة الشامي الى هذا......ارضاع اسلام حربي بمجلس نصرانية قبلة قد عد ذافيها فحذف منه السبي.﴾

خيار عتق بلوغ ردة وكذا ملك لبعض وتلک الفسخ يحصيها
اما الطلاق فجب عنة وكذا ايلاؤه ولعان ذاک يتلوها
قضاء قاضٍ أتى شرط الجميع خلا ملک وعتق واسلام اتى فيها
تقبيل سبي مع الايلاء يا املى تباين مع فساد العقد يدنها

﴿ قد غيره الشامي هكذا: أما الطلاق فجب عنة وأبا . والزوج ايلاء واللعن يتلوها. فزاد فيها أباء الزوج.....قد غيره الشامي هكذا: ايلانه ردة أيضا مصاهرة . الخ فحذف السبي منه أيضا فافهم.﴾

(فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب الولی / مطلب فی فرق النکاح ۱۷۹/۴، طبع زکریا دیوبند)

وههنا تمت التتمة، المشتملة على المسائل المهمة، المتعلقة بالحوادث الملمة بتوفيق من بيده عقد الأمور والأزمة، في أوائل شهر يبارک فيه من الملک الديان، ويفتح لمن صام فيه باب الريان،

المعروف بشهر رمضان، الذی أوله رحمة، واوسطه مغفرة، وآخره عتق من النيران، سنة اثنين وخمسين بعد ثلاث مائة والف من الهجرة النبوية، على صاحبها ألف ألف صلوة وتحية، على يد أحقر الأنام والأنيم، عبده الأثيم، الراجى فضله العميم، المدعوب "عبدالكريم" ستر الله ذنبه الجم والجيم، الصغير منه والعظيم، وتجاوز عن حديثه والقديم، أنه هو الغفور الرحيم، وليس هذا العبد الضعيف فى تحرير هذه الرسالة وتسويد هذه العجالة الا كمتحرك الظل على أثر عين، والقلم بين اصبعين وهى بدقها وجلها وقضها وقضيضها من افاضات مجمع البحرين، ومنبع النهرين، خضر الطريقة حبر الشريعة بقية السلف، حجة الخلف، حكيم الأمة عند كل غمة، شيخنا التقى الولى العلامة الشهير بـ "أشرف على" لا زال منغمسا فى بحار لطفه الخفى والجلى، فجاء بحمدالله بما يكشف الغين ويجلو العنين، متعنا الله تعالى بطول بقائه بالخير، دوام الملوين، و دور العصرين، والحمدلله الذى بعزته وجلاله تتم الصالحات والصلاة والسلام على سيد الموجودات.

(رسالہ "الحیلۃ الناجزۃ" کے تتمہ کے طور پر حضرت مولانا عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب "المختارات فی مہمات التفریق والخیارات" تحریر کیا تو مندرجہ ذیل حضرات نے اس کی تصدیق کی)

❁❁❁

تصدیق

نظرنا فی التتمة فوجدنا ها صحیحة.

اشرف علی الحنفی عفی عنه

للحاوی عشر من رمضان ۱۳۵۲ھ

العبد الضعیف:
محمد شفیع غفرلہ
خادم دارالافتاء دیوبند

العبد النحیف:
سراج احمد غفرلہ
مدرس خانقاہ امدادیہ

تصدیق

لقد تشرفت بمطالعة هذه التتمة فوجدتها درة يتيمة، وحسناء وسيمة فلله در من أخرجها واستخرجها وزينها وشّحها وبهجها، جزاه الله تعالى عنا وعن سائر المسلمين خيرَ الجزاء، وأحسنه ورزقنى واياه عشية مرضية وعاقبة حسنة.

وأنا العبد المذنب

ظفر أحمد عفا الله عنه

۲۹ رمضان ۱۳۵۲ھ

قولہ تعالیٰ:

﴿لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾

﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾

چوں از آیت مذکورہ ہویداست کہ اختلافِ مذہب زوجین دراحکام نکاح اثرے قوی می دارد ایں رسالہ کہ ضمیمہ ایست از حیلۂ ناجزہ للحلیلۃ العاجزہ

یعنی

حکم الازدواج

مع

اختلاف دین الأزواج

جامع بود مسائل ایں باب را

بقلم

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی

دار الافتاء دار العلوم دیوبند

افتتاحیہ

حضرت امام العارفین، سراج السالکین، خضر الطریق، مظہر التوفیق، فقیہ العصر، حکیم الامت مجدد الملت، سیدی وسندی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے اپنے رسالہ "**الحیلة الناجزه للحلیلة العاجزه**" کی تمہید میں حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے کہ چند مسائل متعلقہ ازدواج بصورت اختلاف مذہب کا اضافہ بطور ضمیمہ کیا جاوے گا، جس میں خصوصیت سے یہ بات بھی واضح کی جاوے گی کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اور بعد تجدید اسلام دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

حضرت اقدس نے قلت فرصت کی وجہ سے اس ناکارہ غلام کو ارشاد فرمایا: اس لئے تعمیل ارشاد کے لئے یہ رسالہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا، اور نام اس کا "**حکم الازدواج مع اختلاف دین الأزواج**" تجویز ہوا۔

حق تعالیٰ اس کو بھی اصل رسالہ کی طرح مفید اور مقبول فرمادے اور حضرت کے فیوض سے متمتع فرمائے، آمین۔

بندہ محمد شفیع دیوبندی غفرلہ

خادم دارالافتاء دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، ولاسیما علی سیدنا المجتبی و من یھدیہ اھتدی. وبعد الحمد و الصلوٰۃ:

عرض ہے کہ مذہب زوجین کے اختلاف کی دوصورتیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اختلاف نکاح سے پہلے ہی موجود ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ بعد نکاح پیدا ہو جائے۔

پہلی صورت میں مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے کسی حال میں جائز نہیں، خواہ کفر کی کوئی قسم ہو، اسی طرح مسلمان مرد کا نکاح بھی کسی کافر عورت سے جائز نہیں؛ البتہ گرعورت کتابیہ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ وغیرہ ہو تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہوسکتا ہے۔.....(۱) اول یہ کہ وہ عام اقوام یورپ کی طرح صرف نام کی عیسائی یا یہودی اور درحقیقت لامذہب دہریہ نہ ہو بلکہ اپنے مذہبی اصول کو کم از کم مانتی تو ہو اگرچہ عمل میں خلاف بھی کرتی ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ وہ اصل سے ہی یہودیہ نصرانیہ ہو، اسلام سے مرتد ہو کر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو، جب یہ دونوں شرطیں کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں، تو اس سے نکاح صحیح ومنعقد ہو جاتا ہے؛ لیکن بلاضرورتِ شدیدہ اس سے بھی نکاح کرنا مکروہ اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے۔ اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں سے نکاح سے منع فرمادیا تھا۔ أخرجہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیر قولہ تعالیٰ:﴿ولا تنکحوا المشرکٰت حتی یؤمن﴾ والامام محمد فی کتاب الآثار، وصرح بالکراھۃ، واختیار أنھا تحریمیۃ فی الحربیۃ العلامۃ الشامی فی محرمات. (ردالمحتار ۲/۳۱۳)

اور جب عہد فاروقی میں کہ زمانہ خیر تھا ایسے مفاسد موجود تھے تو آج کل جس قدر مفاسد ہوں کم ہیں۔ بالخصوص موجودہ اقوام یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات ازدواج تو بالکل ہی ان کے دین دنیا کو تباہ کر دینے والے ہیں، جن کا روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے۔

دوسری صورت یعنی نکاح کے بعد زوجین کا یا ان میں سے کسی ایک کا مذہب بدل جائے، اس کے چار احتمال ہیں:

(۱) پہلا احتمال یہ ہے کہ کافر تھے، پھر ایک ساتھ دونوں مسلمان ہو گئے۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں مسلمان تھے پھر معاذ اللہ دونوں ایک ساتھ مرتد ہو گئے۔

ان ﴿ گو ان دو احتمالوں میں اختلاف مذہب صادق نہیں آتا، مگر استیعاب احکام کے لئے ان کو بھی بیان کر دیا گیا﴾ دونوں احتمالوں میں نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ بلکہ بعینہٖ قائم رہتا ہے۔ كما صرح به في نكاح الكافر من التنوير وسائر المتون.

(۳) تیسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرا بدستور کفر پر باقی رہے، اس کے دو جزو ہیں:

پہلا جزو یہ ہے کہ مرد مسلمان ہو جائے اور عورت کفر پر رہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت کتابیہ ہے ﴿بشرطیکہ وہ اصل سے کتابیہ ہو، پس اگر اسلام سے پھر کر کتابیہ ہوئی تھی تو بغیر اسلام لائے اس عورت سے دوبارہ بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔﴾ تو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بحالہ قائم رہے گا، گو وہ اہل کتاب کا ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا اختیار کر لے، مثلاً یہودیہ سے نصرانیہ ہو جائے یا بالعکس۔ اسی طرح اگر ایسا ہوا کہ جس وقت مرد مسلمان ہوا ہے، اسی وقت مجوسیہ بیوی نے اہل کتاب کا مذہب قبول کر لیا، اس صورت میں بھی نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا؛ البتہ اگر اس کا عکس ہوا، یعنی اسلام زوج کے بعد کتابیہ بیوی نے مجوسیت وغیرہ اختیار کر لی تو نکاح ٹوٹ جاوے گا۔ كما صرح به في باب نكاح الكافر من الدرالمختار والشامي: ولو أسلم زوج الكتابية ولو مآلاً، كمامر، فهي له. (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب

نکاح الکافر / مطلب الصبی والمجنون لیسا باھل ۳۶۲/۴، طبع زکریادیوبند)

اوراگر عورت غیر کتابیہ مثلاً ہندو یا مجوسیہ وغیرہ ہے،تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ یہ واقعہ دارالاسلام ﴿یعنی میاں بیوی دونوں دارالاسلام میں ہوں، اور اگر ایک دارالاسلام میں ہو اور دوسرا دارالحرب میں تو تفریق قاضی نہیں ہوسکتی؛ بلکہ تین حیض گزرنے پر بینونت ہوجاوے گی،یعنی خودبخود نکاح جاتا رہے گا۔

کما صرح به النظامی تحت قول الدر: ولو اسلم أحدهما.(فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب نکاح الکافر مطلب الصبی والمجنون لیسا باھل ۳۶۲/۴، طبع زکریادیوبند)﴾ میں ہوا ہے،تو قاضی اس عورت پراسلام پیش کرے وہ بھی اسلام قبول کرلے تو نکاح بحالہ قائم رہے گا،اوراگر وہ اسلام لانے سے انکار کرے یاسکوت کرے،تو نکاح فوراً فسخ کردیا جائے۔

اوراگر یہ واقعہ دارالحرب میں ہوا ہے تو وہاں عورت پر تین حیض گزرجانا ہی اسلام سے انکار کردینے کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔یعنی اگر عورت مسلمان نہ ہو اور تین حیض اسی حالت پر گزرجائیں تو نکاح خودبخود فسخ ہوجائے گا۔

دوسرا جزو یہ ہے کہ عورت مسلمان ہوجائے اور خاوند کفر پر باقی ہے،تو خواہ یہ کافر کتابی ہو یا غیر کتابی، ہرحال میں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر واقعہ دارالاسلام کا ہے تو قاضی اس کے خاوند پر اسلام پیش کرے۔اگر وہ مسلمان ہوجائے تو نکاح بحالہ قائم رہے گا اوراگر اسلام قبول نہ کرے یا سکوت کرے تو قاضی ان دونوں میں تفریق کردے۔

اوراگر یہ واقعہ دارالحرب کا ہے تو عورت کے تین حیض گزرجانا ہی انکاراسلام کے قائم مقام ہوجائے گا،اور بعد تین حیض گزرجانے کے عورت بائنہ ہوجائے گی۔

❀❀❀

عدت کا حکم

بصورتِ اسلام احدالزوجین

اگر زوجہ اور شوہر دونوں دارالاسلام میں ہوں اور عرض اسلام کے بعد تفریق کی گئی ہے تب تو بالاتفاق عدت واجب ہے۔ اور اگر ان میں سے ایک یا دونوں دارالحرب میں ہیں، اور اس لئے عرض اسلام نہ ہوسکا؛ بلکہ تین حیض گزر جانے کی وجہ سے بائنہ ہوتی ہے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر شوہر مسلمان ہوا ہے تو بالاتفاق عدت واجب نہیں۔ ﴿یعنی اس کو اعلام کے بعد اس زوجہ کی ہمشیرہ وغیرہ سے فوراً نکاح کر لینا جائز ہے، اگر عدت واجب ہوتی تو انقضائے عدت سے قبل ہمشیرہ وغیرہ کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوتا، اور عدت واجب نہ ہونے کا ایک ثمرہ یہ بھی ہے کہ اگر یہ عورت مسلمان ہو جاوے تو اس کو فوراً دوسرے شخص سے نکاح جائز ہے، بشرطیکہ حاملہ نہ ہو، ورنہ بعد وضع حمل۔﴾ اور اگر عورت مسلمان ہوئی ہے تو صاحبین کے نزدیک اس پر ان تین حیض کے علاوہ دوسرے تین حیض تک عدت گزارنا واجب ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک عدت واجب نہیں۔ ﴿البتہ اگر یہ عورت حاملہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی وضع حمل سے قبل اس سے نکاح جائز نہیں۔﴾ اور احتیاط اسی میں ہے کہ صاحبین کے قول پر عمل کیا جاوے، امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (فتاویٰ شامی باب نکاح الکافر ۲/۶۴۱)

چوتھا احتمال یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک معاذ اللہ مرتد ہو جائے اس کے دو جزو ہیں، ایک خاوند کا مرتد ہو جانا۔ دوسرے زوجہ کا مرتد ہونا، دونوں کے احکام جدا جدا درج ذیل ہیں اور اس چوتھے احتمال کے احکام پر اکابر علماء کے تصدیقی دستخط بھی ثبت ہیں۔

فائدہ: زوجین کے اختلاف مذہب کی پہلی صورت کے احکام میں اور دوسری صورت کے چار احتمالوں میں سے اول کے تین احتمالوں کے احکام میں تو کوئی خفا اور اختلاف نہ تھا؛ اس لئے ان کا مسودہ سب حضرات کے سامنے پیش نہیں کیا گیا؛ بلکہ صرف حضرت حکیم الامت، دام مجدہم اور چند حضرات کے ملاحظہ پر اکتفا کیا گیا۔ اور چوتھے احتمال کی بعض صورتوں کے حکم میں کچھ خفا و اختلاف تھا؛ اس لئے صرف اس احتمال کے احکام کو پیش کر کے سب حضرات کے دستخط حاصل کئے گئے ہیں۔

حکم ارتداد شوہر

اگر کسی عورت کا خاوند معاذ اللہ اسلام سے پھر جائے اور مرتد ہو جائے تو باجماع ائمۂ اربعہ و باتفاقِ جمہور فقہاء اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے، قضائے قاضی اور حکم حاکم کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور یہ ارتداد شوہر اگر خلوتِ صحیحہ سے قبل ہوا ہے، تو نصف مہر خاوند کے ذمہ ہے اور عورت پر عدت واجب نہیں۔ اور اگر خلوتِ صحیحہ کے بعد ارتداد ہوا ہے تو پورا مہر لازم ہے اور عورت پر عدت بھی واجب ہے۔

نیز اس مرتد پر عدت کا نفقہ بھی لازم ہے۔ **لما فی الدر المختار (وارتداد احدهما) أی الزوجین (فسخ) فلا ینقص عدداً (عاجل) بلا قضاء فللموطوءة ولو حکما کل مهرها لتاکده به ولغیرها نصفه لو مسمی أو المتعة لو ارتد، وعلیه نفقة العدة. وفی ردالمحتار قوله: (بلا قضاء) أی بلا توقف علی قضاء القاضی، وکذا بلا توقف علی مضی عدة فی المدخول بها کما فی البحر.** (فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب نکاح الکافر ۴/۳۶۶، طبع زکریا دیوبند)

کما فی العالمیگریة: اذا ارتد أحد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بغیر طلاق فی الحال قبل الدخول وبعده. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب النکاح / الباب العاشر فی نکاح الکفار ۱/۳۳۹، طبع زکریادیوبند)

ضروری تنبیہ

بعض لوگوں نے صرف ان عبارات کو دیکھ کر علی الاطلاق یہ سمجھ لیا کہ اگر عورت مرتد ہوجائے تب بھی نکاح فسخ ہوجائے گا۔ اور اسی بنا پر محض ناواقفیت سے تمام روایات فقہیہ کے خلاف یہ تفریع کر بیٹھے کہ اس نالائق کو تجدید اسلام کے بعد دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کی اجازت ہے، یہاں تک کہ بعض کم بخت عورتوں نے اس کو خاوند سے رہائی حاصل کرنے کا سہل علاج سمجھ لیا اور ارتداد کی بلاء عظیم میں مبتلا ہوکر اپنے عمر بھر کے اعمالِ صالحہ برباد کردیے، حالانکہ شرعی طور پر پھر بھی ان کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اس صورت میں دوسرے شخص سے نکاح کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ یہ لازم ہے کہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح کرکے پہلے ہی خاوند کے ساتھ رہے، جس کی تفصیل ارتداد زوجہ کے بیان میں عنقریب آرہی ہے۔

حکم ارتدادِ زوجہ

زوجہ کے ارتداد میں روایات مختلف ہیں اور کسی قدر تفصیل ہے، جو ذیل میں بحوالہ کتب درج ہے۔(۱) فی الهداية من باب نكاح الكافر: اذا ارتدا أحد الزوجين عن الاسلام وقعت الفرقة بغير طلاق، انتهى. قال المحقق ابن الهمام: هذا جواب ظاهر المذهب، وبعض مشائخ بلخ وسمرقند أفتوا في ردتها بعدم الفرقة حسما لاحتيالها على الخلاص بأكبر الكبائر، وعامة مشايخ بخارىٰ افتوا بالفرقة وجبرها على الاسلام، وعلى النكاح مع زوجها الأول؛ لأن الحسم بذلك يحصل، ولكل قاض أن يجدد النكاح بينهما بمهر يسير، ولو بدينار رضيت أم لا، وتعزر خمسة وسبعين سوطا، ولا تسترق المرتدة ما دامت في دارالاسلام في ظاهر الرواية، وفي رواية النوادر عن أبي حنيفة تسترق. (فتح القدير نكاح أهل الشرك ۲۹۷/۳)

(۲) وفی فتاویٰ قاضی خان: منکوحة ارتدت ـ والعیاذ باللہ تعالیٰ ـ حکی عن أبی النصر وأبی القاسم الصفّار أنهما قالا: لاتقع الفرقة بینهما حتی لا تصل الی مقصودها ان کان مقصودها الفرقة، وفی الروایات الظاهرة تقع الفرقة، وتحبس المرأة حتی تسلم، ویجدد النکاح سدًا لهذا الباب علیها.(فتاویٰ قاضی خانیة علی حاشیة الهندیة، کتاب الطلاق / فصل فی الفرقة بین الزوجین بملک احدهما صاحبه وبالکفر ۱/۵۴۶، طبع زکریا دیوبند)

(۳) وفی العالمگیریة: تحرم علی زوجها، فتجبر علی الاسلام، ولکل قاض أن یجدد النکاح بأدنی شیء ولو بدینار (سخطت أو رضیت ولیس لها أن تتزوج الابزوجها) قال الهندوانی: آخذ بهذا، قال أبو اللیث: وبه نأخذ، کذا فی التمرتاشی. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب النکاح / الباب العاشر فی نکاح الکفار ۱/۳۳۹، طبع زکریا دیوبند)

(۴) وفی الدر المختار: وتجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجرًا لها بمهر یسیر کدینار، وعلیه الفتویٰ، ولوالجیة، وأفتی مشائخ بلخ بعدم الفرقة بردتها...... قال فی النهر: والافتاء بهذا (یعنی بقول مشائخ بلخ) اولٰی من الافتاء بما فی النوادر ...... وحاصلها: أنها بالردة تسترق، وتکون فیئا للمسلمین عند أبی حنیفةؒ. قال فی ردالمحتار: "وعبارته: ولا یخفی أن الافتاء بما اختاره بعض أمة بلخ اولی من الافتاء بما فی النوادر، ولقد شاهدنا من المشاق فی تجدیدها، فضلاً عن جبره بالضرب ونحوه مالا یُعَدُّ ولا یُحَدُّ الی قوله ـ ومن القواعد: المشقة تجلب التیسیر، واللہ المیسر لکل عسیر. قلت : المشقة فی التجدید، لاتقتضی أن یکون قول أئمة بلخ أولی مما فی النوادر؛ بل أولی ممامر أن علیه الفتویٰ وهو قول البخاریین ـ الی قوله ـ تأمل.(فتاویٰ شامی، کتاب

النكاح / باب نكاح الكافر ۴/۳۶۷، طبع زكريا ديوبند)

(۵) وفى الدر المختار: ارتدت لتفارق زوجها تجبر على الاسلام، وتعزر خمسة وسبعين سوطا، ولا تتزوج بغيره. به يفتى، ملتقط. (قال الشامى) قوله: لا تتزوج بغيره؛ بل تقدم أنها تجبر على تجديد النكاح بمهر يسير، وهذه احدى روايات ثلاث، تقدمت فى الطلاق. الثانية: أنها لاتبين رد القصدها السيء. الثالثة: مافى النوادر من أنه يتملكها رقيقة ان كان مصرفا.(فتاوىٰ شامى، كتاب الحدود / باب التعزير / قبيل مطلب فيما اذا ارتحل الى غير مذهبه ۶/۱۳۲، طبع زكرياديوبند)

(۶) وفى قنية الفتاوى: تحرم اللعينة وتجبر على الاسلام (برموز النوازل والواقعات للناطفى) وفيها بعض مشائخ بلخ، وأبو القاسم الصفار، واسماعيل الزاهد، وأمة بخارى، أو بعض أئمة سمرقند، كانوا يفتون بعدم الفرقة بردتها حسما لباب المعصية. وفى الجامع الأصغر: كان شاذان وأبو نصر الدبوسى يفتيان بأنها لاتبين (شرح الصباغى) وفيها: المرتدة مادامت فى دارالاسلام، فانها لاتسترق، فى ظاهر الرواية. وفى النوادر عن أبى حنيفة: أنها تسترق، مجد الأئمة الترجمانى، ثم قال: ولو كان الزوج عالما استولى عليها بعد الردة فتكون فيئا للمسلمين عند أبى حنيفة، ثم يشتريها من الامام، أو يصرفها اليه ان كان مصرفا فلو أفتى مفتى بهذه الرواية حسما لهذا الأمر لابأس به. قلت: وفى زماننا بعد فتنة التتر العامة صارت هذه الولايات، اللتى غلبوا عليها وأجروا أحكامهم فيهم كخوارزم وماوراء النهر وخراسان ونحوها صارت دارالحرب فى الظاهر، فلو استولى عليها الزوج بعد الردة يملكها ﴿هكذا الأصل ولم يظهر

فائدته فليتأمل.﴾ ولا يحتاج الى شرائها من الامام، فتبقى فى يده بحكم الرق حسما لكيد الجهلة، ومكرالمكرة على ماأشار اليه فى السير الكبير.(قنية الفتاویٰ ص: ۸۰/ باب نكاح الكافر) قال الشامى: بعد نقل هذه العبارة من القنية، قوله: "يملكها" مبنى على ظاهر الرواية من أنها لا تسترق مادامت فى دارالاسلام، ولا حاجة الى الافتاء برواية النوادر لما ذكره، من صيرورة دارهم دار حرب فى زمانهم، فيملكها بمجرد الاستيلاء ﴿فيه أن الاحراز بدار الاسلام شرط الاستيلاء، كما صرح به الشامى فى باب الاستيمان حيث قال: ولا يملك قبل الاحراز بدارنا، فكيف يصح القول بالملک هٰهنا فليتامل ويمكن أن يجاب بأن الاحراز بالدار يكون شرط التمليک المستامن، لالمن يسكن فى دارالحرب.﴾عليها لأنها ليست فى دارالاسلام، فافهم.
(فتاویٰ شامی، كتاب النكاح / باب نكاح الكافر/ آخر مطلب الصبى والمجنون ليسا بأهل بايقاع طلاق بل للوقوع ۴/ ۳۶۱، طبع زكرياديوبند)

(۷) وفى شرح الفقه الأكبر ملا على القارى: "وفى المضمرات: لو أفتى لامرأة بالكفر لتبين من زوجها فقد كفر قبلها، وتجبر المرأة على الاسلام، وتضرب خمسة وسبعين سوطًا، وليس لها ان تتزوج الا بزوجها الأول، هٰكذا قال أبو بكر، وكان أبو جعفرؒ يفتى بها ويأخذ بهذا انتهى. وقال بعضهم ان ردتها لاتؤثر فى افساد النكاح، ولا يؤمر بتجديد النكاح حسما لهذا الباب عليهنّ. وعامة علماء بخاریٰ يقولون: كفرها يعمل فى افساد النكاح؛ لكنها تجبر على النكاح مع زوجها قطعا، وهذا فرقة بغير طلاق بالاجماع وعليها الفتوى، كذا فى منهاج المصلين. (شرح فقه اکبر مجتبائی ص: ۲۲۱)

(۸) وفي الدر المختار: وليس للمرتدة التزوج بغير زوجها به يفتى (قال الشامي تحته) وقد أفتى الدبوس والصفار، وبعض أهل سمرقند بعدم وقوع الفرقة، بالردة ردا عليها، وغيرهم مشوا على الظاهر، ولكن حكموا بجبرها على تجديد النكاح مع الزوج، ويضرب خمسة وسبعين سوطا، واختاره قاضي خان للفتوى. (فتاویٰ شامی، کتاب الجهاد / باب المرتد / مطلب: لوتاب المرتد هل تعود حسنة ۶/ ۴۰۰، طبع زکریادیوبند)

رفعُ الاشتباه

ولا يحتاج في صدرك أن قول البلخين بعد الاشتباه يصادم نص الكتاب من قوله تعالىٰ: ﴿ولا تمسكوا بعصم الكوافر﴾ ولا نقول: ان النص انما ورد في اسلام الزوج، وبقاء الزوجة على الكفر، فمسئلتنا هذه أعني ارتداد الزوجة غير داخل فيه نصا، بل للاجتهاد فيه مساغ. قال في التفسير الأحمدي: ثم منع الله المؤمنين عن نكاح المشركات، حيث قال: ﴿ولا تمسكو بعصم الكوافر﴾ يعني ولا تمسكوا بما يعتصم به الكافرات من عقد وسبب، أي لاتدخلوا الكافرات تحت نكاحكم، على ماقدمه الامام الزاهد، والاولى أن يحمل الامساك على حالته البقاء دون الابتداء، والمراد النهي عن ابقاء نكاح اللتي بقيت في دارالحرب، أو لحقت بدار الحرب مرتدة، على ماقاله صاحب الكشاف والمدارك، فالمعنى: وتحفظوها تحت تصرفكم.

وفي البحر المحيط (ص:۲۵۸، ج:۱) قال ابن عطية: هذه الآية كلها "أي قوله تعالىٰ: ﴿يآيها الذين آمنوا اذا جاء كم المؤمنات﴾" قد ارتفع حكمها، وفيه أيضا "قال ابن العربي: كان هذا حكم الله

آواز سے کہ اپنی آواز کان میں پڑتی رہے اور دوسروں کو پریشانی نہ ہو کبھی کبھی درمیان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملا لیا جائے۔

نمبر 3۔ سوتے وقت محاسبہ نفس یعنی تنہا بیٹھ کر دن بھر کے گناہوں کو یاد کر کے یہ سوچنا کہ گویا میدان قیامت قائم ہے اور میں حق تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں اور ایک ایک گناہ پر بازپرس ہورہی ہے اور میں لاجواب ہو جاتا ہوں اور میرے لئے سزا کا حکم ہو چکا ہے اور میں اس وقت معافی کی درخواست کر رہا ہوں بس ایسے وقت میں جس کیفیت سے معافی کی درخواست کی جاسکتی ہے اسی طرح اس وقت استغفار میں مشغول ہو جانا چاہئے اور عہد کرنا چاہئے کہ میں پھر نافرمانی نہ کروں گا اور اسی خیال میں سو رہنا چاہئے صبح اٹھتے ہی یاد کیا جائے کہ میں شب کو کیا عہد کر چکا ہوں اور جب کسی معصیت کا تقاضا ہو اس عہد کو یاد کر لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے حاضر ناظر ہونے کا خیال کر لیا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ روز بروز حالت درست ہوتی جائے گی اور پھر اطلاع دی جائے۔ (تربیت حصہ پنجم 131)

فضول کلام اور فضول خیال سے پرہیز

حال: فضول بات اور فضول خیال اور فضول کام سے طبیعت بھاگتی ہے اور اگر کوئی فضول بات زبان سے نکل جاتی ہے تو تیر سا کلیجہ میں لگ جاتا ہے۔

تحقیق: دونوں حالتیں عین سنت ہیں۔ (تربیت حصہ پنجم ص 187)

کلام میں خشونت کا علاج

حال: اخلاقی حالت یہ ہے کہ اکثر لوگ اخلاق کے شاکی ہی نظر آتے ہیں بات چیت کرتے ہوئے چونکہ طبیعت اکثر منقبض ہوتی ہے تو کھل کر بشاشت سے مخاطب کی بات کا جواب نہیں دیا جاتا کیا کروں کیا نہ کروں اپنی بداخلاقی پر بڑا افسوس ہوتا ہے۔

تحقیق: اس میں ہمت کی ضرورت ہے اگر کسی سے خشونت ہو جائے دوسرے وقت اس سے معافی مانگی جائے چندے ایسا کرنے سے اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ (تربیت حصہ پنجم ص 217)

وتركها سدى بحيث تذهب الى حيث شاء ت، وتتزوج بمن شاء ت كما في الكافرة الأصلية، ليس من العقوبة والنكال في شيء؛ بل هو عين مرضاها ومرماها، نعم، الحكم بعدم الفسخ على وجه المعاقبة جزاء بما اكتسبت من ارتدادها أغلظ وأقرب للانزجار، وهي أولى به انتهى، هذا محصل تحقيق علماء السهارنفور مدفيوضهم العالية.

قلت: فان خالج في قلبك أن العبرة لعموم اللفظ لالخصوص السبب، واللفظ عام، فيشمل مانحن فيه ويخالفه فتوى علماء بلخ، فازحه بأن المراد في هذا الأصل العموم الذى لايجاوز مراد المتكلم، المفهوم من القرائن لا العموم المطلق، والالزم القول بالنهي عن الصوم في السفر مطلقا؛ لحديث: ليس من البر الصيام في السفر. واللازم منتف، وههنا ليس مراد المتكلم العموم لما نحن فيه، ودليله نفس اجزاء الآية من قوله تعالى: ﴿واسالوا مآانفقتم وليسئلوا مآ انفقوا﴾ وقوله تعالى: ﴿وان فاتكم شيء من ازواجكم الى الكفار فعاقبتم فاتوا الذين ذهبت ازواجهم مثل ما انفقوا﴾ فان هذه الأحكام ليست عامة، لما نحن فيه، ويدل على عدم العموم الاجماع؛ لما مر عن ابن العربي.

روایات مذکورہ بالا سے یہ ثابت ہوگیا کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں مذہب حنفیہ میں تین قول ہیں:

ایک ظاہر الروایہ

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح تو فوراً فسخ ہوجائے گا؛ لیکن پھر اس کو حبس وقید کرکے تجدید اسلام پر بھی اور اس پر بھی مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے پہلے ہی خاوند سے تجدید نکاح کرلے، جیسا کہ عبارت قاضی خاں نمبر (۱) اور عالمگیری کی عبارت نمبر (۳) اور عبارت درمختار وشامی نمبر (۹) میں اس کی تصریح ہے

کہ ظاہر الروایہ جس میں فسخ نکاح کا حکم دیا گیا ہے، اس کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ عورت کو تجدید اسلام اور شوہر اول سے تجدید نکاح پر بزور حکومت مجبور کیا جائے گا، خواہ اس کے مرتد ہونے کی غرض خاوند اول سے علیحدہ ہونا ہی ہو، یا حقیقتاً اس کے عقائد بدل گئے ہوں، دونوں صورتوں میں اس کو تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا۔

کما صرح به الشامی حیث قال: ولا یلزم من هذا ان یکون الجبر علی تجدید النکاح مقصوراً علی ما اذا ارتدت لأجل الخلاص منه؛ بل قالوا ذٰلک سداً لهذا الباب من أصله، سواء تعمدت الحیلة أم لا، کیلا تجعل ذٰلک حیلة.(فتاویٰ شامی، کتاب النکاح / باب نکاح الکافر / تحت علی عبارة: وتجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجراً لها ۴/۳۶۷، طبع زکریا دیوبند)

(۲) دوسرا قول مشائخ بلخ وسمرقند اور بعض مشائخ بخارا اسماعیل زاہد اور ابوالنصر الدبوسی اور ابوالقاسم صفار کا فتویٰ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا بلکہ بدستور یہ عورت شوہر سابق کے نکاح میں رہتی ہے۔

جیسا کہ عبارت فتح القدیر نمبر (۱) وعبارت قاضی خاں نمبر (۲) وعبارت درمختار نمبر (۴) وعبارت شامی نمبر ۵-۶) وعبارت قنیہ نمبر (۷) اور شرح فقہ اکبر نمبر (۸) میں اس کی تصریح ہے۔

(۳) تیسرا قول وہ نوادر کی روایت ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہ یہ عورت دارالاسلام ﴿تفصیل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر عورت مرتد ہو کر دارالحرب میں چلی جاوے، یا دارالحرب میں ہی مرتد ہو تو اس کو کنیز بنانے پر ظاہر الروایۃ بھی متفق ہے۔ نوادر اور ظاہر الروایۃ کا اختلاف صرف اس میں ہے کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے بھی کنیز بن سکتی ہے یا نہیں، جیسا کہ فتح القدیر اور قنیہ کی عبارت مذکورہ سے واضح ہے۔﴾ میں بھی کنیز بنا کر رکھی جائے گی اور اس کے خاوند کا قبضہ اس پر بدستور سابق باقی رہے گا؛ لیکن اس روایت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ مرتدہ دارالاسلام میں ہو تو اس

کا خاوند اس کو امام المسلمین سے قیمت دے کر خریدے گا، یا اگر امام المسلمین اس کو مصرف سمجھیں گے تو اس کو مفت بھی دے دیں گے۔ بہر حال بغیر اجازت امام اس کو اپنے قبضہ میں لانا جائز نہ ہوگا، اور اگر دار الحرب میں ہے، تو اذنِ امام کی حاجت نہیں؛ بلکہ جب خاوند اس پر قبضہ پالے ﴿واذکر مامر منا فی الحاشیة علی عبارۃ القنیة من أن القواعد تقتضی اشتراط الاحراز بدار الاسلام فی الاستیلاء.﴾ تو اس کی ملک ہو جاوے گی اجازت امام وغیرہ کی کچھ حاجت نہیں، جیسا کہ عبارت قنیہ نمبر (۷) میں اس کی تصریح ہے۔ حاصل یہ ہے کہ عورت اگر مرتد ہو جاوے تو اس کے نکاح کے بارے میں حنفیہ کے تین قول ہوئے۔

(۱) ایک یہ کہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے؛ لیکن بعد تجدید اسلام اس کو تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا کسی دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار نہ دیا جائے گا۔ (ھو ظاھر الروایة)

(۲) دوسرا یہ کہ نکاح فسخ ہی نہ ہوگا؛ بلکہ وہ دونوں بدستور زن وشوی رہیں گے۔ ﴿لیکن اس روایت پر فتویٰ دینے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح سے قبل شوہر کو استمتاع یعنی صحبت وغیرہ کی اجازت نہ دی جاوے، جیسا کہ متن میں بھی بعض مسائل ضروریہ کے زیر عنوان عنقریب آتا ہے۔﴾

(۳) تیسرا یہ کہ عورت کو کنیز بنا کر رکھا جائے گا۔ (ان تینوں اقوال میں اگر چہ کچھ اختلاف ہے؛ لیکن اتنی بات پر تینوں متفق ہیں کہ عورت کو کسی طرح یہ حق نہ دیا جائے گا کہ وہ اپنے پہلے خاوند کے نکاح سے علیحدہ ہو کر دوسری جگہ نکاح کر لے؛ اس لئے یہ بات متفق علیہ ہوگی کہ عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا ہرگز اختیار نہ ہوگا۔)

اب ہندوستان میں بحالت موجودہ اس متفق علیہ حکم پر عمل کرنا پہلی روایت کو اختیار کرتے ہوئے غیر ممکن ہے؛ کیوں کہ فسخ نکاح کا حکم دے دینے کے بعد پھر تجدید نکاح پر مجبور کرنے والی کوئی قوت مسلمانوں کے پاس موجود نہیں۔ اور جہاں موجود ہوتی ہے وہاں بھی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، جیسا کہ شامی کی عبارت مندرجہ نمبر (۵) میں بیان

کیا گیا ہے؛ اس لئے پہلے قول یعنی ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا ہندوستان میں بحالت موجودہ غیر ممکن ہوگیا؛ کیونکہ اس کے ایک جزو پر عمل کرنا اگرچہ اختیار میں ہے لیکن دوسرا جزو یعنی تجدیدِ اسلام اور تجدیدِ نکاح پر مجبور کرنا قطعاً اختیار میں نہیں۔

اور نوادر کی روایت پر عمل کرنا تو ظاہر الروایۃ سے بھی زیادہ مشکل بلکہ بحالت موجودہ غیر ممکن ہے (اس لئے اب بجز اس کے کہ مشائخ بلخ وسمرقند کے قول کو اختیار کر کے اسی پر فتویٰ دیا جائے کوئی چارہ نہ رہا) اور صاحب نہر کو اگرچہ ان مشکلات کا سامنا تھا جو آج ہم پر گزر رہی ہیں، مگر وہ اپنے وقت میں اسی روایت پر فتویٰ دینے کو تجویز فرماتے ہیں، اور اس کے خلاف کرنے کو سخت مشکل میں ڈالنا قرار دیتے ہیں، جیسا کہ عبارت شامی مندرجہ نمبر (۵) میں ان کی عبارت نقل کی گئی ہے۔

اور علامہ شامی بھی اس فتویٰ کی مخالفت نہیں کرتے اور جو کچھ فرمایا ہے وہ روایت نوادر پر قدرت ہونے کے وقت فرمایا ہے، اور جب اس پر قدرت نہ ہو تو ان کے نزدیک بھی مشائخ بلخ وسمرقند کے قول پر فتویٰ دینا متعین ہے، اسی طرح دوسرے فقہاء بھی اس قول کو نقل کر کے تردید نہیں کرتے، پس ہندوستان میں بحالت موجودہ کہ حکومت مسلمانوں کی نہیں اس کو سوائے مذہب حنفی پر عمل کرنا غیر ممکن ہے کہ مشائخ بلخ وسمرقند کے قول کے موافق یوں فتویٰ دیا جائے کہ عورت کے ارتداد سے نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ بدستور باقی رہتا ہے۔

بعض مسائلِ ضروریہ

مسئلہ (۱): مشائخ بلخ ﴿اسی طرح روایت نوادر یعنی استرقاق کی صورت میں بھی گو قبضہ مالکانہ خاوند کا اس پر ہو جاوے گا؛ لیکن استمتاع جائز نہ ہوگا جیسا کہ امۃ مشترکہ سے باوجود قبضہ مالکانہ کے استمتاع جائز نہیں۔﴾ کے قول کے موافق جب کہ بقاء نکاح کا فتویٰ دیا جائے، تو ساتھ ہی اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ تجدید اسلام کے

قبل شوہر کے لئے اس مرتدہ سے استمتاع یعنی جماع اور اس کے دواعی مثل تقبیل،
لمس بالشہوۃ وغیرہ کو جائز نہ کہا جائے کیوں کہ آیت کریمہ ﴿لا تنکحوا
المشرکٰت حتی یؤمن﴾ سے کافر عورتوں کے ساتھ نکاح اور استمتاع کا حرام ہونا
ظاہر ہے، اور اس پر اجماع بھی ہے، اور کتابیہ کا استثناء جو آیت: ﴿والمحصنٰت
من الذین اوتوا الکتب﴾ میں وارد ہوا ہے، اس سے کتابیہ اصلیہ مراد ہے، وہ
مرتدہ اس میں داخل نہیں، جس نے اہل کتاب کا مذہب اختیار کرلیا ہو، اور قولِ مذکور پر
بقاءِ نکاح سے یہ لازم نہیں آتا کہ حالت کفر میں صحبت و جماع و دواعی بھی جائز رہیں۔
فقہ میں ایسے نظائر موجود ہیں کہ باوجود صحت نکاح وبقاء نکاح کے جماع ودواعی جماع
حرام ہوتے ہیں، جیسے موطوءہ بالشبہ کہ اس کا نکاح بدستور سابق قائم ہے، مگر انقضائے
عدت تک اس سے ہمبستری وغیرہ بالکل حرام ہے، اسی طرح حاملہ من الزنا اگر غیر زانی
سے نکاح کرے تو گو نکاح صحیح ہوجاتا ہے، مگر شوہر کو صحبت جائز نہیں ہوتی۔

مسئلہ (۲): حلت استمتاع کے لئے تجدید اسلام کا شرط ہونا تو آیت مذکورہ اور
اجماع وغیرہ سے مسئلہ اولیٰ میں ثابت ہو چکا ہے، پھر تجدید اسلام کے بعد ظاہر الروایۃ
کے موافق تجدید نکاح بھی ضروری ہے، بغیر اس کے استمتاع جائز نہیں، مگر مشائخ بلخ
کے قول پر تجدید نکاح شرط نہیں، جیسا کہ عبارت شرح فقہ اکبر نمبر (۸) میں اس کی
تصریح گزری ہے؛ لیکن اس خاص جزو میں ظاہر الروایۃ کو ترک کرنے کی کوئی ضرورت
داعی نہیں؛ لہٰذا تجدید نکاح کو بھی ضروری کہا جاوے گا کہ اسی میں احتیاط ہے۔

مسئلہ (۳): صورتِ مذکورہ میں تجدید نکاح کے لئے انقضائے عدت ضروری
نہیں۔ (کما ہو ظاہر) لیکن تھوڑا سا مہر جدید ضروری ہے جو دس درہم سے کم نہ ہو،
جیسا کہ فتح القدیر نمبر (۱) وغیرہ کی عباراتِ گزشتہ سے معلوم ہو چکا ہے، اور مہر
سابق کا بدستور واجب فی الذمہ رہنا ظاہر ہے؛ البتہ اگر قبل خلوت صحیحہ مرتد ہوگئی ہو
تو مہر سابق ساقط ہو جاتا ہے۔

خلاصۂ فتویٰ

اس مجموعہ سے خلاصہ اس فتویٰ کا یہ حاصل ہوا کہ عورت بدستور سابق اسی خاوند کے قبضہ میں رہے گی، کسی دوسرے شخص سے ہرگز نکاح جائز نہیں لیکن جب تک تجدید اسلام کر کے تجدید نکاح نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ جماع اور دواعی جماع کو جائز نہ کہا جاوے گا۔

والله سبحانه وتعالى أعلم، وهو المستعان وعليه التكلان
والحمدلله الذى بعزته وجلاله تتم الصالحات

کتبہ

العبد الضعيف: محمد شفيع الديوبندى عفا الله عنه وعافاه
ويجعله كما يحب ويرضاه
خادم دار الفتيا بدار العلوم الديوبندية
الاول الربيعين من ۱۳۵۲ھ اثنتين وخمسين بعد ثلاث مائة وألف.

تصدیقات

حضرات علمائے امداد العلوم تھانہ بھون ودار العلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور جو ارتداد احد الزوجین کے احکام کی ترتیب وتہذیب وتصحیح وتنقیح میں شریک رہے۔

تصدیق نمبر:۔۱ الأحكام كلها صحيحة.

اشرف علی

از ربیع الاول ۱۳۵۲ھ

الجواب صواب: سراج احمد امروہی

مدرس خانقاہ امدادیہ

تصدیق نمبر:۔۲

عورت کے مرتد ہونے سے فسخ نکاح نہ ہونے پر جو کچھ جناب مفتی صاحب مد فیوضہم نے تحریر فرمایا ہے وہ بالکل درست ہے، اس تحقیق انیق کی خاص جامعیت اور ضرورت کو دیکھ کر بے ساختہ دل سے نکلتا ہے۔ للّٰہ در المجیب أجاد وأصاب فیما أفاد وأجاب.

کمترین خلائق: احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ

مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۴ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ

تصدیق نمبر:۔۳

طالعت هذه الضميمة الفخيمة وتشرفت بتوسم هذه الدرة اليتيمة فلله در من أخرجها من الصدف الأنيق واستخرجها من البحر العميق وأنا موافق لجميع ما في الباب ومسرور بضم هذه الضميمة بأصل الكتاب والله أعلم بالصواب.

حرره بقلمه العبد المذنب: ظفر احمد عفا عنہ

۲۶ رمضان ۱۳۵۲ھ

تصدیق نمبر:۔۴
بالکل صحیح و درست ہے۔

فقیر سید اصغر حسین عفا اللہ عنہ
مورخہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ

الجواب صحیح
حسین احمد غفرلہ
بندہ سید محمد مبارک علی غفرلہ

الجواب صحیح
بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ

الجواب صحیح
محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
عبد السمیع عفی عنہ

الجواب صحیح:
مسعود احمد عفا اللہ عنہ

المجیب مصیب:
ریاض الدین عفی عنہ

احقر العباد:
محمد طیب غفرلہ

تصدیق نمبر:۔۵

الجواب صحیح
عبد اللطیف عفا اللہ عنہ
ناظم مدرسہ مظاہر العلوم
۱۲ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ

الجواب صحیح
محمد زکریا کاندھلوی
مدرس مدرسہ مظاہر علوم

الجواب صحیح
بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ
مدرس مدرسہ مظاہر علوم
سہارنپور

الجواب صحیح
بندہ محمد اسعد اللہ عفا اللہ عنہ

المرقومات للمظلومات

خلاصہ رسائل ثلاثہ

- ....الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة
- ....المختارات فی مهمات التفريق والخيارات
- ....حكم الازدواج مع اختلاف دين الأزواج

بقلم

حکیم الامت، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

رسائلِ ثلاثہ کا خلاصہ

تمہید

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ الحمدللّٰہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد: زمانۂ موجودہ میں عورتوں کی مشکلات اور سوالات کی کثرت پر نظر کر کے تین رسالے تیار کئے گئے ہیں:

(۱) ”الحیلۃ الناجزۃ“ جس میں ایسے مسائل متعلقہ از دواج کو نہایت مکمل اور مفصل طریقہ پر یکجا جمع کر دیا ہے، جن میں عورتوں کا ابتلائے عام ہے، اس رسالہ میں اس شبہ کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ اسلام نے مظلوم عورتوں کی رہائی کے لئے کوئی صورت تجویز نہیں کی، اور ایسی مظلوم عورتوں کے لئے رہائی کی تدبیر بھی بتلائی گئی ہے۔ اور اس رسالہ کے دو جزو ہیں: جزو اول ان عورتوں کے لئے جن کا ابھی نکاح نہیں ہوا، جزو دوم ان کے لئے جن کا نکاح ہو چکا ہے۔

(۲) دوسرا رسالہ جو تتمہ ہے اصل رسالہ کے جزوِ دوم کا مسمّٰی بہ ”المختارات“ اس میں حرمت مصاہرت اور خیارِ بلوغ اور خیارِ کفاءت کے احکام مفصل درج ہیں۔

(۳) تیسرا رسالہ جو ضمیمہ ہے اصل رسالہ کا ”حکم الازدواج“ اس میں زوجین کے اختلاف مذہب کی سب صورتوں کے مفصل اور مدلل احکام بیان کئے گئے ہیں لیکن یہ رسالے عام فہم نہ تھے۔

اس لئے ان کے مسائل کا خلاصہ جدا جدا بالترتیب لکھا جاتا ہے، اس خلاصہ میں مختصر طور پر بتلایا گیا ہے کہ نکاح سے قبل کیا صورت اختیار کرنا مناسب ہے، اور نکاح ہو چکا ہو تو کس کس موقع پر نکاح فسخ ہو سکتا ہے، اور کس طرح ہو سکتا ہے، طالب تفصیل کے لئے اگر وہ عالم ہے تو خود اور اگر عالم نہیں تو کسی عالم کی امداد سے اصل رسائل دیکھنا ضروری ہیں، جن میں ہر مسئلہ کی دلیل بھی موجود ہے۔

اُمید ہے کہ اس رسالہ سے مظلوم عورتوں کو بہت مدد ملے گی۔

تنبیہ: لیکن ان مسائل پر عمل کرنے کے وقت دو باتیں عمل کرنے والوں کے ذمہ ہیں۔ ایک یہ کہ محض اس رسالہ کو دیکھ کر اپنی قوت مطالعہ کے بھروسہ پر کوئی کارروائی نہ کریں؛ بلکہ کسی محقق عالم کے سامنے صورت واقعہ مع اس رسالہ کے پیش کر کے اس کی تجویز کے موافق اس طرح عمل کریں کہ ہر ہر جزئیہ میں اس کی رائے معلوم کر کے اس کا اتباع کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ ہمیں حکومت موجودہ کے قانون سے واقفیت نہیں؛ اس لئے کارروائی کے موافق قانون یا مخالف قانون ہونے کو قانون داں وکلاء سے دریافت کر کے اپنی واقفیت اور ہمت کے بھروسہ عمل کریں، ہم اس کے ذمہ دار نہیں۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان.

خلاصہ

الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة

(جس کے دو جزو ہیں)

جزوِ اوّل

بابت: تفویض طلاق بوقت نکاح

(از فقہ حنفی)

جزوِ دوم

بابت: فسخِ نکاح

جزو اوّل: بابت

تفویضِ طلاق بوقتِ نکاح

سوال: آج کل ہندوستان میں قاضی شرعی نہ ہونے کی وجہ سے جو مشکلات عورتوں کو پیش آرہی ہیں محتاج بیان نہیں، کبھی مرد ظلم کرتا ہے اور بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا، نہ نان ونفقہ دیتا ہے نہ طلاق، کبھی بیوی بچوں کو چھوڑ کر لا پتہ ہو جاتا ہے، کہیں مرد عورت کے قابل نہیں ہوتا، کہیں مجنون ہو جاتا ہے، اگر شرعی قاضی موجود ہوتے تو ان مشکلات کا حل سہل تھا؛ لیکن اب جو دشواریاں ہیں کسی سے مخفی نہیں؛ لہٰذا دریافت طلب یہ ہے:

(۱) بعض جگہ ان مشکلات کا جو یہ علاج تجویز کیا گیا ہے کہ بوقت نکاح کابین نامہ میں مرد سے کچھ شرطیں ایسی لکھوائی جائیں جن کی وجہ سے عورتوں کو بوقت ضرورت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا خود اختیار حاصل ہو جائے، یہ شرعاً صحیح اور معتبر ہے یا نہیں؟

(۲) اور کیا اس کابین نامہ کے قبل از نکاح اور بعد از نکاح لکھوانے یا عین عقد نکاح کے وقت شرطوں کو زبانی کہلانے میں کوئی فرق ہے؟

الجواب: (۱) اس قسم کا کابین نامہ لکھوانا جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہو اور بوقت ضرورت اس سے کام لینا جائز ہے ﴿چونکہ طلاق میں جلدی کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے، اس لئے عورت کو لازم ہے کہ اختیار مل جانے کے بعد بھی طلاق واقع کرنے میں جلدی نہ کرے، بلکہ سوچ سمجھ کر غصہ فرو ہونے کے بعد اپنے خیر خواہوں سے مشورہ اور سنت کے موافق استخارہ کرکے رائے قائم کرے۔﴾ اور اصطلاح فقہ میں اس اختیار دے دینے کو تفویض طلاق کہتے ہیں۔

(۲) اس تفویض طلاق کی کئی صورتیں جائز ہیں جن کی تفصیل مع شرائط کے اصل رسالہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں مذکور ہے، اس جگہ صرف وہ صورت ذکر کی جاتی ہے جو عوام کے لئے سب سے زیادہ آسان اور عورتوں کے لئے زیادہ مفید اور طرفین کے سب

مصالح کی جامع ہے، اور وہ یہ ہے کہ نکاح سے پہلے ایک اقرار نامہ مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ مرد سے لکھوالیا جائے۔ یہ یاد رہے کہ اس اقرار نامہ کا ایک ایک لفظ غور کر کے شرعی قواعد کے موافق طرفین کے مصالح کی پوری رعایت رکھ کر لکھا گیا ہے، اس میں سے کوئی لفظ بدلا نہ جائے ورنہ بعض صورتوں میں یہ اقرار نامہ بالکل بے کار د بے فائدہ ہو جائے گا، اور وہ اقرار نامہ بہ شکل کابین نامہ یہ ہے:

کابین نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اما بعد!

میں .... پسر .... قوم .... ساکن .... ضلع .... کا ہوں۔ میرا نکاح مسماۃ .... دختر .... قوم .... ساکن .... ضلع .... کے ساتھ شرائط ذیل پر بعوض مہر .... روپیہ سکہ رائج الوقت کے قرار پایا ہے۔ لہٰذا میں بدرستی ہوش وحواس بلا کسی جبر واکراہ کے مندرجہ ذیل اقرار نامہ لکھتا ہوں؛ تاکہ میں اس کا پابند رہوں اور درصورت عدم پابندی مسماۃ مذکور کے لئے رہائی کی صورت ہو سکے۔

پس میں اقرار کرتا ہوں کہ جب تک وہ میرے نکاح میں رہے میں شرائط ذیل کا پابند رہوں گا، اور بغرض اطمینان مسماۃ لکھتا ہوں کہ اگر میں مسماۃ مذکورہ سے نکاح کروں تو نکاح کرنے کے بعد جب کبھی اس کو اس نکاح میں رکھتے ہوئے شرائط ذیل میں سے کسی شرط کے خلاف کروں اور اس خلاف شرط ہونے کو مندرجہ ذیل اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم ﴿زیادہ احتیاط درکار ہو تو ''تسلیم کرلیں'' کے بعد یہ جملہ بھی لکھ دیا جاوے ''اور دونوں صاحب عورت کے لئے علیحدگی کو مناسب بھی قرار دے دیں''۔﴾ کرلیں تو اس کے بعد مسماۃ مذکور کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا خلاف شرط تسلیم ہونے سے ایک ماہ تک پھر کسی وقت چاہے اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس

نکاح سے الگ ہو جائے، اور جب کبھی کسی شرط کا خلاف وقوع پذیر ہو ہر بار ایک ایک ماہ کے لئے اختیار حاصل ہوتا رہے گا، مگر یہ اختیار ایک ہی نکاح تک محدود ہے، اگر کسی طرح فرقت وعلیحدگی کے بعد نکاح کا اعادہ ہو تو اس کے بعد یہ اختیار اور شرائط نہیں؛ بلکہ اس وقت جو کچھ دوبارہ طے ہو جاوے اس کے موافق عمل درآمد ہو گا۔

وہ اشخاص یہ ہیں: ﴿مناسب ہے کہ کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کر کے لکھ دیئے جائیں۔﴾

شرائط یہ ہیں: ﴿جو شرائط طے ہوں ان میں اہل فہم اور تجربہ کار لوگوں سے مشورہ کرنا مناسب ہے، نیز وکلاء سے بھی کہ یہ شرائط قانون میں معتبر ہیں یا نہیں، اور کابین نامہ کی رجسٹری ہو جاوے تو بہتر ہے اور مرد کے حق میں ایک مفید بات یہ ہے کہ مہر معاف کرنے کی شرط لگالے، اور کابین نامہ میں جو یہ جملہ "اپنے اوپر ایک طلاق واقع کرلے" اس سے پیشتر یہ لفظ لکھ دیئے جاویں "مہر معاف کر کے اپنے اوپر" الخ۔﴾

اس کابین نامہ کو میں نے منظور کیا اور لکھوا کر دیکھنے سننے کے بعد، آج بتاریخ......

ماہ:......... سنہ:......... میں دستخط/نشان انگشت کرتا ہوں۔

العبد:......... گواہ شد:......... گواہ شد:.........

اس کابین نامہ کا اثر

یہ کابین نامہ لکھنے کے بعد ایک مرتبہ خلاف شرط کرنے سے عورت کو صرف ایک ماہ کے لئے اختیار ملے گا، اور مہینے کے ختم پر اختیار ساقط ہو جائے گا؛ لیکن اس کے بعد اگر پھر کبھی کسی شرط کی خلاف ورزی ہوئی تو پھر مکرر اختیار ایک ماہ کے لئے مل جائے گا، اور ہر مرتبہ خلاف کرنے سے اسی طرح اختیار ملتا رہے گا، مگر ایک مرتبہ عورت طلاق واقع کرلے یا اور کسی طرح علیحدگی ہو جاوے تو اس کے بعد دوبارہ نکاح ہونے پر خلاف شرط کے وقوع سے اختیار حاصل نہ ہو گا۔

جزوِ دوم: بابت

فسخِ نکاح

مقدمہ

نکاح ہو جانے کے بعد جو مشکلات عورتوں کو شوہر کی طرف سے پیش آتی ہیں اور جن میں ابتلاء عام اور ضرر شدید ہے، وہ چند ہیں:

(۱) ایک یہ کہ خاوند نامردی وغیرہ کی وجہ سے عورت کے قابل نہ ہو، جس کو اصطلاح فقہ میں عنین کہتے ہیں (۲) دوسرے یہ کہ مرد مجنون ہو (۳) تیسرے یہ کہ مفقود و لاپتہ ہو جائے (۴) چوتھے یہ کہ موجود ہے اور نان نفقہ دینے پر قدرت بھی مگر ظلم کرتا ہے نہ نان نفقہ دیتا ہے اور نہ طلاق۔ (۵) پانچویں یہ کہ لاپتہ تو نہیں مگر بیوی بچوں کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلا گیا نہ نان نفقہ وغیرہ کا کچھ انتظام کرتا ہے نہ خود آتا ہے نہ ان کو اپنے پاس بلاتا ہے، اور نہ طلاق دیتا ہے۔

ان سب صورتوں میں عورت کی رہائی کے لئے شرعی صورتیں جدا جدا ہیں، جن کو بالتفصیل لکھا جائے گا؛ لیکن ان سب میں یہ بات مشترک ہے کہ اس رہائی میں عورت یا اس کے اولیاء خود مختار نہیں؛ بلکہ قضائے قاضی شرط ہے، یعنی ضروری ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی کی عدالت میں دائر کرے اور قاضی باقاعدہ شرعی تحقیق کے بعد تفریق وغیرہ کا حکم کرے، مگر ہندوستان میں بحالت موجودہ چونکہ عموماً قاضی شرعی کا وجود نہیں اس لئے اس کی شرعی تدبیر بتلانا سب سے مقدم ہے۔

صورت قضائے قاضی در ہندوستان

ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں تو معاملہ سہل ہے؛ لیکن گورنمنٹی علاقوں میں جہاں یہ صورت نہیں ان میں وہ حکام جج وغیرہ جو لوگ گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے، اور اگر مسلمان نہ ہوں تو ان کا فیصلہ کالعدم ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی ججوں یا ممبروں وغیرہ کی کمیٹی فیصلہ کرے تو ان سب کا مسلمان ہونا شرط ہے، اگر ایک جج یا ممبر وغیرہ بھی غیر مسلم ہو تو شرعاً فیصلہ معتبر نہیں۔ اور اگر کسی جگہ مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کا قانوناً اختیار نہ ہو، یا مسلمان حاکم قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو، تو اس صورت میں مذہب حنفی کے مطابق عورت کی علیحدگی کے لئے بجز خاوند کی طلاق یا خلع کے کوئی صورت نہیں؛ لیکن اگر خاوند طلاق اور خلع پر بھی کسی طرح راضی نہ ہو یا مفقود یا مجنون یا نابالغ ہونے کی وجہ سے اس سے طلاق وخلع نہ ہوسکے تو اس وقت مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے موافق جس کا اختیار کرنا بضرورت شدیدہ حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے، مسلمانوں کی جماعت کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہوجائے گا، اور اس کی صورت یہ ہے کہ محلہ یا بستی کے دین دار (اور بااثر) مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامنے جن کا عدد کم از کم تین ہو اپنا معاملہ پیش کیا جائے اور وہ جماعت واقعہ کی تحقیق کرکے شریعت کے موافق حکم کردے۔

جماعتِ مسلمین کی شرائط

اس جماعت کو قاضی کے قائم مقام کرنے کے لئے چند شرائط ہیں، جس جماعت میں یہ شرطیں موجود نہ ہوں وہ شرعاً معتبر نہ ہوں گی۔

(۱) کم از کم تین آدمیوں کی جماعت ہو ایک یا دو آدمی فیصلہ کریں تو وہ معتبر نہیں۔

(۲) اس جماعت کے سب ارکان کا عادل ہونا شرط ہے، اور عادل وہ شخص ہے جو تمام کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغائر پر مصر نہ ہو۔

اور اگر کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہو تو فوراً توبہ کر لیتا ہو؛ لہٰذا سود خور اور رشوت لینے والا، داڑھی منڈانے والا، جھوٹ بولنے والا اور بے نمازی اس جماعت کا رکن نہیں بن سکتا (اگر بدقسمتی سے کسی جگہ کے بااثر لوگ دین دار نہ ہوں تو یہ تدبیر کر لی جائے کہ وہ بااثر اشخاص چند دین داروں کو اختیار دے دیں، تاکہ شرعاً فیصلہ کی نسبت دین دار جماعت کی طرف ہو اور ان بااثر اشخاص کو کوشش کا صواب حاصل ہو جائے۔

(۳) فیصلہ میں علماء کی شرکت لازم اور شرط ہے، صرف عوام کی جماعت کا فیصلہ حکم قاضی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا؛ اس لئے اولاً تو یہ چاہئے کہ جماعت کے سب ارکان اہل علم ہوں، اور اگر یہ میسر نہ ہو تو کم از کم ایک معاملہ فہم عالم کو ضرور جماعت کا رکن بنائیں، اور دوسرے ارکان معاملہ کے تمام پہلوؤں کو ان عالم صاحب سے خوب سمجھ کر رائے قائم کریں، اور اگر کسی جگہ یہ بھی ممکن نہ ہو۔

تو پھر یہ لازم ہے کہ جماعت کے ارکان معاملہ کی روداد مکمل کر کے علماء محققین سے ہر ہر جزئی کا حکم دریافت کریں اور جو ان کا فتویٰ ہو اس کے موافق فیصلہ کیا جاوے، اگر ایسا نہ کیا بلکہ عوام نے محض اپنی رائے سے فیصلہ کر دیا تو وہ حکم نافذ نہ ہوگا، اور فیصلہ بالکل بےکار اور غیر معتبر رہے گا، اگرچہ وہ فیصلہ شریعت کے موافق بھی ہو۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ جماعت مسلمین کے سب ارکان متفقہ فیصلہ دیں اگر رائے مختلف رہے اور کثرت رائے کی بنا پر فیصلہ کرنا چاہیں تو وہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا، پس اگر ارکان میں اختلاف رہے تو مقدمہ خارج کر دیا جائے۔

فائدہ: اگر اختلاف رائے کی وجہ سے کسی درخواست پر تفریق کا حکم نہ ہو سکا تھا تو وہ درخواست ہمیشہ کے لئے مسترد نہ ہو جائے گی؛ بلکہ مستغیثہ کو اختیار ہوگا کہ معاملہ کی حالت بدل جاوے یا ضرورت کی شدت بڑھ جائے تو دوبارہ درخواست پیش کرے اور

دوبارہ درخواست دینے پر اگر ارکان کی رائے متفق ہو جائے تو تفریق کردی جائے۔

اب اُن اسباب کو بیان کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، اور اختیار ہونے کی جو شرطیں ہیں وہ سب لکھی جاتی ہیں، آج کل اکثر لوگ فسخ نکاح کا اختیار ہونے میں شرطوں کی خبر نہیں رکھتے اور بلا وجوہ شرائط نکاح فسخ کرالیتے ہیں، مگر ایسے فسخ کا شرعاً بالکل اعتبار نہیں، اور دوسری جگہ جو نکاح کیا جاوے گا سراسر باطل ہوگا، اس واسطے ان کا خاص طور پر دھیان رکھنا لازم ہے۔

زوجۂ عنین کا حکم

سوالات

(۱) عنین اصطلاح فقہ میں کس کو کہتے ہیں؟

(۲) زوجۂ عنین کو فسخ نکاح کا اختیار دیا جائے گا یا نہیں؟

(۳) اگر اختیار دیا جائے تو اس کی کیا صورت ہوگی اور اس کے لئے کیا شرائط ہیں؟

(۴) تفریق کے بعد عنین پر پورا مہر واجب ہوگا یا نصف؟
ونیز عورت پر عدت لازم ہوگی یا نہیں؟

جوابات

سوال نمبر ایک کا جواب

فقہاء کی اصطلاح میں عنین اس کو کہتے ہیں جو باوجود عضو مخصوص (اور جس شخص کا عضو مخصوص قطع ہوگیا یا اصل سے ہی بالکل موجود نہ تھا اس کا حکم آگے آتا ہے۔) ہونے کے عورت سے جماع کرنے پر قادر نہ ہو، خواہ یہ حالت کسی مرض کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو یا ضعف کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ اس پر کسی نے جادو کردیا، اور اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ بعض عورتوں سے جماع کرنے پر قادر ہے اور بعض پر

نہیں تو جس سے ہم بستری پر قدرت نہ ہو اس کے حق میں یہ شخص عنین سمجھا جائے گا۔

سوال نمبر دو کا جواب

زوجۂ عنین کو اپنے خاوند سے تفریق یعنی علیحدگی اختیار کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے، اور اس کے وہ شرائط ہیں جواب نمبر (۳) مندرجہ ذیل میں ابھی آتے ہیں، بغور ملاحظہ فرماویں۔

سوال نمبر تین کا جواب

زوجۂ عنین کے لئے تفریق کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنا معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش کرے قاضی واقعہ کی تحقیق کرے، یعنی اول خاوند سے دریافت کرے، اگر وہ خود اقرار کرے کہ بیشک میں اس عورت سے ہم بستری پر قادر نہیں ہوا تو اس کو ایک سال کی مہلت علاج کرنے کے لئے دے دے، اور اگر وہ اقرار نہ کرے بلکہ جماع کا دعویٰ کرے تو اس وقت یہ تفصیل ہے کہ اگر عورت باکرہ ہونے کا دعویٰ نہ کرتی ہو تب تو مرد سے حلف لیا جاوے گا اور اگر اس نے حلف کر لیا تو عورت کو تفریق کا حق حاصل نہ ہو سکے گا اور اگر شوہر نے حلف سے انکار کر دیا تو اسکو ایک سال کی مہلت بغرض علاج دے دی جاوے گی، اور اگر عورت باکرہ ہونے کی مدعی ہو تو قاضی عورتوں سے اس کی بیوی کا معائنہ کرائے ایک عادل تجربہ کار عورت کا معائنہ بھی کافی ہے؛ لیکن احتیاط ﴿اس کو احتیاط کہنا اسوقت ہے جب کہ قاضی فیصلہ کرنے والا ہو، اور اگر پنچایت فیصلہ کرے تو مالکیہ کا مذہب لینا لازم ہے، اور ان کا مذہب یہ ہے کہ دو عورتوں کا معائنہ ضروری ہے، اگر عورت کافی نہیں ہے۔﴾ اس میں ہے کہ دو عادل عورتیں معائنہ کریں آگے بعد معائنہ کے دو صورتیں ہیں؛ ایک صورت یہ کہ عورتیں یہ بیان کریں کہ یہ عورت باکرہ یعنی کنواری نہیں رہی تب تو خاوند سے اس بات پر حلف لیا جائے گا کہ اس نے جماع کیا ہے، اگر وہ حلف کر لے تو اس کا قول معتبر ہو جائے گا، اور عورت کو تفریق کا حق باقی نہ رہے گا، اور اگر شوہر حلف سے انکار کر دے تو تاجیل یعنی ایک سال کی مہلت کا حکم کر دیا جائے گا، اور دوسری صورت یہ کہ عورتیں یہ بیان کریں کہ

ابھی تک یہ لڑکی باکرہ (کنواری) ہے تو پھر قاضی بدون کسی سے حلف لئے ہوئے شوہر عنین کو ایک سال کی مہلت علاج کے لئے دے دے۔

خلاصہ یہ کہ جب کسی دلیل سے محقق ہو جائے کہ عورت باکرہ نہیں بلکہ ثیبہ ہے خواہ ثیبہ ہونا اس طرح معلوم ہو کہ وہ بیوہ ہو اور شوہر اول سے اولاد ہو چکی ہو یا خود عورت کے اقرار سے عورتوں کے معائنہ سے ان تینوں حالتوں میں مرد کا قول حلف کے ساتھ قبول کر لیا جاوے گا کہ وہ ہم بستری کر چکا اور عورت کو علیحدگی کا حق نہ دیا جائے گا، اور اگر ان تینوں حالتوں میں مرد حلف سے انکار کر دے تو عورت کا دعویٰ درست مان کر مرد کو ایک سال کی مہلت دے دیں اور اگر عورتوں کے معائنہ سے زوجہ کا باکرہ ہونا ثابت ہو تو بدون حلف ہی ایک سال کی مہلت دے دی جاوے اور اس مہلت کے لئے ظاہر الروایہ میں تو قمری سال کا اعتبار کیا گیا ہے۔

لیکن روایت حسن میں شمسی سال کو لیا ہے، اور بعض اصحاب ترجیح نے احتیاطاً اسی کو اختیار کیا ہے، اور عموماً متاخرین نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور اب بھی عام اہل فتویٰ کا یہی معمول ہے، اور یہ سال حاکم کی مہلت کے وقت سے شروع سمجھا جائے گا، اس سے پہلے خواہ کتنی ہی مدت گزر گئی ہو معتبر نہ ہوگی، پھر اس سال بھر کے عرصہ میں اگر شوہر کسی طرح علاج کر کے تندرست اور جماع پر قادر ہو گیا اور ایک مرتبہ بھی ہم بستری کر لی تو عورت کو فسخ نکاح کا حق نہ رہا؛ بلکہ ہمیشہ کے لئے حق باطل ہو چکا، اب کبھی علیحدگی کا مطالبہ نہیں کر سکتی، اور اگر اس عرصہ میں ایک مرتبہ بھی جماع نہ کر سکا تو عورت کے دوبارہ درخواست کرنے پر قاضی تحقیق کرے۔

اگر خود شوہر نے اقرار کر لیا کہ بے شک میں قادر نہیں ہوا تب تو عورت کا دعویٰ بلا غبار صحیح ہو گیا، اس صورت میں قاضی عورت کو اختیار دے دے کہ اگر علیحدگی درکار ہے تو طلب کرو ورنہ اپنے خاوند کے ساتھ رہنے کو گوارہ کرو، اس پر اگر وہ اسی مجلس میں علیحدگی چاہے تو خاوند سے طلاق دلوادی جائے، اگر وہ انکار کرے تو قاضی تفریق

کردے، جیسا کہ آئندہ عنقریب آوے گا اور اگر خاوند انکار نہ کرے؛ بلکہ جماع ہو چکنے کا دعویٰ کرے، تو اس وقت یہ تفصیل ہے کہ مہلت دینے کے وقت اگر عورت کا ثیبہ ہونا ثابت ہو چکا تھا، یا اب عورت اقرار کرے کہ کسی طرح بکارت زائل ہو چکی ہے، مگر ہم بستری نہیں ہوئی، تب تو خاوند سے حلف لیا جائے اگر وہ قسمیہ کہہ دے کہ میں نے اس عورت سے جماع کیا ہے تو مرد کا قول معتبر ہوگا اور تفریق نہ ہوسکے گی۔

اور اگر شوہر نے اس وقت بھی حلف سے انکار کردیا تو عورت کو طلب فرقت کا اختیار دے دیا جاوے گا، اور اگر مہلت دینے کے وقت معائنہ سے باکرہ ہونا ثابت ہوا تھا اور اب دوبارہ معائنہ میں بھی باکرہ ہونے کی تصدیق ہو، تب بھی بدون عورت سے حلف لئے ہوئے قاضی عورت کو اختیار دے دے کہ اپنے خاوند کے نکاح میں رہے یا تفریق کا مطالبہ کرے، اور جن صورتوں میں قاضی عورت کو اختیار دے چکا۔

ان میں حکم یہ ہے کہ اگر عورت اسی مجلس میں تفریق چاہے تب تو تفریق ہوسکتی ہے ورنہ نہیں۔ پس اگر عورت نے اسی مجلس تخییر میں یہ کہہ دیا کہ میں اس شوہر سے علیحدہ ہونا چاہتی ہوں، تو قاضی اس کے شوہر سے کہے کہ اس عورت کو طلاق دے دو، اس پر اگر خاوند نے طلاق دے دی تو طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی، اور اگر وہ طلاق دینے سے انکار کردے تو قاضی خود تفریق کردے، یعنی مثلاً یہ کہہ دے کہ میں نے تجھ کو اس کے نکاح سے الگ کردیا، یہ تفریق بھی شرعاً قائم مقام طلاق بائنہ کے ہوجاوے گی۔

شرائطِ تفریق

زوجۂ عنین کو اپنے شوہر سے علیحدگی کا اختیار چند شرائط کے ساتھ حاصل ہوسکتا ہے، وہ شرائط یہ ہیں: (۱) اول یہ کہ نکاح سے پیشتر عورت کو اس شخص کے عنین ہونے کا علم نہ ہو، پس اگر اس وقت علم تھا اور باوجود معلوم ہونے کے نکاح کیا ہے تو اب اس کو تفریق کا حق نہیں مل سکتا۔ (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع نہ کیا ہو اور اگر ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع

کر چکا ہے اور پھر عنین ہو گیا تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔ (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ جب سے عورت کو شوہر کے عنین ہونے کی خبر ہوئی ہے اس وقت سے عورت نے اس کے ساتھ رہنے پر رضا کی تصریح نہ کی ہو، مثلاً یہ نہ کہا ہو کہ جیسا بھی ہے اب تو میں اسی کے ساتھ بسر کروں گی؛ کیوں کہ اگر وہ اپنی رضا کی تصریح ﴿یعنی زبان سے کہہ دیا ہو خواہ تنہائی میں یا کسی کے سامنے تاجیل سے پیشتر یا بعد از تاجیل﴾ کر چکی ہو تو پھر اس کو مطالبہ تفریق کا حق نہیں رہتا، ہاں محض سکوت ﴿بلکہ تقبیل و مضاجعت وغیرہ افعال بھی موجب رضا نہیں۔﴾ سے اس جگہ رضا نہ سمجھی جائے گی۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ جس وقت سال بھر کی مدت گزرنے کے بعد قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اسی مجلس میں تفریق کو اختیار کر لے، پس اگر اسی مجلس میں اس نے اپنے خاوند کے ساتھ رہنا پسند کر لیا، یا اس قدر سکوت کیا کہ مجلس برخواست ہو گئی خواہ اس طرح کہ یہ عورت مجلس سے کھڑی ہو گئی، یا اس طرح کہ قاضی مجلس سے اٹھ گیا تو اس کا اختیار باطل ہو گیا اب کسی طرح تفریق نہیں ہو سکتی دنیز مجلس برخواست ہونے اور عورت کے اٹھ جانے کے علاوہ اور صورتیں بھی ایسی ہیں جس سے مجلس بدل جاتی ہے، اور اختیار باطل ہو جاتا ہے، مثلاً کوئی دوسری گفتگو کرنے لگی یا نماز پڑھنے لگی وغیرہ ذلک۔

(۵) پانچویں شرط عنین کو سال بھر کی مہلت دینا اور سال گزرنے پر عورت کو اختیار دینا اور بعد ازاں اگر خاوند طلاق سے انکار کرے تو تفریق کر دینا وغیرہ، یہ سب امور جن کا اوپر مفصل ذکر ہو چکا حکم قاضی کے محتاج ہیں بدون حکم قاضی کے از خود عورت کو تفریق کا اختیار نہیں، اور جس جگہ قاضی نہ ہو اس کا مفصل حکم اس جزو دوم کے مقدمہ میں گزر چکا وہاں دیکھ لیا جاوے۔

سوال نمبر چار کا جواب

بوجہ خلوت صحیحہ شوہر عنین پر پورا مہر واجب ہو چکا تھا، وہ تفریق کے بعد بھی ادا کرنا لازم ہے اور عورت پر عدت بھی واجب ہے۔

فائدہ: عنین کو ایک سال کی مہلت دینے کا حکم جو اوپر بیان کیا گیا صرف اس شخص کے لئے ہے جس کو عرفاً عنین کہتے ہیں؛ لیکن وہ شخص کہ جس کا عضوِ تناسل قطع ہو گیا جس کو اصطلاح میں ''مجبوب'' کہتے ہیں، اور اسی طرح وہ شخص جس کا عضوِ تناسل خلقتاً بہت کم مثل نہ ہونے کے ہو، اس کو سال بھر کی مہلت دینے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ پہلے ہی درخواست پر مجبوب وغیرہ ہونے کی تحقیق کر کے عورت کو اختیار دے دیا جائے گا۔

اگر عورت دعویٰ کرے کہ میرا شوہر مجبوب وغیرہ ہے اور مرد اس سے انکار کرے اور بدون معائنہ کے اس کا فیصلہ نہ ہو سکے تو معائنہ بھی جائز ہے، پس قاضی کسی معتبر شخص کو کہہ دے کہ معائنہ کر کے بتلاؤ کہ عورت سچ کہتی ہے یا مرد سچا ہے۔

یہ مختصر بیان بقدرِ ضرورت لکھا گیا ہے اس کے سوا اور بھی بہت سی جزئیات ہیں جو کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں، بوقتِ ضرورت علمائے اہلِ فتویٰ سے دریافت کر لیا جاوے۔

زوجہ مجنون کا حکم

سوالات

(۱) کیا زوجۂ مجنون کو یہ حق شرعاً حاصل ہے کہ تفریق کا مطالبہ کرے اور مجنون کی زوجیت سے نکل جائے؟ (۲) اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہے اور کیا شرائط ہیں؟
(۳) اور تفریق کے بعد مہر اور عدت کا کیا حکم ہے؟

جوابات

سوال نمبر ایک کا جواب

جنون کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ عقدِ نکاح کے وقت جنون موجود ہو اور بے خبری میں نکاح ہو جائے۔ دوسری یہ کہ عقد کے وقت جنون نہ تھا مگر نکاح کے بعد لاحق ہو گیا خواہ ہم بستری سے پہلے ہو گیا ہو یا بعد میں۔

ان دونوں صورتوں میں تفریق کا اختیار عورت کو ان شرائط کے ساتھ حاصل ہو جاتا

ہے جو جواب نمبر دو میں ابھی آتی ہیں، مگر پہلی صورت یعنی موجود وقت العقد میں امام محمد کے نزدیک بھی اختیار ہے اور مالکیہ کے نزدیک بھی، اور دوسری صورت یعنی حادث بعد العقد میں صرف مالکیہ کے نزدیک اختیار ہوگا، اس لئے دوسری صورت میں بغیر ضرورت شدیدہ کے نکاح فسخ نہ کیا جائے۔

سوال نمبر دو کا جواب

تفریق کی صورت یہ ہے کہ مجنون کی عورت قاضی کی عدالت میں درخواست دے اور خاوند کا خطرناک ﴿ کیوں کہ معمولی جنون میں خیار فسخ نہیں ہے؛ بلکہ ایسا جنون شرط ہے جس کی وجہ سے اندیشہ ہو اور نا قابل برداشت ایذا پہنچتی ہو۔﴾ جنون ثابت کرے، قاضی واقعہ کی تحقیق کرے، اگر صحیح ثابت ہو تو مجنون ﴿ مگر خود مجنون کو حکم سنانا کافی نہیں؛ بلکہ اگر اس کا ولی ہو تو ولی جواب دہی کرے گا اور ولی ہی کو حکم مہلت کا اور انقضائے مدت کے بعد تفریق کا سنایا جائے گا، اور اگر ولی نہ ہو تو قاضی کسی شخص کو مجنون کی طرف سے جواب دہی کے لئے اس کا مختار بنادے۔﴾ کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دے دے اور بعد اختتام سال اگر زوجہ پھر درخواست کرے اور شوہر کا جنون اب تک موجود ہو تو عورت کو اختیار دے دیا جائے، اس پر اگر عورت اسی مجلس میں فرقت طلب کرے، جس میں اس کو اختیار دیا گیا ہے تو قاضی تفریق کردے، اور یہ تفریق اگر اس جنون کی وجہ سے کی گئی ہے، جو عقد نکاح کے وقت موجود تھا تب تو طلاق نہیں؛ بلکہ فسخ ہے اور اگر حادث بعد العقد کی وجہ سے کی گئی ہے تو اس میں طلاق ہونے کا احتمال ہے، علمائے مالکیہ سے تحقیق کی جاوے اور جب تک تحقیق نہ ہو اس وقت تک طلاق قرار دینا چاہئے کہ اس میں احتیاط ہے۔

اور زوجہ مجنون کو خیار فسخ حاصل ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرطیں ہیں اگر یہ شرطیں نہ پائی جاویں تو تفریق کا حق نہیں اس لئے ان کو غور سے سمجھ لینا لازم ہے۔

الف:۔ ایک شرط یہ ہے کہ عورت کی طرف سے رضامندی نہ پائی جاوے،

پس اگر نکاح سے پہلے جنون کا پتہ تھا اور اس کے باوجود نکاح کیا گیا تو خیارِ فسخ حاصل نہیں ہوتا، اور اگر نکاح کے بعد جنون ہوا ہو، تو یہ شرط ہے کہ جنون کی خبر ہونے کے بعد اسکے نکاح میں رہنے پر رضامندی ظاہر نہ کی ہو، اگر ایک مرتبہ بھی رضامندی ظاہر کر چکی تو خیارِ فسخ باطل ہو گیا۔

ب:۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جنون کا پتہ لگنے کے بعد اختیار سے عورت نے جماع یا دواعی جماع کا موقع نہ دیا ہو؛ البتہ اگر مجنون نے بجبر وکراہ ہم بستری وغیرہ کر لی تو اس سے خیار ساقط نہیں ہوتا۔

فائدہ متعلقہ ہر دو شرط

اگر رضامندی کا اظہار یا جماع وغیرہ کا موقع دینا ایسے جنون کے بعد پایا جاوے جو موجب خیار ہے تب تو خیار نہ رہے گا؛ لیکن اگر معمولی جنون کی حالت میں نکاح کر لیا یا معمولی جنون میں رہنے کو منظور کر لیا تھا، یا ہم بستری وغیرہ کا موقع دیا تھا اور بعد میں جنون بڑھ گیا تو اس رضا وتمکین سے خیارِ فسخ ساقط نہ ہوگا، مگر اس گنجائش سے نفع حاصل کرنے میں کامل دیانت اور سخت احتیاط سے کام لینا لازم ہے۔

ج:۔ زوجۂ عنین کی طرح زوجۂ مجنون بھی اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے میں خودمختار نہیں؛ بلکہ قضائے قاضی شرط ہے، اور جس علاقہ میں قاضی موجود نہ ہو وہاں مسلمان حاکم سے استغاثہ کیا جاوے بشرطیکہ اس کو حکومت کی طرف سے ایسے معاملات کے تصفیہ کا حق دیا گیا ہو، اور شرعی طریق پر فیصلہ کرتا ہو، ورنہ جماعت مسلمین سے درخواست کی جاوے جس کی شرطیں مقدمہ میں گزر چکی ہیں، ان کو ضرور دیکھ لیں۔

د:۔ جب مہلت کا سال گزر جانے کے بعد دوبارہ درخواست پر قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت کو فرقت کا اختیار اسی مجلس تک رہتا ہے اگر مجلس برخاست ہو گئی یا عورت از خود یا کسی کے اٹھانے سے اٹھ گئی، یا اور کسی طرح مجلس بدل گئی تو خیارِ فسخ باطل ہو گیا۔ (تبدیل مجلس کا بیان عنین کے بیان میں گزر چکا ہے اس کو دیکھ لیا جاوے)

سوال نمبر تین کا جواب

مہر اور عدت کا یہ حکم ہے کہ اگر خلوت صحیحہ سے قبل نکاح فسخ ہو گیا ہے تب تو مہر بالکل ساقط ہو جاوے گا اور عدت کی بھی ضرورت نہیں، اور اگر عیب جنون معلوم ہونے سے قبل خلوت صحیحہ ہو چکی تھی بعد ازاں جنون کا پتہ لگنے پر فسخ نکاح کی نوبت آئی ہے تو پورا مہر لازم رہے گا، اور عدت بھی واجب ہو گی۔

فائدہ: زوجۂ مجنون کا نکاح فسخ ہونے کے لئے جو شرائط اوپر مذکور ہوئے ہیں اگر کسی جگہ وہ شرائط موجود نہ ہوں، تو جنون کی وجہ سے تفریق نہیں ہو سکتی؛ لیکن اگر مجنون آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ رکھتا ہو اور نہ اس کو کسب معاش پر قدرت ہو اور زوجہ کے لئے نفقہ کی کوئی دوسری سبیل بھی نہیں تو ایسی صورت میں مفتی کے لئے عورت کے اضطرار کی پوری تحقیق ہو جانے اور چند علماء سے مشورہ کے بعد اس فتویٰ کی بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کی بنا پر عدم نفقہ کی وجہ سے قاضی یا اس کا قائم مقام ان دونوں میں تفریق کر دے، اور یہ تفریق طلاق رجعی کے حکم میں ہو گی۔

لیکن اس میں کامل تدبر سے کام لے کر مذہب مالکیہ کی تمام شرائط کی پابندی ضروری ہے، جن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عدم نفقہ کی وجہ سے فسخ نکاح اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ عقد نکاح سے پہلے اس کو خاوند کے فقیر و نادار ہونے کا علم نہ ہو، ورنہ اگر ناداری کا علم ہوتے ہوئے عقد نکاح کیا گیا ہے تو اب بوجہ عدم نفقہ کے بھی اس کو مطالبہ تفریق کا حق نہ ہو گا، اور باقی شرائط اس مسئلہ کی بوقت ضرورت کتب مالکیہ کی مراجعت سے معلوم ہو سکتی ہیں، جن کے نام اصل رسالہ کے دیباچہ میں مذکور ہیں۔

فقہِ مالکی میں زوجۂ مفقود کا حکم

عوام بلکہ بعض خواص بھی یہ سن کر یا دیکھ کر مفقود کی بیوی کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ چار سال کے بعد دوسری جگہ نکاح کی اجازت دیتے ہیں، زوجہ مفقود کے معاملہ کو بہت

ہی سہل سمجھ بیٹھے ہیں، مگر دراصل امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں اس کے لئے چند شروط وقیود ہیں، جن کا لحاظ ضروری ہے بدون ان شرطوں کی رعایت کے کسی کے نزدیک بھی دوسری جگہ اس کا نکاح حلال نہیں ہوسکتا۔

لیکن اوّل تو یہاں فقہ مالکی کی کتابیں کم ہیں دوسرے مالکی مذہب کے علماء نہیں، اس واسطے اس کی ضرورت ہوئی کہ علماء مالکیہ سے اس مسئلہ کو مفصل تحقیق کر کے شائع کیا جائے، تاکہ علمی اور عملی غلطیاں دور ہوں۔ اس بناء پر مدینہ منورہ کے علماء مالکیہ سے چند بار سوال کر کے اس مسئلہ کو خوب منقح کیا گیا، ان سب سوالوں کو مع جوابات ذیل میں درج کیا جاتا ہے ضرورت کے وقت اس تفصیل کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔

سوالات

(۱) جو شخص مفقود الخبر (لاپتہ) ہو اور باوجود تحقیق وتفتیش کے اس کا حال معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا، کیا اس کی زوجہ کے لئے حق ہے کہ وہ کسی طرح اپنے کو اس کی زوجیت سے نکال کر دوسرا نکاح کر سکے؟ اگر یہ حق ہے تو کیا اس کو کچھ مدت انتظار کرنے کی ضرورت ہے یا بلا مہلت اس کو اختیار دے دیا جائے گا؟

(۲) اگر مہلت دے دی جائے گی تو اس کی ابتدا کب سے شمار ہوگی مرافعہ اور مخاصمہ کے وقت سے یا گم ہونے کے وقت سے یا حکم حاکم کے بعد سے؟

(۳) کیا زوجہ مفقود فسخ ﴿فسخ نکاح سے اس جگہ فسخ اصطلاحی مراد نہیں بلکہ محاورات اُردو کے موافق فسخ کا لفظ اختیار کیا گیا اور بغرض تفہیم عوام اس رسالہ کے اکثر مواقع میں لفظ فسخ ہی کا اطلاق کیا گیا ہے۔﴾ نکاح میں خود مختار ہے یا قضائے قاضی شرط ہے؟ اور صورت فسخ کیا ہوگی؟

(۴) اگر قضائے قاضی شرط ہے تو کیا قاضی پر بھی یہ بات لازم ہے کہ پہلے مفقود کی خود تفتیش وتلاش کرے جب اس کو مایوسی ہو جائے اس وقت زوجہ کو کوئی مہلت وغیرہ دے یا عورت اور اس کے اولیاء کا تلاش کر لینا کافی ہے؟

(۵) جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے ہندوستان وغیرہ وہاں اس کی کیا صورت کی جائے؟ (۶) مفقود کا حکم ''دارالحرب'' اور ''دارالاسلام'' میں یکساں ہے یا مختلف؟ اگر مختلف ہے تو ہندوستان جیسے ممالک جن میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں وہ دارالاسلام سمجھے جاویں گے یا دارالحرب؟ (أعینونا أعانکم اللہ تعالی)

جوابات

سوال نمبر ایک کا جواب

زوجہ مفقود کے لئے مالکیہ کے نزدیک مفقود کی زوجیت سے علیحدہ ہونے کی دارالاسلام میں تو یہ صورت ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں مرافعہ کرے، اور بذریعہ شہادت شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا (اگر نکاح کے عینی گواہ موجود نہ ہوں تو اس معاملہ میں شہادت بالتسامع بھی کافی ہے، یعنی شہرت عام کی بنا پر بھی شہادت دی جاسکتی ہے) اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود ولا پتہ ہونا ثابت کرے، بعدازاں قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش اور تلاش کرے اور جب پتہ ملنے سے مایوس ہو جائے تو عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم کرے، پھر اگران چار سال کے اندر بھی مفقود کا کچھ پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جاوے گا، اور نیز ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گزار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔

اور اب چار سال گزرنے کے بعد دوبارہ قاضی کی عدالت میں درخواست دینا اور عدت وفات کے لئے حکم حاصل کرنا مالکیہ کے نزدیک ضروری نہیں؛ بلکہ قضائے قاضی صرف اول بار بوقت تاجیل ضروری ہے، مگر احتیاط اس میں ہے کہ جب وہ چار سال جو قاضی نے مقرر کئے تھے ختم ہو چکیں، تو دوبارہ درخواست دے کر قاضی سے حکم بالموت بھی حاصل کر لیا جائے، تا کہ مذہب حنفیہ کی حتی الوسع رعایت ہو جائے؛ لیکن جس جگہ قاضی وغیرہ کی طرف دوبارہ مرافعہ زیادہ دشوار ہو، وہاں بغیر مرافعہ ثانی.

کے ہی عمل کر لینے میں بھی مضائقہ نہیں۔

یہ حکم مذکور تو دارالاسلام میں تھا، اور دارالحرب میں زوجہ مفقود کا جمہور مالکیہ کے نزدیک تو وہی حکم ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے، یعنی جب تک اس کے ہم عمر لوگ زندہ ہیں اس وقت تک اس کی بیوی کے لئے اس کے نکاح سے جدا ہونے اور دوسرا نکاح کرنے کی کوئی صورت نہیں، مگر اشہب نے (جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں اور فقہائے مالکیہ میں بلند پایہ رکھتے ہیں) دارالحرب میں بھی زوجہ مفقود کا وہی حکم رکھا ہے جو دارالاسلام میں گزر چکا۔

سوال نمبر دو کا جواب

حاکم جو چار سال کی مدت انتظار کے لئے مقرر کرے گا اس کی ابتداء اس وقت سے لی جاوے گی جس وقت حاکم خود بھی تفتیش کر کے پتہ چلنے سے مایوس ہوجائے اور قاضی کی عدالت میں پہنچے اور اس کی تفتیش سے قبل خواہ کتنی ہی مدت گزر چکی ہو اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔

سوال نمبر تین کا جواب

زوجہ مفقود کسی صورت میں اس کے نکاح سے خارج ہونے میں خودمختار نہیں؛ بلکہ ہر حال میں قضائے قاضی شرط ہے، اور صورت مرافعہ اور فسخ کی سوال اول کے جواب میں گزر چکی ہے۔

سوال نمبر چار کا جواب

ہاں قاضی پر بھی ضروری ہے کہ صرف عورت اور اس کے اولیاء کی تفتیش اور ان کے بیان پر اکتفا نہ کرے، بلکہ خود بھی تلاش کرائے۔ اور تلاش کرنے کی صورت یہ ہے کہ قاضی اور حاکم کو جہاں جہاں مفقود کے جانے کا غالب گمان ہو وہاں وہاں آدمی بھیجا جاوے، اور جس جگہ جانے کا غالب گمان نہ ہو صرف احتمال ہو وہاں اگر خط کو کافی سمجھے تو وہاں خطوط بھیج کر تحقیق کرے اور اگر اخبار میں شائع کر دینے سے خبر ملنے کی امید ہو تو بھی کر لے، الغرض تفتیش میں پوری کوشش اور جہد بلیغ کرے۔ کما لایخفی۔

اور جب تلاش کے بعد پتہ ملنے سے مایوسی ہو جائے اس وقت مذکورۃ الصدر طریق پر چار سال کے مزید انتظار کا حکم کرے۔ اور تفتیش کے مصارف کی بابت فقہائے مالکیہ میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ عورت کے ذمہ ہے، اور بعض نے کہا بیت المال کے ذمہ، اور بعض کے نزدیک یہ تفصیل (اور یہ تفصیل اعدل الاقاویل ہے۔) ہے کہ اگر زوجہ کے پاس مال ہو تو مصارف تفتیش اس کے ذمہ ہوں گے ورنہ بیت المال کے ذمہ (اور جس جگہ بیت المال نہ ہو جیسے ہندوستان وغیرہ اگر ان مواقع میں حکومت وقت مصارف برداشت کرے تو بہتر ورنہ مسلمانوں سے چندہ کر لیا جائے)

سوال نمبر پانچ کا جواب

جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے اسلامی ریاستوں کے علاوہ ہندوستان کے تمام شہروں کا حال ہے، تو وہاں وہ حکام جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات کا تصفیہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور فیصلہ شریعت کے موافق کریں تو ان کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، جیسا کہ اس جزو دوم کے مقدمہ میں مفصل گزر چکا ہے، اور اگر مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت سے فیصلہ شریعت کیمطابق نہ ہوتا ہو تو پھر مذہب مالکیہ کے موافق دین دار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچایت کر کے حسب بیان مذکور تحقیق کرے اور تحقیق کامل کے بعد شرعی فیصلہ صادر کر دے، تو یہ فیصلہ بھی قضائے قاضی کے حکم میں ہو جاوے گا، لیکن پنچایت کا ان شرائط کے موافق ہونا ضروری ہے جو مقدمہ میں گزر چکی ہیں وہاں غور سے دیکھ لیا جائے۔

تتمہ ہذا الجواب

اگر زوجہ مفقود ایسی جگہ چلی جاوے جہاں قاضی شرعی یا مسلمان حاکم موجود ہو اور اس کے پاس مقدمہ دائر کرے تو اس کا فیصلہ بھی زوجہ مفقود کے لئے کافی ہے۔ (اگر کوئی شبہ کرے کہ مفقود الخبر جس جگہ کا باشندہ ہے وہاں کے قاضی کی ولایت اس وقت تو اس پر ثابت نہیں ہے مگر پیشتر اس پر ولایت تھی اس واسطے ولایت اصلیہ کی بناء پر وہاں کے

قاضی کی قضاء نافذ ہوسکتی ہے، اور جس قاضی کی ولایت میں اول ہی سے نہ تھا اس کی قضا نافذ نہ ہونا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ نفاذ قضاء کے لئے ولایت حال شرط ہے ولایت سابقہ معتبر نہیں، پس سب جگہ کے قاضی مفقود کے بارے میں یکساں شمار ہوں گے۔ لیکن زوجہ مجنون یا زوجہ عنین تنہا کسی قاضی کے علاقہ میں چلی جائے تو قاضی کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا، بلکہ یہ ضروری ہے کہ مجنون و عنین بھی اس قاضی کے علاقہ میں ہوں۔

سوال نمبر چھ کا جواب

مفقود کا حکم دارالحرب اور دارالاسلام میں مختلف ہے، جیسا کہ سوال اول کے جواب میں مفصل گزر چکا، مگر علمائے مالکیہ کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان و مصر و شام وغیرہ ممالک کہ جن میں باوجود حکومت کافرہ مسلط ہو جانے کے شعائر اسلام ہنوز قائم ہیں ان سب میں مفقود کا حکم وہی ہے جو دارالاسلام میں ہے بلکہ دارالحرب میں شعائر اسلام بھی موجود نہ ہوں، مگر وہاں مسلمانوں کو صلح وغیرہ کی وجہ سے آنا جانا اور تفتیش کرنا ممکن ہو تو اس دارالحرب میں بھی وہی حکم ہے جو دارالاسلام میں، پس اصل بناء امکان تفتیش ہے۔ اس لئے ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں جو علماء کا اختلاف ہے اس کا اس مسئلہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اور زوجہ مفقود کو ان ممالک میں چار سال کی مہلت کے بعد عدت وفات گزار کر نکاح ثانی کا اختیار دے دیا جاوے گا۔

واپسی مفقود کے احکام

سوالات

(۱) اگر مفقود بعد حکم بالموت یا بعد نکاح ثانی قبل صحبت واپس آ جائے، یا دوسرے خاوند سے صحبت وغیرہ ہو چکنے کے بعد واپس آ جائے، تو مفقود کو عورت ملے گی یا نہیں؟ اور سب صورتوں کا ایک ہی حکم ہے یا مختلف؟

(۲) دوسرے خاوند سے صرف نکاح یا نکاح اور صحبت دونوں ہو جانے کے بعد مفقود

کے واپس آنے پر اگر زوجہ اس کو مل جاتی ہو تو اس کے متعلق چند سوالات مفصلہ ذیل ہیں:

الف: کیا پہلے خاوند کو تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی، یا ویسے ہی پہلا نکاح قائم سمجھا جائے گا؟.....ب: درصورت تجدید نکاح تجدید مہر کی بھی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

ج: اس صورت میں دوسرے خاوند کی عدت بھی واجب ہوگی یا نہیں؟ اور اگر واجب ہوگی تو کتنے ایام تک اور یہ عدت شوہر ثانی کے مکان پر گزاری جائے گی یا شوہر اول کے؟

د: دوسرے شوہر کے ذمہ جو مہر تھا اس کا ادا کرنا واجب رہے گا یا نہیں؟

ہ: اگر زوج ثانی سے اولاد ہو چکی ہو یا تفریق کے بعد زمانہ عدت میں ہو جاوے تو اس اولاد کا نسب کس سے ثابت ہوگا، پہلے خاوند سے یا دوسرے سے؟

جوابات

وہ مفقود جس پر مرافعہ و تفتیش کے بعد چار سال تک انتظار کر کے قاضی نے موت کا حکم کر دیا ہے۔ اگر حکم بالموت کے بعد واپس آجائے تو اس کی دو صورتیں ہیں:۔

ایک یہ ہے کہ شوہر ثانی کے ساتھ خلوتِ صحیحہ ہونے سے پہلے پہلے آجاوے خواہ عدت وفات کے اندر یا بعد، اور خواہ نکاح ثانی سے پہلے یا بعد۔

دوسری یہ کہ ایسے وقت واپس آئے جب کہ عدت وفات گزارنے کے بعد عورت دوسرے مرد سے نکاح کر چکی اور خلوت صحیحہ بھی ہو چکی ہو۔

ان میں سے پہلی صورت کا حکم بالاتفاق یہ ہے کہ زوجہ شوہر اول ہی کے نکاح میں بدستور سابق رہے گی۔ دوسرے خاوند کے پاس نہیں رہ سکتی۔

اور دوسری صورت میں مالکیہ کا تو مشہور مذہب ﴿ایک ضروری بات قابل تنبیہ یہ ہے کہ مالکیہ کے مذہب مشہور میں بھی زوج ثانی سے ہم بستری کے بعد شوہر اوّل کا حق فوت ہو جانے کی ایک شرط ہے، وہ یہ کہ دوسرے خاوند کو اس بات کی خبر نہ ہو کہ اس عورت کا خاوند لاپتہ ہے، اور اگر خبر ہو کہ اس کا خاوند لاپتہ ہے تو پھر شوہر ثانی کے دخول وہم بستری کے بعد واپس آنے پر بھی شوہر اول کا نکاح باقی رکھا جائے گا، اور اسی کو مل

جاوے گی۔ ﴿ یہی ہے کہ زوجہ دوسرے خاوند کے پاس رہے گی۔

شوہراول کا اب اس سے کوئی تعلق نہیں رہا؛ لیکن امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا مذہب اس بارہ میں یہ ہے کہ اگر مفقود حکم بالموت کے بعد بھی واپس آ جائے تو اس کی عورت ہر حال میں اسی کو ملے گی۔ خواہ عدت وفات کے اندر آ جائے یا بعد انقضائے عدت، اور خواہ نکاح ثانی اور خلوت وصحبت کے بعد آئے یا پہلے اور حنفی کے لئے غیر حنفیہ کے مذہب پر فتویٰ دینا سخت ضرورت کے وقت جائز ہے، جیسے تاجیل زوجہ مفقود وغیرہ کی صورتیں؛ لیکن واپسی مفقود کی صورت میں دوسرے مذہب پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت داعی نہیں۔ لہٰذا اس صورتِ ثانیہ میں بھی (یعنی جب کہ واپسی مفقود سے قبل شوہر ثانی خلوت صحیحہ بھی کر چکا ہو تب بھی) زوجہ اپنے خاوند سابق ہی کے نکاح میں رہے گی، شوہر ثانی کے پاس رہنا جائز نہیں؛ کیوں کہ شوہر اول کی واپسی سے نکاح ثانی باطل قرار دیا گیا۔ واللہ اعلم

سوال نمبر دو کا جواب

اس سوال کے پانچ اجزاء ہیں، سب کے جواب نمبروار درج ذیل ہیں:

الف: پہلا نکاح قائم رہے گا، تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ اگر چہ دوسرے خاوند سے صحبت بھی ہو چکی ہو۔

ب: ظاہر ہے کہ جب تجدید نکاح نہیں تو پھر تجدید مہر کہاں۔

ج: دوسرے شوہر کی عدت گزارنا واجب ہے جب تک عدت ختم نہ ہو اس وقت تک شوہر اول کو اس کے پاس جانا ہرگز جائز نہیں ہے؛ بلکہ پوری احتیاط لازم ہے۔ اور عدت میں جو تفصیل دوسرے مواقع میں ہے وہ یہاں بھی ہوگی، یعنی اگر حاملہ ہے تو وضع حمل ورنہ تین حیض، باقی رہا یہ سوال کہ زمانہ عدت کہاں گزارے سو اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر اول کے یہاں گزارے گی۔

د: اگر خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہے تو پورا مہر جو وقت نکاح مقرر کیا گیا تھا ادا کرنا واجب

ہو گا۔ اور اگر خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں مہر کا حکم صراحۃً نظر سے نہیں گزرا
مگر قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں مہر بالکل نہ ملے گا۔

ہ: اس اولاد کا نسب دوسرے خاوند سے ثابت ہو گا۔

فائدہ: زوجۂ مفقود کے لئے چار سال کے مزید انتظار کا حکم اس صورت میں تو بالاتفاق ضروری ہے، جب کہ عورت اتنی مدت تک صبر و تحمل اور عفت کے ساتھ گزار سکے؛ لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو یعنی عورت اندیشہ ابتلاء ظاہر کرے۔ اور اس نے ایک عرصۂ دراز ﴿ اور عرصۂ دراز کی تعیین حاکم کی رائے پر ہے، یعنی قاضی یا جماعت مسلمین مدعیہ کے خاص حالات میں غور کر کے قرار دیں کہ مقدمہ پیش ہونے سے پیشتر اس نے کافی انتظار کر لیا ہے یا نہیں، اگر معمولی انتظار کے بعد مقدمہ دائر کر دیا ہے تو احکام گزشتہ کے موافق چار سال کے مزید انتظار کا حکم دیا جائے، اور اگر کافی انتظار کر کے مقدمہ پیش کیا ہے تو اس گنجائش کے موافق فیصلہ کی اجازت ہے۔ ﴾ تک مفقود کا انتظار کرنے کے بعد مجبور ہو کر اس حالت میں درخواست دی ہو جب کہ صبر سے عاجز ہو گئی تو اس صورت میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کے موافق چار سال کی میعاد میں تخفیف کر دی جاوے۔

کیونکہ جب عورت کے ابتلاء کا شدید اندیشہ ہو تو ان کے نزدیک کم از کم ایک سال ﴿ لیکن یہ بات کہ یہ سال غائب ہونے کے وقت سے شروع سمجھا جائے گا، یا مرافعہ الی القاضی کے وقت سے، اس کی تصریح فتاویٰ مالکیہ میں نہیں ہے اور جس قدر کتب مالکیہ یہاں موجود ہیں ان میں بھی دستیاب نہیں ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ مرافعہ کے بعد سے سال انتظار شمار ہو گا۔ ﴾ صبر کے بعد تفریق جائز ہے۔

مگر علمائے سہارنپور دونوں صورتوں میں چار ہی سال کی مدت کے مزید انتظار کو شرط فرماتے ہیں، اور ایسا کرنا ظاہر ہے کہ زیادہ احتیاط کی بات ہے؛ لیکن جہاں قرائن قویہ سے اندیشہ قوی ابتلاء بالزنا کا ہو تو ایک سال کے قول پر بھی حاکم کو حکم کر دینے کی

گنجائش ہے، مگر معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، بہانہ تلاش نہ کیا جاوے۔

اگر تفریق اس قاعدہ کے موافق کی جائے تو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ تفریق طلاق رجعی ہوگی، اور اس صورت میں زوجۂ مفقود کو بجائے عدتِ وفات کے عدتِ طلاق تین حیض گزارنے ہوں گے، اور مفقود اس صورت میں بعد تفریق واپس آ گیا تو اس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر عدت کے اندر اندر آ کر رجعت کر لے تو رجعت صحیح ہو جائے گی اور زوجہ بدستور اس کے نکاح میں رہے گی، اور اگر عدت کے بعد آیا یا پہلے ہی آ گیا مگر عدت کے اندر رجعت قولی یا فعلی نہ کی تو اب اسکی زوجۂ پر طلاق بائنہ ہو کر وہ خود مختار ہوگئی خواہ دوبارہ اسی سے نکاح کر لے یا کسی دوسرے سے۔ واللہ اعلم۔

حکم زوجۂ متعنت فی النفقة

متعنت: اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جو باوجود قدرت کے بیوی کے حقوق نان نفقہ وغیرہ ادا نہ کرے، اس کا حکم بھی بوقت ضرورتِ شدیدہ ستم رسیدہ مستورات کی رہائی کے لئے مالکیہ کے مذہب سے لیا گیا ہے جو ذیل کے سوال وجواب میں مذکور ہے۔

سوالات:

(۱) جو شخص باوجود قدرت کے اپنی زوجہ کے حقوق نان ونفقہ ادا نہ کرتا ہو، کیا اس کی زوجہ کو حق ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو اس کی زوجیت سے نکال سکے؟ اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟

(۲): اگر قاضی ان میں تفریق کر سکتا ہو تو جب قاضی اس متعنت کی زوجہ پر طلاق واقع کر چکے جو نان نفقہ نہ دیتا ہو، اس وقت یا اس کے بعد پھر کسی وقت متعنت اپنی حرکت سے باز آ جائے اور نفقہ وغیرہ حقوق ادا کرنے کا وعدہ کرے، تو کیا وہ عورت پھر اس کو مل جائے گی؟ اور اگر اس کو مل سکتی ہے، تو قبل عدت اور بعد عدت میں یا قبل نکاح ثانی اور بعد نکاح ثانی میں کچھ فرق ہوگا یا نہیں؟

جوابات

سوال نمبر ایک کا جواب

زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کرلے؛ لیکن اگر باوجود سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے، تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک زوجۂ متعنت کو تفریق کا حق مل سکتا ہے۔ اور سخت مجبوری کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ عورت کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہوسکے، یعنی نہ کوئی شخص عورت کے خرچ کا بندوبست کرتا ہو اور نہ خود عورت حفظ آبرو کے ساتھ کسب معاش پر قدرت رکھتی ہو۔ اور دوسری صورت مجبوری کی یہ ہے کہ اگرچہ بسہولت یا بدقت خرچ کا انتظام ہوسکتا ہے؛ لیکن شوہر سے علیحدہ رہنے میں ابتلاءِ معصیت کا قوی اندیشہ ہو۔ اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں (جماعت مسلمین و نیز مسلمان حاکم کا مفصل بیان اس جزو دوم کے مقدمہ میں گزر چکا ہے، اس کا ملاحظہ ضروری ہے۔) جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے، اور جس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے۔ اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا، تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کر یا طلاق دے، ورنہ ہم تفریق کردیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو اس کی بیوی پر طلاق واقع کردے، اس میں کسی مدت وانتظار اور مہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں۔

سوال نمبر دو کا جواب

متعنت اگر اپنی حرکت سے اس وقت باز آجائے جب کہ حاکم اس کی زوجہ پر طلاق واقع کرچکے اور عدت بھی گزر چکے، تو اب اس کا کوئی اختیار زوجہ پر نہیں رہتا (کیوں کہ مدت گزرنے کے باوجود رجوع کا حق نہیں رہتا گو طلاق رجعی ہی ہو؛

البتہ تراضی طرفین سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے)

اور اگر انقضائے عدت سے پہلے پہلے اپنی حرکت سے باز آ جائے اور نفقہ دینے پر آمادہ ہوجاوے تو اس بارہ میں مالکیہ کے مذہب میں صریح روایت نہیں، اس لئے ارباب فتویٰ کے نزدیک دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ اس تفریق کو طلاق رجعی قرار دیا جائے اور عدت کے اندر اندر رجعت کو صحیح کہا جاوے۔

دوسرا یہ کہ طلاق بائنہ قرار دی جاوے۔ اور رجعت کا حق خاوند کو نہ دیا جاوے، لیکن علامہ صالح نے احتمال اول کو اقرب لکھا ہے۔ اور ہم کو بھی علامہ صالح کی رائے ان کے فتویٰ میں غور کرنے کے بعد درست معلوم ہوتی ہے۔ اس واسطے ہمارے نزدیک فتویٰ یہی ہے کہ عدت کے اندر اندر تعنت سے باز آ جانے کی صورت میں عورت کو اسی کے پاس رہنا پڑے گا۔ خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو؛ کیوں کہ رجعت ﴿جب رجعت صحیح ہوگئی تو عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا حرام ہے اور اسی مرد کے پاس رہنا ضروری ہے اس لئے عورت کو بھی لازم ہے کہ تجدید نکاح کرلے، لیکن اگر عورت اپنی بیوقوفی سے تجدید نکاح نہ کرے تو مرد کو جائز ہے کہ بدون تجدید ہی رکھ لے۔﴾ میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں، مگر احتیاطاً تجدید نکاح ہوجاوے تو بہتر ہے۔

غائب غیر مفقود کی زوجہ کا حکم

یہ حکم بھی فقہ مالکی سے لیا گیا ہے، تاکہ بوقت ضرورت شدیدہ مظلومہ کو نجات حاصل ہوسکے۔

سوالات

(۱) جو شخص غائب ہوجائے اور پتہ اس کا معلوم ہے؛ لیکن نہ وہ خود آتا ہے نہ بیوی کو اپنے پاس بلاتا ہے، نہ اس کے خرچ وغیرہ کا کچھ انتظام کرتا ہے، اور نہ طلاق دیتا ہے، اس وجہ سے عورت تنگ اور پریشان ہے، تو کیا اس کی عورت کے لئے کوئی سبیل ہے کہ اس غائب کی زوجیت سے اپنے آپ کو الگ کرے اور جائز طور پر دوسری جگہ نکاح کرسکے؟

(۲) درصورتِ جواز تفریق اگر تفریق کے بعد نکاح ثانی سے پیشتر یا نکاح ثانی کے بعد وہ شخص واپس آجائے اور نان نفقہ کا انتظام کرنے پر آمادہ ہو، تو کیا زوجہ اس کو مل جاوے گی؟ اور اگر واپس مل جاتی ہے تو کن شرائط اور کس تفصیل کے ساتھ ملتی ہے؟

جوابات

سوال نمبر ایک کا جواب

اس عورت کی رہائی کے واسطے جو صورت باتفاق ائمہ صحیح ہے، وہ تو یہ ہے کہ اس کے خاوند کو خلع پر راضی کیا جاوے۔ اور اگر وہ سنگ دل خلع پر بھی راضی نہ ہو تو پھر اگر یہ عورت صبر کر کے اپنا زمانہ عفت میں گزار سکے تو بہتر ہے، ورنہ جب گزارہ اور نان نفقہ کی کوئی صورت ممکن نہ ہو، تو سخت مجبوری میں یہ بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کے موافق صورت ذیل اختیار کر کے رہائی حاصل کر لے۔

وہ صورت یہ ہے کہ اوّلاً قاضی ﴿اور جہاں قاضی نہ ہو وہاں کا حکم مقدمہ میں مفصل گزر چکا ہے، اس کو ضرور دیکھ لیا جاوے۔﴾ کے پاس مقدمہ پیش کر کے گواہوں سے اس غائب کے ساتھ اپنا نکاح ہونا ثابت کرے۔ پھر یہ ثابت کرے کہ وہ مجھ کو نفقہ دے کر نہیں گیا اور نہ وہاں سے اس نے میرے لئے نفقہ بھیجا، نہ یہاں کوئی انتظام کیا، اور نہ میں نے نفقہ معاف کیا، غرض نفقہ کا وجوب بھی اس کے ذمہ ثابت کرے۔ اور یہ بھی کہ وہ اس واجب میں کوتاہی کر رہا ہے اور ان باتوں پر حلف بھی کرے اس کے بعد اگر کوئی عزیز قریب یا اجنبی اس کے نفقہ کی کفالت ﴿اگر کسی نے اس وقت نفقہ کی کفالت کر لی؛ لیکن پھر چھوڑ دیا تو عورت کو مکرر مرافعہ کا حق ہوگا۔﴾ کرے تو خیر ورنہ قاضی اس شخص کے پاس حکم بھیجے کہ یا تو خود حاضر ہو کر اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو یا اس کو بلا لو، یا وہیں سے کوئی انتظام کرو، ورنہ اس کو طلاق دے دو، اور اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات نہ کی پھر ہم خود تم دونوں میں تفریق کر دیں گے۔

اس پر بھی اگر خاوند کوئی صورت قبول نہ کرے تو قاضی ایک مہینہ کے مزید انتظار کا

حکم دے، اس مدت میں بھی اگر اس کی شکایت رفع نہ ہوئی ہو تو اس عورت کو اس غائب کی زوجیت سے الگ کردے۔ اور یہ ظاہر ہی ہے کہ تفریق کے لئے عورت کی طرف سے مطالبہ شرط ہے۔ پس اگر اس غائب کا جواب آنے کے بعد عورت مطالبہ ترک کردے تو پھر تفریق نہ کی جائے گی۔

تنبیہ ضروری

قاضی جو اس غائب کے پاس حکم بھیجے تو بذریعہ ڈاک وغیرہ بھیجنا کافی نہیں؛ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ حکم نامہ دو ثقہ (یعنی بذریعہ دو ثقہ آدمیوں کے جس کا ذکر تنبیہ میں آتا ہے۔) آدمیوں کو سنا کر ان کے حوالہ کردے کہ اس کو غائب کے پاس لے جاؤ۔ یہ دونوں شخص غائب کو حکم نامہ پہنچا کر اس سے جواب طلب کریں۔

اور جو کچھ جواب تحریری یا زبانی نفی یا اثبات میں دے اس کو خوب محفوظ رکھیں (بلکہ زبانی جواب کو بھی احتیاطاً لکھ لیں) تاکہ واپس ہو کر اس پر شہادت دے سکیں اور اگر وہ کچھ جواب نہ دے تو اسی کی شہادت دے دیں۔ الغرض قاضی جو حکم کرے ان دونوں کی شہادت پر کرے، محض خط کو کافی نہ سمجھے۔

فائدہ: اگر غائب شخص کسی دور دراز ملک میں ایسی جگہ پر ہو جہاں پوری جد و جہد اور امکانی کوشش کرنے کے باوجود بھی آدمی بھیجنے کا کوئی انتظام ممکن نہ ہو تو مذکور الصدر مجبوری کے وقت اس کی بھی گنجائش ہے کہ بغیر آدمی بھیجے ہوئے حاکم یا قائم مقام حاکم واقعہ کی تحقیق حسب قاعدہ مذکورہ کرنے کے بعد تفریق کا حکم کردے۔

سوال نمبر دو کا جواب

اگر یہ غائب حکم بالطلاق کے بعد آجاوے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(ا) ایک یہ کہ عدت کے اندر اندر واپس آجاوے اور باقاعدہ خرچ وغیرہ دینے پر آمادہ ہو۔ اس صورت میں تو اس کو رجعت کا حق ہے، اگر رجعت کرلے گا تو صحیح ہوجائے گی، اور اگر رجعت نہ کی تو عدت کے بعد نکاح ٹوٹ جائیگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عدت ختم ہو جانے کے بعد واپس آیا ہو، سو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس نے عورت کے دعوے کے خلاف کوئی بات ثابت کر دی مثلاً یہ کہ میں نے اس کو پیشگی خرچ دے دیا تھا، یا یہ کہ وہاں سے بھیجتا رہتا تھا، یا یہ کہ عورت نے نفقہ معاف کر دیا تھا تب تو اس کو ہر حال میں عورت مل جاوے گی، یعنی خواہ وہ عورت عدت کے بعد نکاح ثانی بھی کر چکی ہو حتیٰ کہ اگر شوہر ثانی سے اولاد بھی ہو چکی ہو تب بھی شوہر اول ہی کا نکاح باقی سمجھا جاوے گا، اور شوہر ثانی کا نکاح اب باطل قرار دیا جائے گا۔

اور خاوند نے عورت کے دعوے کے خلاف کوئی بات ثابت نہ کی تو عورت اس کو نہ ملے گی؛ کیوں کہ عدت ختم ہونے کے بعد رجعت کا حق نہیں رہتا۔

اور دوسری صورت کی پہلی شق میں جو شوہر اول کو عورت ملے گی اس کو نہ تجدید نکاح کی ضرورت ہے نہ تجدید مہر کی؛ البتہ شوہر ثانی سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہو تو عدت واجب ہے۔ یعنی عدت گزارنے سے پیشتر شوہر اول کو جماع اور اس کے دواعی کا ارتکاب جائز نہیں۔ اور شوہر ثانی کے ذمہ مہر واجب ہونے میں وہی تفصیل ہے جو مفقود کے بیان میں گزر چکی، یعنی اگر اس سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہے تو پورا مہر واجب ہے، ورنہ بالکل ساقط ہو جائے گا، و نیز احکام مفقود میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ عدت شوہر اول کے مکان میں گزارے گی۔ واللہ اعلم

''حیلۂ ناجزہ'' کا خلاصہ ختم ہوا۔ اب ''المختارات'' کا خلاصہ شروع ہوتا ہے۔

خلاصہ

رسالہ المختارات فی مہمات التفریق والخیارات

تمہید

بعد حمد وصلوٰۃ گذارش ہے کہ مسائل خمسہ مذکورہ کے علاوہ تین صورتیں اور بھی ہیں جن میں بکثرت فسخ نکاح کی ضرورت پیش آتی ہے اور قاضی نہ ہونے کی وجہ سے دقت کا سامنا ہوتا ہے؛ اس لئے ان صورتوں میں بھی گنجائش ہے کہ جس جگہ قاضی نہ ہو اور نہ کوئی مسلمان حاکم حکومت کی طرف سے اختیار رکھتا ہو، یا باوجود اختیار کے مطابق شرع فیصلہ نہ کرتا ہو، وہاں کم از کم تین عادل اور ثقہ لوگوں کی پنچایت میں معاملہ پیش کرکے نکاح فسخ کرالیا جاوے، پنچایت کی شرطیں اور اسکے متعلق ضروری مسائل جو ''حیلہ ناجزہ'' کے جز ودوم کے مقدمہ میں گزر چکے ہیں، ان کو دیکھ لینا ضروری ہے۔ وہ تین صورتیں یہ ہیں: (۱) حرمت مصاہرت (۲) خیار بلوغ (۳) خیار کفاءت۔

اب ان کی بقدر ضرورت تفصیل لکھی جاتی ہے، پورے احکام بوقت ضرورت علماء کتب فقہ میں دیکھ لیں اور عوام علمائے کرام سے دریافت کرلیں۔

حرمتِ مصاہرت

اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کر بیٹھے ﴿لمس و تقبیل (یعنی چھونے اور بوسہ لینے کے وقت) اگر مرد کو شہوت نہ تھی، مگر عورت کو ہوگئی تب بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح اگر

عورت نے ہاتھ لگایا ہے یا تقبیل کی ہے تب بھی دونوں میں سے ایک کو شہوت ہونا کافی ہے: البتہ نظر کے موجب حرمت ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جو دیکھے اس کو شہوت ہو صرف دوسرے کی طرف سے شہوت ہونا موجب حرمت نہیں، ونیز لمس اور تقبیل میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ ایسا کپڑا حائل نہ ہو، جو بدن کی گرمی محسوس ہونے کو روک دے، پس اگر کسی نے باوجود ایسا کپڑا حائل ہونے کے کپڑے کے اوپر سے لمس و تقبیل و نظر ہی سے انزال ہوجائے تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔﴿ یا شہوت کے ساتھ اس کو صرف ہاتھ لگادے، یا شہوت سے بوسہ لے، یا شرم گاہ کے اندرونی حصہ کو بشہوت دیکھ لے تو ان سب صورتوں میں حرمتِ مصاہرت قائم ہوجاتی ہے۔ یعنی اس مرد پر اس عورت کی بیٹی اور ماں وغیرہ سب اصول وفروع نسبی ورضاعی حرام ہوجاتے ہیں، اور اس عورت پر اس مرد کا بیٹا اور باپ سب اصول وفروع نسبی ورضاعی حرام ہوجاتے ہیں۔

اسی طرح عورت کسی مرد کو شہوت سے ہاتھ لگادے، یا شہوت سے اس کا بوسہ لے لے، یا عضوِ مخصوص پر نظر شہوت ڈالے، تب بھی مصاہرت کا علاقہ قائم ہوکر مرد پر عورت کے تمام اصول وفروع نسبی ورضاعی اور عورت پر مرد کے تمام اصول وفروع نسبی ورضاعی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتے ہیں۔ اور حرمت مصاہرت کے لئے ان افعال کا قصداً کرنا شرط نہیں؛ بلکہ اگر کسی سے بے خبری میں بھی کوئی فعل سرزد ہوجائے، مثلاً بیوی سمجھ کر خوش دامن کو شہوت کی حالت میں ہاتھ لگادیا تب بھی بیوی حرام ہوجاتی ہے؛ اس لئے خاوند کو بیوی کے اصول وفروع مؤنثہ سے اور عورت کو مرد کے اصول وفروع مذکرہ سے سخت احتیاط ﴿یعنی نہ ایسی حرکاتِ شنیعہ کا قصداً ارتکاب کرے نہ ایسا کوئی کام کرے جس میں کوئی احتمال ہو، مثلاً جس کمرہ میں بیوی لیٹی ہے اگر وہاں دوسری مستورات بھی ہوں تو جب تک اس کو جگا کر اور بات چیت کرکے پورا یقین نہ ہوجائے کہ یہ بیوی ہے اس وقت تک ہاتھ ہرگز نہ لگاوے، پلنگ معین ہونے وغیرہ کو ہرگز کافی نہ سمجھے کہ اس میں بعض مرتبہ غلطی ہوجاتی ہے۔﴾ لازم ہے کہ ان کو

بشہوت ہاتھ لگانے وغیرہ میں علاوہ معصیت شدیدہ کے یہ بڑی خرابی ہے کہ میاں بیوی میں حرمت مصاہرت کا علاقہ ہو جاتا ہے۔

یعنی اگر خاوند سے اپنی بیوی کے اصول یا فروع مؤنثہ میں سے کسی کے ساتھ کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے یا بیوی کے اصول وفروع مؤنثہ میں سے کسی مرد کے ساتھ ایسے افعال میں سے کسی فعل کا ارتکاب کیا ہو جو حرمت مصاہرت کا موجب ہے، مثلاً شہوت کے ساتھ خوش دامن کو ہاتھ لگ جائے، یا بیوی اپنے شوہر کے اصول وفروع مذکرہ مثلاً خسر کے ساتھ کوئی فعل موجب حرمت مصاہرت کر بیٹھے، یا خسر وغیرہ نے اس قسم کے فعل کا ارتکاب کیا ہو، تو ان سب صورتوں میں یہ بیوی اس خاوند پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے، خواہ یہ افعال کسی نے دانستہ کئے ہوں، خواہ بھول چوک میں ہو گئے ہوں ہر حال میں ایک ہی حکم ہے، جیسا کہ ابھی گزر چکا۔

اگر کوئی واقعہ ایسا ہو جاوے تو عورت کو بھی لازم ہے کہ اپنے خاوند کے پاس ہرگز نہ رہے اور مرد کے ذمہ بھی واجب ہے کہ فوراً اس عورت کو الگ کردے، اور زبان سے بھی کہہ دے کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، یا لفظ طلاق کہہ دے کہ: میں نے تجھ کو طلاق دے دی، اور اس کہنے کے بعد عدت گزرنے پر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے؛ لیکن اگر خاوند بد دینی اختیار کرے اور عورت کو الگ نہ کرے تو جس طرح ممکن ہو عورت کو اس کے پاس سے چلا جانا نہایت ضروری ہے؛ کیوں کہ اسکے ساتھ میاں بیوی کا تعلق رکھنا حرام ہو چکا، مگر جب تک خاوند زبان سے نہ کہہ دے کہ میں نے الگ کر دیا ہے، یا قاضی تفریق نہ کر دے اس وقت تک دوسری جگہ بھی اس عورت کا نکاح درست نہیں ہوسکتا۔ پس عورت اگر دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو قاضی کے پاس نالش کر کے تفریق کا حکم حاصل کرے، اور جس علاقہ میں قاضی نہ ہو وہاں اگر کوئی مسلمان حاکم حکومت وقت کی جانب سے ایسے معاملات میں تفریق کا اختیار رکھتا ہے تو اس کے پاس مقدمہ پیش کرے، ورنہ مسلک مالکیہ کے مطابق جماعت مسلمین

﴿ہم اصل رسالہ کے دیباچہ میں حاشیہ پر یہ مضمون واضح کر چکے ہیں کہ جب دو عمل جداگانہ ہوں تو تلفیق جائز ہے، مگر ہم نے مزید احتیاط کے لئے اصل رسالہ میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں لیا جس میں تلفیق خارق اجماع لازم آجائے، اور تتمہ کے تین مسئلوں میں سے بھی دو مسئلوں میں اس کی رعایت موجود ہے، مگر صرف اس ایک مسئلہ یعنی حرمت مصاہرت میں جماعت مسلمین کا فیصلہ ایسا ہے جس میں بظاہر تلفیق خارق اجماع لازم آتی ہے، یعنی مذہب حنفیہ میں تو جماعت مسلمین کا فیصلہ معتبر نہیں اور مالکیہ کے مشہور ومختار مذہب کی بناء پر بعض خاص صورتوں میں لمس بالشہوۃ وغیرہ سے حرمت مصاہرت متعلق نہیں ہوتی، گو بعض صورتوں میں قول معتمد ومشہور کے موافق اور بعض میں ایک قول پر ان کے مذہب میں بھی اس کو اختیار کیا گیا ہے مگر ہم ان کو عمل واحد خیال نہیں کرتے؛ بلکہ جماعت مسلمین کو قاضی کے حکم میں سمجھنا ایک مستقل مسئلہ ہے، اور حرمت مصاہرت کو تفریق کا سبب کہنا دوسرا مستقل مسئلہ ہے، جیسے وضو جداگانہ عمل ہے اور نماز جداگانہ اور توضیح اس کی اصل رسالہ کے دیباچہ میں حاشیہ پر کر دی گئی ہے، اس لیے تلفیق کی یہ صورت ہمارے نزدیک جائز ہے تاہم عمل کے وقت احتیاط یہ ہے کہ عمل کرنے والا جواز تلفیق کے بارہ میں کسی اپنے معتقد فیہ عالم محقق سے رجوع کر کے ان کے فتویٰ پر عمل کرے۔ واللہ اعلم﴾ سے رجوع کیا جاوے، اور جماعت مسلمین کا مفصل بیان اصل رسالہ (یعنی حیلۃ الناجزہ) کے جزو دوم کے مقدمہ میں گزر چکا ہے، اس سب کو غور کے ساتھ دیکھ لینا ضروری ہے۔

طریق فیصلہ

جب عورت دعویٰ کرے کہ میرے اور خاوند کے اصول وفروع میں سے فلاں مرد کے درمیان یا خاوند اور میرے اصول وفروع میں سے فلاں عورت کے درمیان ایسا ایسا واقعہ پیش آیا ہے، جو حرمت مصاہرت کا موجب ہے؛ لہٰذا مجھ کو میرے خاوند سے

الگ کر دیا جاوے، تو قاضی یا اس کا قائم مقام اولاً شوہر سے بیان لے اگر اس نے عورت کے بیان کی تصدیق کر دی تب تو تفریق کا حکم کر دیا جائے۔ اور اگر خاوند نے اس دعوے کی تصدیق نہ کی تو عورت سے گواہ طلب کئے جائیں گے، اگر گواہ پیش نہ ہوں یا ان میں شرائط شہادت موجود نہ ہوں تو خاوند سے حلف لیا جائے، اگر وہ حلف کر لے تو مقدمہ ﴿ایک بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ اگر واقعہ زنا کا پیش آیا ہو تو دعوے میں زنا کو صراحۃً ظاہر نہ کیا جاوے؛ کیوں کہ زنا کے دعوے پر چار گواہ پیش نہ ہو سکے تو حد قذف کا اندیشہ ہے؛ بلکہ صرف مباشرت فاحشہ وغیرہ کو بیان کرے، یعنی یہ کہے کہ شرمگاہ کو شرمگاہ سے بغیر حائل کے ملایا گیا ہے۔﴾ خارج کر دیا جاوے، یعنی نہ تفریق کی جائے اور نہ یہ حکم کیا جائے کہ عورت بدستور شوہر کے ساتھ رہے۔ اور اگر قاضی نے عورت کو اس کی زوجیت میں رہنے کا حکم دے دیا تو اس کا حکم مسئلہ دوم میں عنقریب آتا ہے اور اگر وہ حلف سے انکار کر دے تو تفریق کر دی جائے۔

حلف وتصدیق اور شہادت کے متعلق ضروری توضیح

اگر دعویٰ خاوند کے فعل پر ہو، مثلاً یہ کہ اس نے زوجہ کے اصول وفروع میں سے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ پکڑا ہے، تب تو خاوند سے حلف اس بات پر لیا جاوے کہ اس نے یہ فعل ہرگز نہیں کیا یا بشہوت نہیں کیا۔ اور اگر دوسرے کے فعل پر دعویٰ تھا، مثلاً عورت یوں کہے کہ مجھے خسر ﴿اور اس صورت میں اس شوہر کے ساتھ رہنا اور اپنے نفس پر قدرت دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا حکم عنقریب مسئلہ دوم میں آتا ہے۔﴾ نے بشہوت پکڑا ہے تو خاوند سے اس طرح حلف لیا جاوے گا کہ خدا کی قسم ﴿ثبوت حرمت کے لئے پکڑنا اور ہاتھ لگانا وہی معتبر ہوگا جس کی تفصیل ماقبل کے حاشیہ میں گزر چکی ہے، مطلقاً پکڑنا یا ہاتھ لگانا معتبر نہیں۔﴾ میرا زیادہ تر خیال یہ ہے کہ عورت اس دعوے میں سچی نہیں، اور اس واقعہ کا ہونا یا شہوت کے ساتھ ہونا میرے دل کو نہیں لگتا۔

(۳) شامی وغیرہ کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ غلبۂ ظن اور اکبر رائے کی نفی پر حلف کرلینا کافی ہے ہمارے محاورہ میں یہ الفاظ اس کا ترجمہ ہے، اگر کسی جگہ کا عرف اس کے خلاف ہو تو اہل عرف سے تحقیق کرکے وہاں کے مناسب الفاظ تحریر کرلئے جائیں۔

اور اگر گواہی میں یہ تفصیل ہے کہ دہن اور رخسار پر بوسہ دینے اور شرم گاہ یا عضو مخصوص چھونے اور پستان چھونے کے دعوے میں تو صرف ان افعال کی شہادت دینے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی، شہوت کا انکار مسموع نہ ہوگا، اور تفریق کا حکم کردینا لازم ہوگا، اور پیشانی یا سر وغیرہ پر بوسہ دینے اور باقی بدن چھونے میں اگر یہ شہادت ہو کہ یہ افعال شہوت کے ساتھ ہوئے تھے اور اس کا علم قرائن سے شاہدین کو ہوسکتا ہے، تو اس گواہی سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی، ورنہ صرف افعال پر شہادت دینا کالعدم ہے اس کی بناء پر تفریق کا حکم نہ کیا جاوے گا؛ بلکہ خاوند سے حلف لیا جاوے کہ یہ افعال شہوت سے نہیں تھے، اگر حلف کرلے تو خیر ورنہ تفریق کا حکم کردیں گے۔

ایک ضروری فائدہ

یہ تو ظاہر ہے کہ حرمت مصاہرت جن واقعات سے ثابت ہوتی ہے ان میں احد الزوجین کے ساتھ ایک اور کی بھی شرکت ہوتی ہے اور واقعہ کی صحت وعدم صحت، ونیز شہوت کے وجود وعدم کا اس کو بھی علم ہوتا ہے؛ لیکن باوجود سعی بسیار کہیں یہ جزئیہ نہیں ملا کہ مقدمہ میں اس سے بیان لیا جائے گا یا نہیں؟ اور اگر اس کا بیان ہو تو وہ کیا حیثیت رکھتا ہے؛ لیکن قواعد میں غور وخوض کے بعد رجحان اس طرف ہوا ہے کہ وہ مدعا علیہ نہیں اس واسطے اس کو مدعا علیہ بنا کر بیان پر مجبور نہ کیا جاوے؛ بلکہ اس کو ایک شاہد سمجھا جاوے۔ اور اس کی شہادت معتبر ہونے نہ ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ شخص اپنے دوسرے افعال واقوال کے اعتبار سے عادل ہو، اور اس واقعہ میں بھی کسی ایسے فعل کا اقرار نہیں ہے جو مسقط عدالت ہو، (مثلاً وطی بالشبہہ وغیرہ کا بیان دے) تب تو اس کی شہادت مقبول

ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا فعل بیان کرے جس سے اس کا فسق ثابت ہوتا ہو، تو اس کی یہ شہادت معتبر ہوگی یا نہیں؟ اس میں بعض وجوہ سے تردد ہے بوقت ضرورت کتب مذہب اور علماء سے تحقیق کرلی جاوے۔ البتہ اگر یہ مرد ہو تو جو اس نے شہادت دی ہے وہ خود اس کے حق میں اقرار ہے، اگر آئندہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جو اس عورت کے اصول وفروع میں سے ہو، یا پہلے سے کوئی ایسی عورت اس کے نکاح میں ہو تو ماخوذ بالاقرار ہوگا۔ کما لا یخفی واللہ أعلم بالصواب.

مسئلہ اول: اگر خاوند کو غالب گمان ہو کہ ایسا واقعہ ضرور ہوا ہے جس سے حرمت مصاہرت متحقق ہوگئی، تو اس کا انکار کرنا حرام ہے، اگر اس نے جھوٹا حلف کرلیا اور اس پر قاضی نے فیصلہ کر دیا تو اس کی تفصیل عنقریب مسئلہ دوم میں آتی ہے۔

مسئلہ دوم: اگر عورت کا دعویٰ صحیح تھا مگر شہادت معتبرہ پیش نہ ہوسکی اور خاوند نے حلف کرلیا اس واسطے قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا، یعنی نہ تفریق کی اور نہ زوجیت میں رہنے کا حکم کر دیا، تو اس عورت کے لئے جائز نہیں کہ اپنے اختیار سے شوہر کو اپنے نفس پر قدرت دے؛ بلکہ خلع وغیرہ کے ذریعہ اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کرنے کی کوشش کرے، اور اگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہو تو جب تک اپنا بس نہ چلے اس شوہر کو پاس نہ آنے دے، اور اگر قاضی نے عورت کو دعویٰ رد کرنے کے ساتھ یہ حکم بھی جاری کر دیا کہ بدستور اس شوہر کی زوجیت میں رہے تو اس صورت میں عورت کو تمکین جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق نہ تو کوئی جزئیہ ملا اور نہ قواعد سے کچھ احقر کی فہم ناقص میں آیا۔

لیکن حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ اس صورت میں بھی عورت کو تمکین جائز نہیں، نیز یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مجھ کو اس میں شرح صدر ہے کچھ تردد نہیں، اور مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند نے بھی اس میں موافقت فرمائی، مگر احقر کو ہنوز شرح صدر نہیں ہوا۔ ہاں یہ ظاہر ہے کہ جب تک کسی جزئیہ سے یا قواعد سے شرح صدر کے ساتھ جواز تمکین ثابت نہ ہو اس وقت تک حضرت والا کے ارشاد پر عمل واجب ہے۔ واللہ اعلم

خیارِ بلوغ

نابالغ ﴿اگر کوئی بااولاد عورت یا مرد مجنون ہو جاوے تو اس کا سب سے مقدم ولی بیٹا ہے، اور بیٹے کا کیا ہوا نکاح سب احکام میں اسی نکاح کے برابر ہے جو باپ نے کیا ہو۔﴾ لڑکے اور لڑکی کا سب سے مقدم ولی باپ ہے، اگر باپ نابالغ کا نکاح کردے تو وہ نکاح لازم ہو جاتا ہے، یعنی بلوغ کے بعد بھی لڑکے لڑکی کو اس کے فسخ کرانے کا اختیار نہیں رہتا، خواہ کفو میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں۔﴿یہ حکم جب ہے جب کہ نکاح کرنے کے وقت باپ کو غیر کفو ہونے کا علم ہو، اور اگر اس نے زوج یا ولی زوج وغیرہ کے بیان کی بناء پر کفو سمجھ کر کیا تھا اور بعد میں ثابت ہوا کہ کفو نہیں تو اس کا حکم خیار کفاءت میں معلوم ہوگا۔﴾ اور مہر مثل مقرر ہوا ہو یا مہر میں غبن فاحشہ کیا ہو (غبن فاحش لڑکی کے بارہ میں تو یہ ہے کہ اس کے مہر مثل سے اتنی کمی کردی ہو جتنی کمی عموماً گوارا نہیں ہوسکتی، اور لڑکے کے بارہ میں یہ ہے کہ اس کا نکاح جس لڑکی سے ہوا ہے اس لڑکی کے مہر مثل سے اتنا زیادہ مہر مقرر کیا کہ اس زیادتی کو عموماً ناگوار سمجھا جاتا ہو)

مگر غیر کفو کے ساتھ اور غبن فاحش پر نکاح کے صحیح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں: ﴿اگر باپ دادا خود نکاح پڑھادیں تب بھی یہی حکم ہے، اور اگر مقدار مہر معین کرکے کسی معین شخص سے نکاح پڑھانے کے لئے کسی کو وکیل بنادیا ہے تب بھی یہی حکم ہے؛ لیکن اگر کسی شخص کو مہر کی مقدار اور شوہر کی تعین کئے بدون ہی وکیل بنادیا کہ میری لڑکی کا کسی جگہ نکاح کردو تو اس وکیل کو غیر کفو سے اور غبن فاحش پر نکاح کرنے کا اختیار نہیں، اگر کردیا تو باطل ہے۔﴾ اوّل یہ کہ وہ شخص نکاح کرنے کے وقت ہوش و

حواس سالم رکھتا ہو، پس اگر نشہ کی حالت میں ایسا کیا تو نکاح بالکل ہی باطل ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ معروف بسوء الاختیار نہ ہو، یعنی اس کے قبل کوئی واقعہ ایسا نہ ہوا ہو جس کی بناء پر عموماً خیال ہو جائے کہ یہ شخص معاملات میں لالچ وغیرہ کی وجہ سے مصلحت اور انجام بینی کو مدنظر نہیں رکھتا، پس اگر کوئی شخص لالچ یا ناعاقبت اندیشی کے سبب بدتدبیری میں مشہور و معروف ہو، وہ اگر نابالغ بیٹے یا بیٹی کا نکاح غیر کفو سے کر دے یا مہر میں غبن فاحش کرے تو وہ نکاح بھی بالکل باطل ہے اور جو فاسق متہتک یعنی بے باک اور بے غیرت ہو وہ بھی سیٔ الاختیار کے حکم میں ہے اس کو خوب یاد رکھیں اکثر لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ اور ان دونوں شرطوں کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے نکاح کیا ہے اس وقت اس کی ظاہری حالت سے کم از کم خیر خواہی کی توقع ہو سکتی ہو۔

اور جب باپ نہ ہو تو دادا اولیٰ ہوتا ہے، اور دادا جو نکاح کر دے اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو باپ کے متعلق گزر چکی ہے، یعنی مذکورہ دو شرطیں اگر پائی جاویں تب تو نکاح لازم ہو جاتا ہے، ورنہ بالکل باطل ہے۔

اور دادا کے بعد بھائی چچا وغیرہ کو بالترتیب ﴿شریعت نے خاص ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے ولایت کا حق بہت لوگوں کو دیا ہے، جس کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔﴾ حق ولایت پہنچتا ہے، مگر وہ باپ دادا کے برابر نہیں؛ بلکہ ان کا جدا حکم ہے، یعنی اگر باپ دادا کے سوا کوئی دوسرا ولی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا غیر کفو میں نکاح کر دے یا مہر غبن فاحش کے ساتھ مقرر کر دے تب تو نکاح بالکل ہی نہیں ہوتا، خواہ اس نے نہایت ہی خیر خواہی سے ایسا کیا ہو۔

اور اگر کفو کے ساتھ مہر مثل پر کیا ہو تو اس وقت نکاح صحیح ہو جاتا ہے؛ لیکن لازم نہیں ہوتا یعنی لڑکے لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار ہوتا ہے کہ اس نکاح کو باقی رکھیں یا فسخ کرالیں جس کی شرط ابھی آتی ہے اور اس اختیار کو خیارِ بلوغ کہا جاتا ہے۔

اور خیارِ بلوغ میں نکاح فسخ ہونے کے لئے قضائے قاضی ہر حال ﴿یعنی چاہے

لڑکا بالغ ہو کر فسخ کا خواہاں ہو یا لڑکی ﴿ میں شرط ہے، بدون قضائے قاضی کسی حال میں نکاح فسخ نہیں ہوسکتا، اور جہاں قاضی نہ ہو وہاں مسلمان حاکم یا پنچایت (جس کے شرائط حیلہ ناجزہ جزو دوم کے مقدمہ میں مذکور ہیں) علی الترتیب فسخ کرسکتی ہے۔

تنبیہ ضروری

بالغ ہونے پر فسخ نکاح کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے اس میں اس امر کا خیال رکھنا بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ کب تک باقی رہتا ہے، اور کس کس وجہ سے نکاح لازم ہو کر فسخ کا اختیار باطل ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے تا کہ عمل کے وقت اس کا خاص طور پر دھیان رکھا جائے۔ تفصیل یہ ہے کہ جو لڑکی بالغ ہونے پر نکاح تڑوانا چاہتی ہے، اگر وہ باکرہ ہو ﴿ باکرہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ نہ اس خاوند سے ہمبستری کی نوبت آئی ہو نہ اس سے قبل اور خاوند سے۔ ﴾ تو اس کو اختیار فسخ حاصل ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جس وقت آثارِ بلوغ ﴿ یہ جب ہے کہ پندرہ سال سے قبل آثار بلوغ ظاہر ہو جائیں، ورنہ جس وقت پورے پندرہ سال کی عمر ہو جائے اس وقت کا اعتبار ہوگا، مثلاً کوئی لڑکی رمضان ۴۰ھ کی ۷/ تاریخ کو عین طلوع آفتاب کے وقت پیدا ہوئی اور رمضان ۵۵ھ تک کوئی علامت بلوغ کی نہ پائی گئی تو ۷ رمضان ۵۵ھ کو ٹھیک طلوع آفتاب کے وقت اس کو شرعاً بالغ سمجھا جائے گا۔ پس اگر اس باکرہ نے اسی وقت فوراً زبان سے نکاح فسخ کر دیا تب تو اس کا اعتبار ہوگا، ورنہ اگر ذرا بھی تاخیر کی تو خیارِ بلوغ باطل ہو گیا اور اسی طرح ثیبہ نے یا لڑکے نے وقت مذکور کے بعد قولاً یا فعلاً رضامندی ظاہر کر دی تو نکاح لازم ہو جائے گا، اور یہ بھی یاد رکھیں کہ عمر کا حساب قمری سال سے کیا جائے۔ انگریزی وغیرہ کا اعتبار نہیں۔ ﴾ ظاہر ہوں اسی وقت فوراً بلا کسی تاخیر کے زبان سے یہ کہہ دے کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں چاہے اس وقت کوئی اس کے پاس موجود ہو یا نہ ہو ہر حال میں فوراً زبان سے کہنا شرط ہے؛ البتہ اگر کھانسی یا

چھینک وغیرہ کی وجہ سے فوراً بولنے کی قدرت نہ ہوئی، یا کسی نے جبراً منہ بند کردیا ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے جو تاخیر ہو جاوے اس کے باعث خیار فسخ باطل نہیں ہوتا بشرطیکہ مجبوری رفع ہوتے ہی فوراً کہہ دیا ہو اور بدون کسی مجبوری کے اگر زبان سے کہنے میں ذرا بھی دیر کی تو یہ اختیار باطل ہو گیا، اور فسخ کرانا جائز نہ رہا۔

اگر غلط بیان کر کے نکاح فسخ کرالے گی تو سخت گنہگار ہوگی۔ نیز باکرہ کو اس کی بھی ضرورت ہے کہ زبان سے کہنے پر کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالے، تاکہ قاضی وغیرہ کے پاس معاملہ پیش ہونے پر کام آویں، اور گواہ بنانے کا تفصیلی حکم عنقریب بعنوان "فائدہ موعودہ" آوے گا، اس کو ضرور دیکھ لیا جاوے۔

اور اگر وہ لڑکی ثیبہ ﴿ ثیبہ وہ ہے جس سے ہم بستری ہو چکی ہو، خواہ اس خاوند سے یا اس سے پیشتر کسی اور خاوند سے۔ ﴾ ہے تو پھر اس کو فوراً کہنا ضروری نہیں بلکہ جب تک رضامند نہ ہوگی اس وقت تک منظور رکھنے نہ رکھنے کا اختیار باقی رہتا ہے، چاہے کتنا ہی زمانہ گزر جاوے، صرف خاموش رہنے کی وجہ سے ثیبہ کا خیار بلوغ باطل نہیں ہوتا۔ البتہ اگر بعد بلوغ زبان سے کہہ دے گی کہ یہ نکاح منظور ہے۔

یا کوئی کام ﴿ مثلاً خاوند نے اس کی رضامندی سے بوسہ وغیرہ لے لیا یا ہم بستری کرلی ﴾ ایسا کرے گی جس سے رضامندی پائی جاوے تو اختیار باطل ہو جائے گا اور لڑکے کا حکم بھی یہ ہے جو ثیبہ کا ہے۔ یعنی بالغ ہوتے ہی فوراً زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ جب تک قولاً یا فعلاً ﴿ فعلاً منظور کرنے سے مراد وطی یا اس کے دواعی وغیرہ ہیں۔ ﴾ منظور نہ کرے اس وقت تک اختیار باقی رہتا ہے۔

پس اگر کسی لڑکے یا ثیبہ لڑکی نے بعد بلوغ ایک مرتبہ بھی زبان سے کہہ دیا کہ یہ نکاح منظور ہے، تو اب فسخ کا مطالبہ حرام ہے، خواہ اس منظوری کو بالکل تنہائی میں یا آہستہ کہنے کی وجہ سے کسی اور نے سنا بھی نہ ہو، اسی طرح اگر بلوغ کے بعد تقبیل وغیرہ کی نوبت آ گئی ہو، تب بھی خیار فسخ نہیں رہتا۔

اور یہ سب تفصیل جب ہے جب کہ بلوغ سے پیشتر ان کو نکاح کی اطلاع ہوچکی ہو اور اگر کسی کو بلوغ سے پیشتر نکاح کی خبر ہی نہ ہوئی ہو تو جب خبر ملے تب خیار بلوغ حاصل ہوگا اور لڑکی لڑکے کے واسطے اختیار باقی رہنے نہ رہنے کی جو تفصیل ابھی گزری ہے اس سب کا لحاظ خبر ملنے کے وقت سے کیا جائے گا۔

فائدہ موعود

باکرہ لڑکی بالغ ہونے پر جب نکاح نامنظور کرے تو اس کو نامنظوری پر گواہوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے، جیسا کہ پیشتر گزر چکا ہے؛ لیکن وہ مختصر تھا اس واسطے تفصیل لکھی جاتی ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ اشہاد (یعنی گواہ بنانے) کی دو صورتیں ہیں: (۱) اول یہ کہ جس وقت بالغ ہوئی ہے اس وقت اگر اس کے پاس گواہ موجود ہیں تب تو اسی وقت اس کو کہہ دینا چاہئے کہ میں اب بالغ ہوئی ہوں، اور اس نکاح کو فسخ کرانا چاہتی ہوں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس وقت گواہ پاس نہ ہوں اس صورت میں زبان سے فوراً نامنظور کر کے گواہوں کو بلا لیا جاوے، یا خود ان کے پاس چلی جاوے، اور گواہ چاہے جلدی مل جاویں یا دیر میں بہر صورت ان کے سامنے یہی کہنا چاہئے کہ میں اب بالغ ہوئی ہوں اور نکاح فسخ کرانا چاہتی ہوں۔

یہ ہرگز ظاہر نہ کرے کہ تھوڑی دیر ہوئی بالغ ہوچکی ہوں، حتیٰ کہ اگر گواہ صراحۃً بھی دریافت کریں کہ تو کب بالغ ہوئی ہے تب بھی مفصل واقعہ ذکر نہ کرے؛ بلکہ یہی جواب دے کہ میں اب بالغ ہوئی ہوں، یا صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے بالغ ہوتے ہی نکاح کو توڑ دیا ہے؛ کیوں کہ اگر مفصل واقعہ گواہوں سے ظاہر کردے گی تو ان کو گول مول گواہی دینا جائز نہ ہوگا، اور تفصیلی شہادت دی تو یہ شہادت اس کے حق میں مفید نہ ہوگی۔ اور مجمل واقعہ سن کو گواہی دینا جائز ہے ان کو نہ اس کی ضرورت ہے کہ تفصیل دریافت کریں نہ اس کا حق ہے۔

قاضی کے یہاں درخواست دینے کی صورتیں

پھر قاضی کے یہاں درخواست دینے کی تین صورتیں ہیں:

﴿ایک امر قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ ان تین صورتوں میں سے پہلی صورت میں یعنی جب گواہ ہو چکے ہوں تو اس کو ایک ماہ تک درخواست کی مہلت ہے۔ اگر ایک ماہ گزر گیا تو خیار فسخ جاتا رہا اور دوسری صورت میں حتی الوسع جلدی کرنا لازم ہے؛ لیکن اس تعجیل کی کوئی خاص تحدید کتب فقہ میں باوجود تلاش کے نہیں ملی؛ البتہ خلاصۃ الفتاویٰ کی ایک روایت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ چند روز تک مقدمہ پیش نہ ہوا تو خیار ساقط ہو جاوے گا۔ اور تیسری صورت کا حکم بھی قواعد سے وہی معلوم ہوتا ہے جو دوسری صورت کا، تنبیہ: چوں کہ اس حاشیہ کا یہ سب مضمون قواعد سے لکھا گیا ہے، اس لئے عمل کے وقت احتیاطاً اپنے کسی معتقد فیہ عالم محقق سے بھی دریافت کر لینا ضروری ہے۔﴾

(۱) اگر قاعدہ کے موافق گواہ ہو چکے ہیں تب تو قاضی یا اس کے قائم مقام کی عدالت میں یوں درخواست پیش کرے کہ میں فلاں روز بالغ ہونے پر نکاح کو نامنظور کر چکی ہوں، اور نامنظوری کے فلاں فلاں گواہ ہیں اس واسطے میرا نکاح فسخ کر دیا جائے۔ اس درخواست پر شہادت کے بعد تفریق ہو جاوے گی۔

(۲) اگر کسی کو معتبر گواہ میسر نہ ہوں یا گواہوں سے اس قسم کی تفصیل ظاہر کر دی جس سے ان کو مفید گواہی دینا جائز نہ رہا تو پھر یہ صورت ہے کہ حتی الوسع جلد درخواست پیش کرے اور درخواست میں یہ ظاہر نہ کیا جاوے کہ کب بالغ ہوئی ہے؛ بلکہ صرف اتنا کہے کہ میں نے بالغ ہوتے ہی نکاح فسخ کر دیا ہے؛ لہٰذا فسخ کا حکم دے دیا جائے۔ اگر قاضی دریافت بھی کرے کہ کب بالغ ہوئی ہے؟ تب بھی نہ بتلاوے اگر بتلا دیا تو پھر تفریق نہ ہو سکے گی، اور ایسی درخواست پر حلف لے کر نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔

(۳) ایک صورت درخواست کی یہ ہے کہ صاف کہہ دے کہ میں ابھی بالغ ہوئی

فائدہ: اسی سے اس صورت کا بھی حکم معلوم ہو گیا جس میں عورت کو شوہر کے غیر کفو ہونے کا علم نہ ہوا اور کفو ہونے کی شرط کر کے یا بلا شرط نکاح کیا ہو اور بعد میں معلوم ہو جائے کہ وہ شخص کفو نہیں ہے تو عورت پر واجب ہے کہ معلوم ہوتے ہی اس سے الگ ہو جائے کیوں کہ قول مفتی بہ کے موافق غیر کفو سے بدون اذن ولی نکاح درست نہیں ہوتا تو جس وقت اس کا غیر کفو ہونا ظاہر ہو گیا اس وقت ثابت ہو گیا کہ نکاح اول ہی سے باطل تھا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ باپ دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے نابالغ کا نکاح غیر کفو میں کر دیا ہو، یا باپ دادا نے کیا مگر وہ معروف ﴿معروف بسوء الاختیار اور فاسق متہتک کے معنی خیار بلوغ کے بیان میں مفصل گزر چکے ہیں وہاں دیکھ لئے جاویں۔﴾ بسوء الاختیار یا فاسق متہتک ہو یا نشہ کی حالت میں نکاح کیا ہو، اس صورت میں بھی نکاح بالکل باطل ہے۔

تیسری صورت یہ کہ باپ دادا نے بدرستی ہوش وحواس نابالغ کا نکاح غیر کفو میں کیا ہے، اور وہ باپ دادا نہ فاسق متہتک ہو نہ معروف بسوء الاختیار، اس صورت میں نکاح لازم ہو جاتا ہے، اس نکاح کو فسخ کرانے کا بھی اختیار نہیں ہے۔

اور یہ حکم عام ہے، خواہ باپ دادا کو بوقت نکاح عدم کفاءت کا علم تھا یا نہ تھا، بہر دو صورت نکاح صحیح اور لازم ہو جاتا ہے؛ البتہ اگر دوسری صورت یعنی عدم علم کی صورت میں کفاءت کی شرط پر نکاح کیا ہو تو اس کا حکم جدا ہے جو صورت ششم میں آتا ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ بالغہ عورت کا نکاح باجازت ولی عدم کفاءت کا علم ہوتے ہوئے غیر کفو میں ہوا، حکم اس کا یہ ہے کہ نکاح صحیح اور لازم ہو جاتا ہے، اور کسی کو فسخ کا اختیار نہیں رہتا۔ یہ حکم سب اولیاء کے لئے عام ہے، خواہ باپ دادا ہوں یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا ولی ہو لیکن فرق اتنا ہے کہ اگر لڑکی باکرہ ہے اور اب وجد کی ولایت سے نکاح ہوا ہے، تو اجازت کے لئے محض اس کا سکوت کافی ہوگا اور اگر لڑکی ثیبہ ہے یا اب وجد کے علاوہ کسی دوسرے ولی کی ولایت میں نکاح ہوا ہے، تو اجازت صریحہ کی

ہوں اور یہ نکاح مجھے منظور نہیں، اس واسطے فسخ کرانا چاہتی ہوں، اس صورت میں نہ کسی گواہ کی حاجت ہے نہ حلف کی؛ بلکہ بدون شہادت اور حلف ہی قاضی اس درخواست کو قبول کر کے نکاح کو فسخ کر دے۔

تنبیہ: اگر حقیقتاً بالغ ہوتے ہی فوراً زبان سے کہہ دیا ہے کہ میں اس نکاح کو فسخ کرتی ہوں تب تو اس کو جائز ہے کہ گواہوں سے یا قاضی سے اصل واقعہ چھپا کر یہ کہہ دے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں۔ اور اگر بلوغ کے بعد اس کہنے میں ذرا بھی دیر کردی تھی تو خیارِ فسخ باطل ہوگیا، اب اس کیلئے ہرگز جائز نہیں کہ شہادت اور درخواست کے قبول ہونے کا حیلہ کرے، اگر حیلہ کرے گی تو سخت گنہگار ہوگی۔

خیارِ کفاءت

غیر کفو میں نکاح ہونے کی کئی صورتیں ہیں، بعض میں نکاح بالکل باطل ہے، اور بعض میں صحیح اور لازم ہوجاتا ہے۔ یعنی فسخ کا اختیار بھی نہیں رہتا، اور بعض میں صحیح تو ہوتا ہے مگر لازم نہیں ہوتا؛ بلکہ فسخ کا اختیار رہتا ہے۔ یہاں اصل مقصود تو انہیں صورتوں کا بیان کرنا ہے جن میں خیارِ فسخ ہو؛ کیوں کہ قضائے قاضی کی ضرورت صرف انہیں میں پڑتی ہے، مگر ہم تتمیم فائدے کے لئے سب صورتیں درج کرتے ہیں اور ہر ایک کا جداگانہ حکم لکھتے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

پہلی صورت یہ ہے کہ بالغ عورت بغیر اذنِ ولی عصبہ ﴿اور اگر عصبہ نہ ہونے کی حالت میں کسی اور کو ولایت نکاح پہنچتی ہو تو بالغہ کو نکاح بغیر الکفوء میں اس کے اذن کی حاجت نہیں۔﴾ کے غیر کفو میں نکاح کر لے، اس صورت میں فتویٰ اس پر ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوتا؛ بلکہ بالکل باطل ہے، حتیٰ کہ اگر نکاح کے بعد ولی عصبہ جائز بھی رکھے تب بھی صحیح نہیں ہوتا؛ کیوں کہ نکاح سے قبل اجازت کا ہونا شرط ہے، لہٰذا عورت کو لازم ہے کہ ایسا ہرگز نہ کرے، اگر کرے گی تو نکاح کالعدم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ معصیت میں مبتلا رہے گی۔

ضرورت ہے محض سکوت کافی نہیں۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ بالغہ عورت کا نکاح باجازت ولی کسی ایسے شخص سے ہوا جس کی کفاءت کا حال معلوم نہ تھا؛ لیکن بوقت نکاح کفاءت کی شرط کرلی تھی، یا صراحۃً تو شرط نہ کی تھی مگر خاوند کی طرف سے کفو ہونا ظاہر کیا گیا تھا، اور اس پر اعتماد کرکے نکاح کردیا ہو، پھر خلاف ظاہر ہوا اور ثابت ہوا کہ کفو نہیں ہے۔

حکم اس صورت کا یہ ہے کہ عورت کو بھی خیار فسخ حاصل ہوگا اور اس کے ولی کو بھی لیکن گر یہ عورت ہنوز باکرہ ہو تو اس کا خیار سکوت سے باطل ہوجاوے گا، یعنی اگر اطلاع حال کے بعد فوراً کہہ دیا کہ مجھے اس سے نکاح رکھنا منظور نہیں تب تو اختیار باقی رہے گا اور بذریعہ حاکم مسلم فسخ کراسکے گی، ورنہ اگر نامنظوری ظاہر کرنے میں ذرا بھی تاخیر کی تو خیار فسخ باقی نہ رہے گا۔

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ لڑکی ہنوز باکرہ ہو اور اگر ثیبہ ہوچکی ہے تو اس کے سکوت سے خیار باطل نہیں ہوتا؛ بلکہ جب تک صراحۃً یا دلالۃً ﴿مثلاً شوہر لمس و تقبیل وغیرہ کرلے یا مہر یا نفقہ ادا کردے اور زوجہ اس کو لمس و تقبیل وغیرہ پر قدرت دے، یا مہر وغیرہ قبول کرلے تو یہ دلالۃً رضا ہے، اور مہر کا قبول کرنا دلیل رضا اس وقت ہے جب کہ بلوغ سے خلوتِ صحیحہ نہ ہوچکی ہو۔﴾ رضا نہ پائی جائے اس وقت تک اختیار باقی رہے گا۔ اور یہی حکم ہے ولی کا کہ اس کا خیار فسخ بھی محض سکوت سے باطل نہیں ہوتا؛ بلکہ صراحۃً یا دلالۃً رضا کی ضرورت ہے، اور دلالۃً رضا کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ولی مہر وغیرہ پر قبضہ کرلے۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح اس کے باپ ﴿اسی طرح مجنون اور مجنونہ کا بیٹا ان احکام میں باپ کے برابر ہے، جیسا کہ پیشتر گزر چکا ہے۔﴾ یا دادا نے ایسے شخص سے کیا جس کو اس کے بیان کی بناء پر کفو سمجھا گیا تھا، یا کفو ہونے کی شرط کرلی گئی تھی، یا بعد میں معلوم ہوا کہ غیر کفو ہے، اس صورت ﴿اگر کفاءت کی نہ تو

شرط کی تھی نہ زوج نے اپنا کفو ہونا بیان کیا تھا؛ بلکہ باپ دادا نے محض اپنے گمان سے کفو سمجھ کر نکاح کر دیا تھا، پھر ظاہر ہوا کہ کفو نہیں ہے، تو اس صورت میں خیار کفاءت ہونے یا نہ ہونے میں باوجود تتبع اور مراجعت علماء کے کوئی امر متعین نہ ہو سکا۔

اور ہمیں قواعد سے رجحان اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں خیار فسخ نہ دیا جاوے، مگر عمل کے وقت اہل علم ان جزئیات کو دیکھ کر جن کا حوالہ اصل تتمہ کے حاشیہ پر درج ہے کسی جانب کو خود ترجیح دیں ہماری ترجیح پر نہ رہیں ﴾ میں یہ تفصیل ہے کہ بالغ ہونے سے پیشتر تو صرف باپ دادا کو اختیار ہے، اگر اس نے فسخ نکاح کرا دیا فسخ ہو جاوے گا اور اگر حقیقت ظاہر ہونے کے بعد بھی نکاح کو منظور رکھا تو لازم ہو جائے گا، اور اگر باپ دادا نے سکوت کیا تو صرف اس کے سکوت سے اختیار باطل نہ ہوگا بلکہ باپ دادا کو بھی اختیار رہے گا اور بالغ ہونے پر لڑکے لڑکی کو بھی اختیار حاصل ہو جائے گا، اس لیے بالغ ہونے کے بعد نکاح لازم ہونے کے واسطے دونوں کی رضامندی شرط ہے، باپ دادا کی بھی اور لڑکے یا لڑکی کی بھی، پس بلوغ کے بعد لڑکے یا لڑکی اور باپ دادا میں سے ایک بھی چاہے تو نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ دوسرا بقائے نکاح پر رضامند ہو جاوے۔ واللہ اعلم علمہ أتم و أحکم

خلاصہ

رسالہ حکم الازدواج مع اختلاف دین الأزواج

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مذہب زوجین کے اختلاف کی دوصورتیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اختلاف نکاح سے پہلے ہی موجود ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ بعد نکاح پیدا ہو جائے۔

پہلی صورت میں مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے کسی حال میں جائز نہیں، خواہ کفر کی کوئی قسم ہو، اسی طرح مسلمان مرد کا نکاح بھی کسی کافر عورت سے جائز نہیں، البتہ گر عورت کتابیہ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ وغیرہ ہو تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

(۱) اول یہ کہ وہ عام اقوام یورپ کی طرح صرف نام کی عیسائی یا یہودی اور درحقیقت لامذہب دہریہ نہ ہو؛ بلکہ اپنے مذہبی اصول کو کم از کم مانتی تو ہو اگر چہ عمل میں خلاف بھی کرتی ہو۔ (۲) دوسرے یہ کہ وہ اصل سے ہی یہودیہ نصرانیہ ہو، اسلام سے مرتد ہو کر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو۔

جب یہ دونوں شرطیں کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں، تو اس سے نکاح صحیح و منعقد ہو جاتا ہے؛ لیکن بلاضرورتِ شدیدہ اس سے بھی نکاح کرنا مکروہ ہے اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے۔ اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں سے نکاح سے منع فرمادیا تھا۔ اور جب عہد

فاروقی میں کہ زمانہ خیر تھا ایسے مفاسد موجود تھے تو آج کل جس قدر مفاسد ہوں کم ہیں۔ بالخصوص موجودہ اقوام یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات ازدواج تو بالکل ہی اس کے دین اور دنیا کو تباہ کردینے والے ہیں، جن کا روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے۔

دوسری صورت یعنی نکاح کے بعد زوجین کا یا ان میں سے کسی ایک کا مذہب بدل جائے، اس کے چار احتمال ہیں:

(۱) پہلا احتمال یہ ہے کہ کافر تھے، پھر ایک ساتھ دونوں مسلمان ہوگئے۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں مسلمان تھے پھر معاذ اللہ دونوں ایک ساتھ مرتد ہوگئے۔ ان دونوں احتمالوں میں ﴿گو ان دو احتمالوں میں اختلاف مذہب صادق نہیں آتا، مگر استیعاب احکام کے لئے ان کو بھی بیان کردیا گیا۔﴾ نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ بلکہ بعینہٖ قائم رہتا ہے۔ (۳) تیسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہوجائے اور دوسرا بدستور کفر پر باقی رہے، اس کے دو جزو ہیں:

پہلا جزو یہ ہے کہ مرد مسلمان ہوجائے اور عورت کفر پر رہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت کتابیہ ہے ﴿بشرطیکہ وہ اصل سے کتابیہ ہو، پس اگر اسلام سے پھرف کر کتابیہ ہوگئی تھی تو بغیر اسلام لائے اس عورت سے دوبارہ بھی نکاح نہیں ہوسکتا۔﴾ تو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بحالہٖ قائم رہے گا، گو وہ اہل کتاب کا ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرلے، مثلاً یہودیہ سے نصرانیہ ہوجائے یا بالعکس۔ اسی طرح اگر ایسا ہوا کہ جس وقت مرد مسلمان ہوا ہے، اسی وقت مجوسیہ بیوی نے اہل کتاب کا مذہب قبول کرلیا، اس صورت میں بھی نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا؛ البتہ اگر اس کا عکس ہوا، یعنی اسلام زوج کے بعد کتابیہ بیوی نے مجوسیت وغیرہ اختیار کرلی تو نکاح ٹوٹ جاوے گا۔

اور اگر عورت غیر کتابیہ مثلاً ہندو یا مجوسیہ وغیرہ ہے، تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ یہ واقعہ دارالاسلام ﴿یعنی میاں بیوی دونوں دارالاسلام میں ہوں، اور اگر ایک دارالاسلام میں ہو اور دوسرا دارالحرب میں تو تفریق قاضی نہیں ہوسکتی؛ بلکہ تین حیض گزرنے پر بینونت ہوجاوے گی، یعنی خود بخود نکاح جاتا رہے گا۔﴾ میں ہوا ہے، تو

قاضی اس کی عورت پر اسلام پیش کرے وہ بھی اسلام قبول کر لے تو نکاح بحالہ قائم رہے گا، اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کر دے یا سکوت کرے، تو نکاح فوراً فسخ کر دیا جائے۔ اور اگر یہ واقعہ دارالحرب میں ہوا ہے تو وہاں عورت پر تین حیض گزر جانا ہی اسلام سے انکار کر دینے کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر عورت مسلمان نہ ہو اور تین حیض اسی حالت پر گزر جائیں تو نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

دوسرا اجزو یہ ہے کہ عورت مسلمان ہو جائے اور خاوند کفر پر باقی رہے، تو خواہ یہ کافر کتابی ہو یا غیر کتابی، ہر حال میں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر واقعہ دارالاسلام کا ہے تو قاضی اس کے خاوند پر اسلام پیش کرے۔ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو نکاح بحالہ قائم رہے گا اور اگر اسلام قبول نہ کرے یا سکوت کرے تو قاضی ان دونوں میں فوراً تفریق کر دے، اور اگر یہ واقعہ دارالحرب کا ہے تو عورت کے تین حیض گزر جانا ہی انکار اسلام کے قائم مقام ہو جائے گا، اور بعد تین حیض گزر جانے کے عورت بائنہ ہو جائے گی۔

عدت کا حکم

بصورتِ اسلام احد الزوجین

اگر زوجہ اور شوہر دونوں دارالاسلام میں ہوں اور عرض اسلام کے بعد تفریق کی گئی ہے تب تو بالاتفاق عدت واجب ہے اور اگر دونوں میں سے ایک یا دونوں دارالحرب میں ہیں، اور اس لئے عرض اسلام نہ ہو سکا؛ بلکہ تین حیض گزر جانے کی وجہ سے بائنہ ہوئی ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر شوہر مسلمان ہوا ہے تو بالاتفاق عدت واجب نہیں ﴿یعنی اس کو اسلام کے بعد اس زوجہ کی ہمشیرہ وغیرہ سے فوراً نکاح کر لینا جائز ہے، اگر عدت واجب ہوتی تو انقضائے عدت سے قبل ہمشیرہ وغیرہ کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوتا﴾ اور اگر عورت مسلمان ہوئی ہے تو صاحبین کے نزدیک اس پر ان تین حیض کے علاوہ دوسرے تین حیض تک عدت گزارنا واجب ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک عدت واجب نہیں ﴿ البتہ اگر یہ عورت حاملہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی

وضع حمل سے قبل اس سے نکاح جائز نہیں ﴾اور احتیاط اسی میں ہے کہ صاحبین کے قول پر عمل کیا جاوے، امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ چوتھا احتمال یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک معاذ اللہ مرتد ہو جائے اس کے دو جزو ہیں: (۱) یک خاوند کا مرتد ہو جانا۔ (۲) دوسرے زوجہ کا مرتد ہو جانا، دونوں کے احکام جدا جدا درج ذیل ہیں اور اس چوتھے احتمال کے احکام پر اکابر علماء کے تصدیقی دستخط بھی ثبت ہیں۔

فائدہ: زوجین کے اختلاف مذہب کی پہلی صورت اور دوسری صورت کے چار احتمالوں میں سے اول کے تین احتمالوں کے احکام میں تو کوئی خفا اور اختلاف نہ تھا؛ اس لئے ان کا مسودہ سب حضرات کے سامنے پیش نہیں کیا گیا؛ بلکہ صرف حضرت حکیم الامت، دام مجدہم اور چند حضرات کے ملاحظہ پر اکتفا کیا گیا۔ اور چوتھے احتمال کی بعض صورتوں کے حکم میں کچھ خفا واختلاف تھا؛ اس لئے صرف اس احتمال کے احکام کو پیش کر کے سب حضرات کے دستخط حاصل کئے گئے ہیں۔

حکم ارتداد شوہر

اگر کسی عورت کا خاوند معاذ اللہ اسلام سے پھر جائے اور مرتد ہو جائے تو باجماع ائمۂ اربعہ وباتفاقِ جمہور فقہاء اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے، قضائے قاضی اور حکم حاکم کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور یہ ارتداد شوہر اگر خلوتِ صحیحہ سے قبل ہوا ہے، تو نصف مہر خاوند کے ذمہ ہے اور عورت پر عدت واجب نہیں۔ اور اگر خلوتِ صحیحہ کے بعد ارتداد ہوا ہے تو پورا مہر لازم ہے اور عورت پر عدت بھی واجب ہے۔ نیز اس مرتد پر عدت کا نفقہ بھی لازم ہے۔

حکم ارتدادِ زوجہ

بعض لوگوں نے مسائل نہ جاننے کے سبب علی الاطلاق یہ سمجھ رکھا ہے کہ اگر عورت مرتد ہو جائے تب بھی نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اور اسی بنا پر محض ناواقفیت سے تمام روایاتِ فقہیہ کے خلاف یہ تفریع کر بیٹھے کہ اس نالائق کو تجدید اسلام کے بعد دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کی اجازت ہے، یہاں تک کہ بعض کم بخت عورتوں نے اس کو

خاوند سے رہائی حاصل کرنے کا سہل علاج سمجھ لیا اور ارتداد کی بلاء عظیم میں مبتلا ہو کر اپنے عمر بھر کے اعمالِ صالحہ برباد کر دیئے۔

حالانکہ شرعی طور پر پھر بھی ان کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا؛ کیوں کہ اس صورت میں دوسرے شخص سے نکاح کی ہرگز اجازت نہیں؛ بلکہ یہ لازم ہے کہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح کر کے پہلے ہی خاوند کے ساتھ رہے، چنانچہ تفصیل ذیل سے معلوم ہوگا۔

وہ تفصیل یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں مذہب حنفیہ میں تین قول ہیں:

(۱) ایک ظاہر الروایہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح تو فوراً فسخ ہو جائے گا؛ لیکن پھر اس کو حبس وقید کر کے تجدید اسلام پر بھی اور اس پر بھی مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے پہلے ہی خاوند سے تجدید نکاح کرے۔

جیسا کہ قاضی خاں اور عالمگیری اور درمختار و شامی میں اس کی تصریح ہے کہ ظاہر الروایہ جس میں فسخ نکاح کا حکم دیا گیا ہے، اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ عورت کو تجدید اسلام اور شوہر اوّل سے تجدید نکاح پر بزور حکومت مجبور کیا جائے گا، خواہ اس کے مرتد ہونے کی غرض خاوند اول سے علیحدہ ہونا ہی ہو، یا حقیقتاً اس کے عقائد بدل گئے ہوں، دونوں صورتوں میں اس کو تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے۔ کما صرح بہ الشامی

(۲) دوسرا قول مشائخ بلخ وسمرقند اور بعض مشائخ بخارا اسماعیل زاد اور ابوالنصر الدبوسی اور ابوالقاسم سفار وغیرہم کا فتویٰ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ بدستور یہ عورت شوہر سابق کے نکاح میں رہتی ہے۔

(۳) تیسرا قول وہ نوادر کی روایت ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہ یہ عورت (دارالاسلام ﴿تفصیل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر عورت مرتد ہو کر دارالحرب میں چلی جاوے، یا دارالحرب میں ہی مرتد ہو تو اس کو کنیز بنانے پر ظاہر الروایۃ بھی متفق ہے۔ نوادر اور ظاہر الروایۃ کا اختلاف صرف اس میں ہے کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے بھی کنیز بن سکتی ہے یا نہیں؟﴾ میں بھی) کنیز بنا کر رکھی جائے گی اور اس کے

خاوند کا قبضہ اس پر بدستور سابق باقی رہے گا۔ حاصل یہ ہے کہ اگر عورت مرتد ہو جائے تو اس کے نکاح کے بارے میں حنفیہ کے تین قول ہوئے:

(۱) ایک یہ کہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے؛ لیکن بعد تجدید اسلام اس کو تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا اور کسی دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار نہ دیا جائے گا۔ (وهو ظاهر الرواية)

(۲) دوسرا یہ کہ نکاح فسخ ہی نہ ہوگا؛ بلکہ وہ دونوں بدستور زن وشوی رہیں گے۔ ﴿لیکن اس روایت پر فتویٰ دینے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح سے قبل شوہر کو استمتاع یعنی صحبت وغیرہ کی اجازت نہ دی جاوے، جیسا کہ متن میں بھی تحت عنوان بعض مسائل ضروریہ عنقریب آتا ہے۔﴾

(۳) تیسرا یہ کہ عورت کو کنیز بنا کر رکھا جائے گا۔ ان تینوں اقوال میں اگر چہ کچھ اختلاف ہے؛ لیکن اتنی بات پر تینوں متفق ہیں کہ عورت کو کسی طرح یہ حق نہ دیا جائے گا کہ وہ اپنے پہلے خاوند کے نکاح سے علیحدہ ہو کر دوسری جگہ نکاح کر لے؛ اس لئے یہ بات متفق علیہ ہوگی کہ عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا ہرگز اختیار نہ ہوگا۔

اب ہندوستان میں بحالت موجودہ اس متفق علیہ حکم پر عمل کرنا پہلی روایت کو اختیار کرتے ہوئے غیر ممکن ہے؛ کیوں کہ فسخ نکاح کا حکم دے دینے کے بعد پھر تجدید نکاح پر مجبور کرنے والی کوئی قوت مسلمانوں کے پاس موجود نہیں۔ اور جہاں موجود ہوتی ہے وہاں بھی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے؛ اس لئے پہلے قول یعنی ظاہر الروایہ پر عمل کرنا ہندوستان میں بحالت موجودہ غیر ممکن ہو گیا؛ کیونکہ اس کے ایک جزو پر عمل کرنا اگر چہ اختیار میں ہے؛ لیکن دوسرا جزو یعنی تجدید اسلام اور تجدید نکاح پر مجبور کرنا قطعاً اختیار میں نہیں۔

اور نوادر کی روایت پر عمل کرنا تو ظاہر الروایہ سے بھی زیادہ مشکل بلکہ بحالت موجودہ غیر ممکن ہے؛ اس لئے اب بجز اس کے کہ مشائخ بلخ وسمرقند کے قول کو اختیار کر کے اسی پر فتویٰ دیا جائے کوئی چارہ نہ رہا۔

اور صاحب نہر کو اگر چہ ان مشکلات کا سامنا نہیں تھا جو آج ہم پر گزر رہی ہیں، مگر

وہ اپنے وقت میں اسی روایت پر فتویٰ دینے کو تجویز فرماتے ہیں، اور اس کے خلاف کرنے کو سخت مشکل میں ڈالنا قرار دیتے ہیں۔ اور علامہ شامیؒ بھی اس فتویٰ کی مخالفت نہیں کرتے اور جو کچھ فرمایا ہے وہ روایت نوادر پر قدرت ہونے کے وقت فرمایا ہے، اور جب اس پر قدرت نہ ہو تو ان کے نزدیک بھی مشائخ بلخ وسمرقند کے قول پر فتویٰ دینا متعین ہے، اسی طرح دوسرے فقہاء بھی اس قول کو نقل کر کے تردید نہیں کرتے۔

پس ہندوستان میں بحالت موجودہ کہ حکومت مسلمانوں کی نہیں اس کے سوا مذہب حنفی پر عمل کرنا غیر ممکن ہے کہ مشائخ بلخ وسمرقند کے قول کے موافق یوں فتویٰ دیا جائے کہ عورت کے ارتداد سے نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ بدستور باقی رہتا ہے۔

بعض مسائلِ ضروریہ

مسئلہ(۱): مشائخ بلخ ﴿اسی طرح روایات نوادر یعنی استرقاق کی صورت میں بھی گو قبضہ مالکانہ خاوند کا اس پر ہو جاوے گا؛ لیکن استمتاع کو جائز نہ کہا جاوے گا جیسا کہ امۃ مشترکہ سے باوجود قبضہ مالکانہ کے استمتاع جائز نہیں۔﴾ کے قول کے موافق جب کہ بقاء نکاح کا فتویٰ دیا جائے، تو ساتھ ہی اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ تجدید اسلام کے قبل شوہر کے لئے اس مرتدہ سے استمتاع یعنی جماع اور اس کے دواعی مثل تقبیل و لمس بالشہوۃ وغیرہ کو جائز نہ کہا جائے؛ کیوں آیت کریمہ ﴿لا تنکحوا المشرکٰت حتی یؤمن﴾ سے کافر عورتوں کے ساتھ نکاح اور استمتاع کا حرام ہونا ظاہر ہے، اور اس پر اجماع بھی ہے، اور کتابیہ کا استثناء جو آیت: ﴿والمحصنت من الذین اوتوا الکتب﴾ میں وارد ہے، اس سے کتابیہ اصلیہ مراد ہے، وہ مرتدہ اس میں داخل نہیں، جس نے اہل کتاب کا مذہب اختیار کر لیا ہو۔

اور قولِ مذکور پر بقاء نکاح سے یہ لازم نہیں آتا کہ حالت کفر میں صحبت و جماع و دواعی جماع بھی جائز رہیں۔ فقہ احناف میں ایسے نظائر موجود ہیں کہ باوجود صحت نکاح و بقاء نکاح کے جماع و دواعی جماع حرام ہوتے ہیں، جیسے موطوءہ بالشبہہ کہ

اس کا نکاح بدستور سابق قائم ہے، مگر انقضائے عدت تک اس سے ہمبستری وغیرہ بالکل حرام ہے، اسی طرح حاملہ من الزنا اگر غیر زانی سے نکاح کرے تو گو نکاح صحیح ہو جاتا ہے، مگر شوہر کو صحبت جائز نہیں ہوتی۔

مسئلہ (۲): حلت استمتاع کے لئے تجدید اسلام کا شرط ہونا تو آیت مذکورہ اور اجماع وغیرہ سے مسئلہ اولیٰ میں ثابت ہو چکا ہے، پھر تجدید اسلام کے بعد ظاہر الروایۃ کے موافق تجدید نکاح بھی ضروری ہے، بغیر اس کے استمتاع جائز نہیں، مگر مشائخ بلخ کے قول پر تجدید نکاح شرط نہیں۔ لیکن اس خاص جزو میں ظاہر الروایت کو ترک کرنے کی کوئی ضرورت داعی نہیں؛ لہٰذا تجدید نکاح کو بھی ضروری کہا جاوے گا کہ اسی میں احتیاط ہے۔

مسئلہ (۳): صورتِ مذکورہ میں تجدید نکاح کے لئے انقضائے عدت ضروری نہیں۔ (کما ہو ظاہر) لیکن تھوڑا سا مہر جدید ضروری ہے جو دس درہم سے کم نہ ہو، جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں مصرح ہے اور مہر سابق کا بدستور واجب فی الذمہ رہنا ظاہر ہے؛ البتہ اگر قبل خلوت صحیحہ مرتد ہو گئی ہو تو مہر سابق ساقط ہو جاتا ہے۔

خلاصہ فتویٰ

اس مجموعہ سے خلاصہ اس فتوے کا حاصل ہوا کہ عورت بدستور سابق اسی خاوند کے قبضہ اور نکاح میں رہے گی کسی دوسرے شخص سے ہرگز نکاح جائز نہیں۔ لیکن جب تک تجدید اسلام کر کے تجدید نکاح نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ جماع اور دواعی جماع کو جائز نہ کہا جاوے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالی أعلم وهو المستعان وعليه التكلان.

خاتمۃ الخلاصۃ

یہ رسالہ اور اس کے تتمہ ''المختارات'' اور ضمیمہ ''حکم الازدواج'' کا خلاصہ ہے۔ اب ان علمائے کرام کی تصدیقات تینوں رسالوں کے متعلق جدا جدا ذیل میں درج کی جاتی ہیں، جو اصل رسالہ مذکورہ کی ترتیب وتہذیب اور تصحیح وتنقیح میں شریک رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفاق المجتہدین للنظر فی وفاق المجتہدین

(بقلم: حضرت مولانا عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون)

ایک رسالہ "وفاق المجتہدین" نظر سے گزرا، جس میں مفقود کے متعلق ایک سوال کا اجمالی جواب دینے کے بعد مفصل جواب کے لئے مجیب نے آٹھ جزو قرار دیئے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں۔ اب چاہتا ہوں کہ سوال کے بعض اجزاء کا تفصیلی جواب دوں، مگر قبل جواب کے اجزائے سوال کو شمار کر لیجئے، جن کی فہرست یہ ہے:

(۱) عاجزانہ مفلسانہ زندگی بسر کرتی ہے (۲) حرام کاری کا قوی اندیشہ ہے (۳) ساٹھ ستر برس گزرنے پر عورت شادی کے لائق نہ رہے گی، پھر طویل مدت کیوں مقرر کی گئی (۴) جب مذہب (حنفیہ) میں میرے لئے جگہ نہیں تو (اس) مذہب میں رہ کر کیا کروں (۵) مذہب حنفیہ پر تشدد کا الزام (۶) مؤطا امام مالک علیہ الرحمہ کی روایت کی تحقیق (۷) علمائے حنفیہ کا ضرورت کے وقت غیر مذہب پر فتویٰ دینے کی حقیقت (۸) مذہب حنفی کا اصلی حکم اور اس کی پوری تحقیق۔

بعد ازاں سب اجزاء کا نمبروار جواب لکھا ہے، اور اصلی مدعا رسالہ ہذا کا یہ ہے کہ علمائے احناف مسئلہ مفقود میں جو مالکیہ کے مذہب پر فتویٰ دیتے رہے ہیں یہ درست نہیں، چوں کہ یہ مدعا تصریحاتِ فقہ کے خلاف ہے اور اس پر جو دلائل قائم کئے گئے ہیں وہ مخدوش ہیں، اس واسطے مختصر طور پر اس رسالہ کا جواب دینا ضروری معلوم ہوا۔

لہٰذا معروض ہے کہ پانچویں جزو تک کے جواب کا تو یہ حاصل ہے کہ امام

صاحب کا مذہب قوی ہے، سو اس میں کوئی شک نہیں، امام صاحب کا قول یقیناً راجح اور احتیاط پر مبنی ہے؛ لیکن قول مالکیہ کو اختیار کرنے کی یہ بنا نہیں ہے کہ مذہب امام کو ضعیف سمجھا گیا ہو؛ بلکہ باوجود اس کو قوی اور راجح سمجھنے کے، ضرورت کی وجہ سے خروج عن المذہب کی گنجائش دی گئی ہے۔

چھٹے جزو کے جواب میں مجیب نے اہم اشکال یہ بیان کیا ہے کہ رجوع کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر عمل کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب تو یہ ہے کہ غالباً امام مالک علیہ الرحمہ رجوع کو تسلیم نہ کرتے ہوں گے، جیسا کہ امام احمد علیہ الرحمہ رجوع کی روایت کو نہایت سختی سے رد کرتے ہیں، چنانچہ مغنی میں ہے: **قال الأثرم: قیل لأبی عبداللہ۔ الی أن قال۔ قلت: فروی من وجہ ضعیف أن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بخلاف ھذا، قال: لا الا أن یکون انسان یکذب.** (مغنی ۱۳۲/۹) اور جن محققین نے رجوع کی روایت کو صحیح فرمایا ہے، ان کے نزدیک اس کے راوی ثقہ ہوں گے، پس اختلاف کا منشا دراصل توثیق رواۃ میں اختلاف ہوگا، اور اس کے نظائر بہت ہیں، اور چوں کہ روایت رجوع کی سند کہیں نظر سے نہیں گزری، اس واسطے مفصل حال رواۃ کا اور ان میں اختلاف کا معلوم نہیں ہو سکتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے، جیسا کہ مولانا لکھنوی نے ہدایہ کے حاشیہ میں بحوالہ ابن ابی شیبہ نقل کیا ہے، اور ان سے رجوع مروی نہیں، پس رجوع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد بھی اس قول کو ان حضرات کی اتباع میں اختیار کر سکتے ہیں۔

ساتویں جزو کے جواب میں تین امور کی تحقیق ہے:

(۱) حنفیہ کے نزدیک دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کے ضوابط و شرائط کیا ہیں؟

(۲) جن لوگوں نے دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز بتایا ہے یہ قابل اعتماد ہیں یا نہیں؟

(۳) مالکیہ کا اصل مذہب کیا ہے؟

امر اول میں فقہاء کی چار عبارتیں درج ہیں:

(۱) لایفتی بغیر الراجح الغیر. (شامی)..... (۲) لوقیل لحنفی: ما مذهب الامام الشافعي في كذا؟ يقول: قال أبو حنيفة كذا. (درمختار)

(۳) فان القاضي المقلد اذا خالف مشهور مذهبه، لاينفذ حكمه في الأصح. (درمختار) كان المعتمد أن القاضي لايصح قضائه بغير مذهبه خصوصًا قضاة زماننا. (شامی)

(۴) والتقليد، وان جاز بشرط فهو للعامل لنفسه، لا للمفتي لغير فلا يفتي بغير الراجح في مذهبه. (شامی)

ان سے یہ ثابت کیا ہے کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینا اور فیصلہ کرنا جائز نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ عبارت اولیٰ تو عبارتِ رابعہ کا جزو ہے، پس اس کا جواب عبارتِ رابعہ کے جواب سے معلوم ہو جائے گا، جو عنقریب آتا ہے۔

اور عبارتِ ثانیہ یعنی: لوقیل لحنفی الخ ایک قول ضعیف پر مبنی ہے، چنانچہ اس کے متعلق علامہ شامی نے تصریح کی ہے۔ هذا مبني على قول بعض الأصولين لايجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل۔

اور مقدمہ میں ابن حجر سے تصریح کی نقل کی ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔

حيث قال: ثم اعلم أنه ذكر في التحرير وشرحه أيضا أنه يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل، وبه قال الحنفية والمالكية واكثر الحنابلة والشافعية، وفي رواية عن احمد وطائفة كثيرة من الفقهاء لايجوز، ثم قال بعد أسطر: وقد رأيت في آخر فتاوى ابن حجر الفقهية التصريح ببعض ذلك، فانه سئل عن عبارة النسفي المذكورة أي المذكورة في المتن عن الأشباه اذا سئلنا الخ.

ثم حرر ان قول أئمة الشافعية كذلك، ثم قال: ان ذلك مبنى على الضعيف، من انه يجب تقليد الأعلم دون غيره، والأصح أنه يتخير تقليد أى شاء ولو مفضولاً وان اعتقده كذلك.

پس یہ قول حجت نہیں، اور اگر تسلیم کرلیا جاوے تو عبارتِ ثالثہ ورابعہ کی طرح اس کو بھی عدم ضرورت پر محمول کیا جاوے گا، اور عبارت ثالثہ کے جواب میں شامی کی پوری عبارت نقل کردینا ہی کافی ہے؛ لہٰذا ذیل میں وہ عبارت درج ہے۔

درمختار میں عبارت ثانیہ مذکورہ بالا کے بعد ہے۔ نعم لو قضى مالكى بذلك نفذ كما فى البحر والنهر، وقد نظمه شيخنا الرعلى الخ.

اس پر اول تو شامی نے یہ لکھا ہے: (نفذ) لأنه مجتهد فيه، وهذا كله رد على ما فى البزازية، قال العلامة: والفتوى فى زماننا على قول مالك، وعلى مافى جامع الفصولين: لو قضى قاض بانقضاء عدتها (أى الممتدة الطّهر) بعد مضى تسعة أشهر نفذ؛ لأن المعتمد أن القاضى لايصح قضاءه بغير مذهبه خصوصاً قضاة زماننا.

پھر چند سطروں کے بعد فرمایا ہے: قلت: لكن هذا ظاهر اذا أمكن قضاء مالكى به أو تحكيمه، أما فى بلاد لايوجد فيها مالكى يحكم به، فالضرورة متحققة، وكأن هذا أوجه مامر من البزازية وجامع الفصولين، فلا يرد قوله فى النهر أنه لا داعى الى الافتاء بقول تعتقد أنه خطاء، يحتمل الصواب مع امكان الترافع الى مالكى يحكم به، تأمل.

ولهذا قال الزاهدى: وقد كان بعض أصحابنا يفتون بقول مالك فى هذه المسئلة للضرورة، ثم رأيت مابحثته، ذكره محشى مسكين عن السيد الحموى الخ.

اس میں علامہ شامی نے خود تصریح فرمادی کہ قضا بمذہب الغیر کے بارے میں جو

"لایصح" کا حکم ہے، وہ عدم ضرورت کے ساتھ خاص ہے، اور صاحب نہر کے قول: "الا داعی" اور "ماامکان الترافع الخ" سے بھی صاف واضح ہے کہ اگر ضرورت داعی ہو اور "ترافع الی المالکی" ممکن نہ ہو تو افتاء بمذہب الغیر پر ان کو کوئی اشکال نہیں۔

اور عبارات رابعہ کا جواب اسی جواب سے معلوم ہوگیا؛ کیوں کہ فتویٰ اور قضا اس باب میں ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔ درمختار رسم المفتی میں ہے: "وحاصل ماذکرہ العلامة قاسم فی تصحیحه: أنه لافرق بین المفتی والقاضی الخ، قلت: أی فی اتباع مارجحوه کماصرح به الشامی."

علاوہ ازیں عبارت مذکورہ بالا میں فتویٰ اور دونوں کی اجازت مصرح ہے، مثلاً بزازیہ کی عبارت میں فتویٰ کی تصریح اور جامع الفصولین کی عبارت میں قضا کی تصریح ہے۔

امر دوم کی جو تحقیق لکھی ہے کہ افتاء بمذہب الغیر کی ابتداء غیر معتمد مشائخ سے ہوئی ہے، اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ جب معتمد مشائخ نے اس کو قبول کرلیا، تو وہ قول معتمد ہوگیا۔ کما لایخفی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ زاہدی وغیرہ سے اصل مسئلہ کی ابتدا نہیں ہوئی ان سے ابتدا صرف اس کی ہوئی ہے کہ خاص ان جزئیات میں افتاء بمذہب الغیر کو نقل کیا ہے ورنہ اصل مسئلہ افتاء بمذہب الغیر کی ان کی نقل پر موقوف نہیں؛ کیوں کہ اصل مسئلہ تو متقدمین اور متاخرین کی تصریحات سے ثابت ہے، چنانچہ استئجار علی تعلیم القرآن کے جواز پر متاخرین میں سے صاحب ہدایہ وقاضی خاں اور صاحب کنز وغیرہ سب محققین فتویٰ دیتے ہیں اور متقدمین سے امام فضلی اور فقیہ ابواللیث نے بھی فتویٰ دیا تھا (جس کی تفصیل حیلہ ناجزہ باب دوم کے مقدمہ میں موجود ہے) اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتویٰ دینے کے جواز پر مشائخ کا اتفاق ہے، اس کے بعد کسی خاص مسئلہ میں بالتخصیص فتویٰ منقول ہونے کی ضرورت نہیں رہتی، پس اگر زاہدی وغیرہ کی نقل نہ ہوتی تب بھی اصل مسئلہ ثابت ہونے کے بعد تحقق ضرورت کے وقت مسئلہ مجوث فیہا میں فتویٰ دے سکتے تھے، اور اب ان کی نقل سے

تائید ہوگئی، خاص کر جب محققین نے ان کی نقل کو قبول کرلیا۔

غرض زاہدی وقہستانی کا ضعف اس مسئلہ کی نقل میں مضر نہیں؛ کیوں کہ وہ نقل صرف تائید کے واسطے ہے، اصل مدار ان پر نہیں؛ بلکہ مشائخ محققین یعنی امام فضلی وغیرہ پر ہے، بلکہ مسئلہ افتاء بمذہب الغیر للضرورۃ کی اصل خود امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔ چنانچہ شامی نے رسم المفتی میں بحوالہ بزازیہ نقل کیا ہے: **انه صلى الجمعة مغتسلا من الحمام، ثم أخبر بفارة ميتة في بير الحمام، فقال: ناخذ بقول اخواننا من أهل المدينة اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا الخ.**

اور اس کے بعد صاحب رسالہ نے ابن شحنہ سے بحوالہ شامی مسئلہ مفقود میں اخذ بملهب الغیر پر ان الفاظ میں اعتراض نقل کیا ہے: **لكنه اعترض على الناظم بأنه لا حاجة لحنفي الى ذلك؛ لأن ذلك خلاف مذهبنا فحذفه أولى.**

چوں کہ اس اعتراض میں خود یہ لفظ موجود "**لا حاجة للحنفي الى ذلك**" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن شحنہ وغیرہ ضرورت کے تحقق میں کلام کررہے ہیں نہ کہ تحقق ضرورت کے بعد فتویٰ اور قضا بمذہب الغیر کے جواز میں، اس کے بعد اسی امر دوم کے ختم کے قریب رسالہ کے ص: ۳۰/ پر جو لکھا ہے کہ لوگ بہت تعجب کریں گے کہ جب علامہ شامی مذہب کے خلاف فتویٰ دینا منع کرتے ہیں، اور زاہدی وقہستانی کو غیر معتبر بھی کہتے ہیں۔

پھر بعض مسائل جیسے مفقود اور ممتدۃ الطہر وغیرہ کے بارہ میں حرج اور ضرورت کے وقت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرنا کیوں جائز لکھتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے رفع حرج کے لئے مسئلہ کو ظاہر کردیا ہے، مگر خود نہ فتویٰ دیا اور نہ فتویٰ کی اجازت؛ بلکہ یہاں تک احتیاط کیا کہ بجائے لفظ "**يفتى**" کے "**يحكم**" لکھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "**حيث لم يوجد مالكي يحكم به**"۔ اس میں یہ دعویٰ ہے کہ شامی نے رفع حرج کے لئے مسئلہ کو ظاہر کردیا، مگر نہ خود فتویٰ دیا نہ فتویٰ کی اجازت، یہ نہایت ہی عجیب ہے کیوں کہ وہ تو

موضع ضرورت میں فتویٰ اور قضا بمذہب الغیر کی صاف تائید فرمارہے ہیں۔ چنانچہ ممتدۃ الطہر کے باب میں ان کا جو قول ہے وہ عبارتِ ثالثہ کے جواب میں گزر چکا، اور زوجہ مفقود کے بارے میں بھی اسی طرح صاف تائید کی ہے، جیسا کہ ابھی آتا ہے، اور اس کے بعد جو لکھا ہے ''بلکہ یہاں تک احتیاط کیا کہ بجائے ''یفتی'' کے ''یحکم'' لکھا'' اس جملہ کا کوئی صحیح مفہوم ہی معلوم نہ ہوسکا، جو اس پر کچھ کلام کیا جاتا؛ البتہ اتنی بات واضح ہے کہ اس جملہ سے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود فقط فتویٰ بمذہب الغیر کی تائید وحمایت ہے؛ کیوں کہ انہوں نے اول زوجہ مفقود کے بارہ میں مذہب مالک پر فتویٰ دینے کی تائید بزازیہ وغیرہ سے نقل کی ہے۔

پھر لکھا ہے: واعترض فی النهر وغيره بانه لاداعی الی الافتاء بمذهب الغير، لامكان الترافع الی المالکی یحکم بمذهبه.

بعدازاں اس کے جواب میں لکھا ہے: لكن قدمنا أن الكلام عند تحقق الضرورة حيث لم يوجد مالكي يحكم به. پس سمجھ میں نہیں آتا کہ مؤلف رسالہ اپنے دعویٰ پر اس سے استدلال کس طرح کرنا چاہتے ہیں؟

بعدازاں عنوان ''حاصل تحریرات'' کے اخیر میں جو درج ہے کہ اگر مالکی مذہب کے قاضی اور مفتی نہ ہوں، تو مجبوراً مذہب مالکیہ کے پورے احکام کی پابندی کرتے ہوئے احناف خود عمل کرسکتے ہیں۔

اس میں اوّل تو سخت اشکال یہ ہے کہ یہ اجازت دینا بھی تو فتویٰ ہے، جس سے صاحب رسالہ دوسروں کو منع کررہے ہیں، کیا فتویٰ کے لئے خاص لفظ فتویٰ کی شرط ہے؟

دوسرے یہ کہ خود عمل کیسے ممکن ہے؟ جب کہ مذہب مالکیہ میں قضائے قاضی شرط ہے، اور قاضی کو قضا بمذہب الغیر سے صاحب رسالہ منع کرتے ہیں۔

تیسرے عامی کو از خود تو اپنے مذہب کی ضعیف روایت پر بھی عمل کی اجازت نہیں جو مذہب غیر پر عمل کرنے سے اہون ہے۔

چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ بیری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

هل يجوز للانسان العمل بالضعيف من الرواية في حق نفسه؟ نعم، اذا كان له رأى أما اذا كان عاميا فلم اره؛ لكن مقتضى تقييده بذى الرأى أنه لا يجوز للعامي ذلك، قال في خزانة الروايات: العالم الذي يعرف معنى النصوص والأخبار وهو من أهل الدراية، يجوز له ان يعمل عليها، وان كان مخالفا لمذهب الخ.

پھر مذہب غیر پر عمل کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟

چوتھے عامی کو مذہب غیر معلوم کیسے ہوگا؟ جب کہ اہل علم کو اس رسالہ میں بتلانے تک سے بھی منع کیا گیا ہے، گو پھر خود بتلا بھی رہے ہیں اور اس پر عمل کی اجازت بھی دے رہے ہیں۔ امر سوم کی تحقیق میں روایاتِ مختلفہ نقل کر کے جو اضطراب ظاہر کیا گیا ہے، اس کا مختصر حل یہ ہے کہ ابن ابی شیبہ کی روایت: ''حاکم امر کند والی فقید را بہ طلاق زن وباایں رفتہ مالک'' کتب مالکیہ، بلکہ خود مدونہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات کے خلاف ہونے کے سبب قابل اعتماد نہیں، اور مسک الختام کی عبارت (اگر زن بست سال ماندہ رخ بحاکم کند اجل برائے او از نوگیرند واگر صغیرہ یا آئسہ یا زوج او صغیر است ہمیں چار سال باشد) کا محمل غلط ٹھہرا کر یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ چار سال کی مدت صرف صغیرہ اور آئسہ یا زوجہ الصغیر کے لئے ہے؛ اس لئے شبہ میں پڑ گئے، ورنہ اس کا تو صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ صغیرہ اور آئسہ کے لئے بھی وہی چار سال کی مدت ہے جو کبیرہ حائضہ کے لئے اس سے پیشتر بیان ہوئی، نہ معلوم اس کے یہ معنی کس طرح قرار دے دیئے کہ صغیرہ کا اور حکم ہے اور کبیرہ کا اور؟

اب رہ گئیں درمختار اور فتح الباری کی روایتیں سو ان میں اجمال اور تفصیل کا فرق ہے، اور یہ اضطراب نہیں کہلاتا اور گو فتح الباری سے کسی قدر تفصیل معلوم ہوگئی، مگر دراصل فتح الباری کی روایت بھی مجمل؛ بلکہ موہم ہے، اگر پوری تحقیق اور صحیح تفصیل

مطلوب ہو تو حیلہ ناجزہ ملاحظہ فرمایا جاوے، اس میں مدینہ منورہ کے علمائے مالکیہ سے مبسوط اور مدلل فتاویٰ حاصل کر کے شائع کئے گئے ہیں۔ فقط واللہ اعلم

آٹھویں جزو میں خدشہ تو کئی مقدمات پر ہے مگر ہم بغرض اختیار صرف اصل مقصد پر کلام کرتے ہیں، جیسا کہ دوسرے اجزاء میں بھی ضروری امور پر کلام کیا گیا ہے، اس جزو ہشتم کا اصل مقصد یہ ہے کہ تفویض الی رأی الحاکم کا قول جو فقہ حنفی میں موجود ہے اس میں زوجہ مفقود کے لئے کافی رعایت موجود ہے، اس واسطے دوسرے امام کا مسلک اس باب میں اختیار کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، غالباً مؤلف نے تفویض کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ حاکم کو کلی اختیار ہے کہ جب چاہے مفقود پر موت کا حکم لگا دے۔ اسی واسطے مؤلف نے احسن للقال کے عنوان میں ''تفویض الی رأی الامام'' کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''مفقود کا معاملہ قاضی اسلام کے حوالہ کر دیا جاوے''، لیکن دراصل اس قول کا یہ مطلب نہیں اس واسطے اس قول سے کوئی سہولت اور رعایت نہیں نکل سکتی۔

اصل مطلب اس قول کا یہ ہے کہ مفقود پر موت کا حکم لگانے کے لئے مشائخ مذہب سے جو مختلف مدتیں منقول ہیں ان پر مدار رکھنے سے بہتر یہ ہے کہ حکام خود مفقود کے حالات میں غور کرے اور جب اس کی موت کا ظن غالب ہو جاوے اس وقت موت کا حکم لگا دے، چنانچہ شامی نے شرح وہبانیہ سے تفویض کی یہ تفسیر نقل کی ہے: أن ينظر ويجتهد ويعقل مايغلب على ظنه، فلا يقول بالتقدير؛ لأنه لم يرد به الشرع؛ بل ينظر في الأقران والزمان والمكان ويجتهد.

بعد ازاں زیلعی کا قول لکھا ہے: لأنه يختلف باختلاف البلاد، وكذا غلبة الظن تختلف باختلاف الأشخاص، فان الملك العظيم اذا انقطع خبره يغلب على الظن في أدنى مدة أنه قدمات الخ.

پھر خود تحریر کرتے ہیں: ومقتضاه: أنه يجتهد ويحكم القرائن الظاهرة الدالة على موته، وعلى هذا يبتنى مافي جامع الفتاوى حيث قال:

واذافقد في المهلكة فموته غالب فيحكم به كما اذا فقد في وقت الملاقاة مع العدو الخ. اس کے بعد فرماتے ہیں: وافتى به بعض مشايخ مشايخنا، وقال: انه افتى به قاضى زاده صاحب بحر الفتاوى، لكن لايخفى أنه لابدمن مُضي مدة طويلة، حتى يغلب على الظن موته، لامجرد فقده عند ملاقاة العدو الخ.

تعجب ہے کہ اس قدر صاف تصریحات پیش نظر ہوتے ہوئے صاحب رسالہ نے قاضی کے لئے اختیار مطلق کو کیسے تجویز کیا۔ الغرض ان تصریحات سے یہ ثابت ہو گیا کہ حکم بالموت علی المفقود کا مدار دراصل غلبہ ظن پر ہے، خواہ وہ غلبہ ظن موت اقران سے حاصل ہو، خواہ مضی مدة لايعيش الى مثله سے حاصل ہو، خواہ دیگر قرائن ظاہرہ سے حاصل ہو اور بدون غلبہ ظن کے موت کا حکم لگا دینے کا ہرگز اختیار نہیں ہے۔

جب یہ واضح ہو گیا تو پھر اس قول میں صرف اس مفقود کی عورت کو سہولت ہو گئی جس کی موت پر قرائن ظاہرہ دال ہوں، ور عام مفقودین کی عورتوں کے لئے کوئی سہولت نہ نکلی؛ بلکہ ان کے واسطے ہنوز وہی دقت باقی ہے جس سے سخت پریشانی ہے، پھر چوں کہ تفويض الى رأى الحاكم وجود قاضی اسلام پر موقوف ہے، اور ہندوستان میں اس وقت اس کا تحقق نہیں اور کوشش کے بعد کامیابی کی جلد امید نہیں؛ اس لئے زوجہ مفقود کو ہندوستان میں بحالت موجودہ کچھ بھی سہولت نہ ہوئی۔ اور جب ضرورت باقی ہے تو رفع حرج کے لئے لامحالہ قول مالکیہ اختیار کرنا پڑے گا۔ كما لايخفى، وهذا آخر ما أردنا ايراده في هذه المقام، والتوفيق بيد الملك العزيز العلام.

حررہ

الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

مورخہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ

از: اشرف علی عفی عنہ، بغور دیکھا ماشاء اللہ کافی وافی ہے، اس کو امداد الاحکام میں نقل کرا دیا جائے۔

تتمة الرسالة

الحمد لوجه الكريم والصلوة والسلام على رسوله العظيم (سراپا کرم) اکرمکم الله الكريم، السلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

''رفاق المجتہدین کا مطالعہ کیا، صغیرہ آئسہ وصغیرۃ الزوج کی تخصیص، اور علامہ شامی کا بجائے ''یفتی'' کے ''یحکم'' کہنا ان دونوں میں مجھ سے ضرور تسامح ہوا، اس کو نکال دوں گا۔'' اب واقعہ سنئے! ایک مقامی عالم نے زوجہ مفقود کے بارے میں بقول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ لکھا اور قضا برعایت مذہب مالکی کا حکم دیا، اس وقت میں نے یہ تحریر بہت جلدی میں مرتب کی اور اتنی تحریر کی نقل دشوار تھی اپنی آسانی کے لئے چھپوادیا اور پینتیس جگہ روانہ کیا، مگر اب تک سوائے آپ کے کہیں سے نہ تائید آئی نہ تردید، بعد میں معلوم ہوا کہ ''المرقومات'' کوئی رسالہ شائع ہوا ہے اس سے مقامی عالم نے اخذ کیا ہے، چنانچہ ''المرقومات'' ایک شخص سے دستیاب ہوئی اور اس کو دیکھا، مگر اس میں اصل فتویٰ کے لئے حیلہ ناجزہ کا حوالہ دیا گیا، مگر حیلہ ناجزہ باوجود کوشش بلیغ کے دستیاب نہیں ہوئی، دہلی، سہارنپور، دیوبند سب جگہ سے جواب آیا ہے کہ موجود نہیں، اب آپ اپنی تحریر میں جابجا حیلہ ناجزہ کا حوالہ لکھتے ہیں، اگر ممکن ہو تو ایک نسخہ مجھے ضرور عطا فرمائیں؛ تا کہ استفادہ کرسکوں فی الحال امور ذیل کے جواب سے مجھے ضرور مطمئن فرمائیے، امید ہے کہ انہی سے اختلاف مرتفع ہوجائے گا۔

(۱) تفویض کا مطلب جو میں نے لکھا ہے، وہ درمختار کے ذیل میں فتح کے حوالہ سے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل فرمایا ہے، جیسا کہ فرمایا: قال في الفتح:

فای وقت رای المصلحة حکم بموته.

ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ روایت معمولی نہ ہو؛ بلکہ نظر و اجتہاد و حصول غلبہ ظن کے بعد ہو، مگر اختیارِ کلی اس سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ اس پر مزید غور فرمائیے، اس کے طے ہو جانے پر سب طے ہو جائے گا۔ (۲) نصب القاضی بالتراضی صحیح ہے یا نہیں؟ (۳) اور بعد نصب القاضی بانواع الثلاثۃ المذکورۃ فی وفاق المجتہدین سہولت ہوگی یا نہیں؟

(۴) اگر یہ نہ ہو اور وقتی کارروائی کے لئے تحکیم پر معاملہ رکھا جائے تو مفید ہوگا یا نہیں؟ کیوں کہ تحکیم بمنزلہ قضا اور محکم مثل قاضی ہوتا ہے، خصوصاً صاحب درمختار نے جو لکھا ہے اس پر کافی غور فرمائیے۔ ثم استثناء الثلاثة يقيد صحه التحكيم فی كل المجتهدات كحكمه بكون الكنايات رواجع وفسخ العين المضافة الى الملک وغير ذلک، ولكن هذا مما يعلم ويكتم وظاهر الهداية انه يجيب بلا يحل فتأمل. (درمختار باب التحکیم)

اب مجھے صرف یہی عرض کرنا ہے کہ اگر مذہب حنفی کی رو سے قضا یا تحکیم کے ذریعہ سے زوجہ مفقود کی خلاصی ہو سکتی ہے تو مذہب غیر پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ مذہب غیر پر عمل کی اجازت بعد ضرورت ہے اور یہاں خود گنجائش موجود ہے اس کے جواب سے ضرور مطلع فرمائیے، خصوصاً درمختار کا یہ جملہ "هذا مما يعلم ويكتم" بہت توجہ سے غور کے لائق ہے۔

بخدمت جناب مولانا اشرف علی صاحب سلام مسنون بوحدت مضمون عرض ہے، میری تحریر مولانا کی خدمت میں ضرور پیش فرمائیے کہ تحقیق حق مطلوب ہے۔

الجواب

مولانا المکرّم زاد مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

والا نامہ صادر ہوا۔ آپ نے احقر کی معروضات پر خاص توجہ فرمائی اس کا شکر گزار ہوں، اور حسب الطلب حیلہ ناجزہ ایک صاحب کی طرف سے ہدیۃً مرسل خدمت

ہے، اس کے بھیجنے کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ اگر ملاحظہ کے بعد آپ اس سے اتفاق کرلیں تو اس پر تقریظ لکھ کر روانہ فرمائی جاوے، اب استفسارات مندرجہ والا نامہ کے متعلق جو کچھ خیال ناقص میں آیا وہ بھی پیش خدمت ہے۔ امید ہے کہ حسب سابق توجہ سے ملاحظہ فرما کر جو رائے ہوگی اس سے مطلع فرمائیں گے۔

(ا) عریضہ سابقہ سے واضح ہو چکا ہے کہ "تفویض الی رأی الامام" کا یہ مطلب ہے کہ حاکم کو جب قرائن ظاہرہ دالہ سے موت مفقود کا غلبہ ظن ہو جائے تو وہ بدون موت اقران بھی حکم بالموت کرسکتا ہے؛ کیوں کہ موت اقران سے غلبہ ظن ہی ہوتا ہے، جب وہ دوسرے طریق سے حاصل ہوگیا تو اصل مقصود میں خلل نہیں آتا اور جب غلبہ ظن شرط ٹھہرا اور وہ بھی مقترن بالقرائن الظاہرۃ الدلۃ تو حاکم کے لئے کلی اختیار کیسے ثابت ہوسکتا ہے۔ اور فتح القدیر میں قال بعضهم :يفوض الى القاضى کے بعد جو فأى وقت رأى المصلحة حكم بموته موجود ہے، اس میں مصلحت سے مراد غلبہ ظن ہی ہے۔ كما يعلم من صنيع الشامى رحمة الله عليه حيث قال تحت قول الدرر: واختار الزيلعى تفويضه الى رأى الامام، قال فى الفتح: فأى وقت رأى المصلحة حكم بموته، قال فى النحر وفى الينابيع: قيل يفوض الى رأى القاضى ولا تقدير فيه ﴿ینابیع کی اس عبارت میں نیز شامی کے قول آئندہ "بل هو اقرب اليه من القول بالتقدير" میں گو بالتصریح ہے کہ تفویض سے تفویض مطلق مراد نہیں؛ بلکہ تقدیر مدت کے مقابلہ میں تفویض مقصود ہے﴾ فى ظاهر الرواية، وفى القنية: جعل هذا رواية عن الامام الخ، قلت: والظاهر أن هذا غير خارج عن ظاهر الرواية أيضا، بل هو اقرب اليه من القول بالتقدير؛ لأنه فسره فى شرح الوهبانية بأن ينظر ويجتهد ويفعل مايغلب على ظنه، فلا يقول بالتقدير؛ لأنه لم يرد به الشرع بل ينظر فى الأقران والزمان والمكان ويجتهد.

نیز علامہ زیلعی جنہوں نے اس قول کو مختار کہا ہے، وہ اختیار کی یہ وجہ بیان فرماتے ہیں: **لأنه أى العمر الذى لايعيش بعده غالبا، يختلف باختلاف البلاد، وكذا غلبة الظن يختلف باختلاف الأشخاص الخ.**

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات نے مصلحت کو عام نہیں رکھا؛ بلکہ اقران اور زمان و مکان میں غور کرنے کے بعد غلبہ ظن سے اس کی تفسیر کی ہے، اور اس تفسیر کو تسلیم کرنا لازم ہے؛ کیوں کہ اگر اس قول کی یہ تفسیر تسلیم نہ کی جاوے بلکہ یہ محمل قرار دیں کہ قاضی کو علی الاطلاق اختیار ہے تو اس قول کو درست کہنا بھی ممکن نہ رہے گا؛ کیوں کہ اس وقت یہ قول ظاہر الروایۃ میں داخل نہ ہو سکے گا، جس کی وجہ سے شامی وغیرہ نے تائید کی ہے؛ بلکہ ایک جدید قول ہوگا جس کی مساعدت نہ کسی روایت سے ہو سکتی ہے نہ درایت سے اور ظاہر ہے کہ ایسا قول کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ پس اس باب میں قاضی کے واسطے اختیار کلی تجویز کرنا سراسر بے اصل ہے۔ **لم يقل به أحد من أهل العلم فيما أعلم والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب.**

(۲) تراضی مسلمین سے قاضی کا تقرر درست نہیں، چنانچہ شامی نے بزازیہ سے نقل کیا ہے۔ **لو اجتمع أهل بلدة على تولية واحد القضاء لم يصح الخ.**

اور علامہ شامی نے جو اس کے بعد فرمایا ہے: **قلت : وهذا حيث لاضرورة والا فلهم تولية القاضي أيضا كما يأتي بعده.**

اس میں اوّل تو سخت اشکال یہ ہے کہ عبارت آئندہ جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس میں "**يجعلونه واليًا فيولى قاضيا**" ہے اور براہ راست عامہ کی طرف سے تقرر قاضی کا اس میں کوئی ذکر ہی نہیں، پس مدعا ثابت نہ ہوا۔ دوسری یہ عرض ہے کہ جس ملک میں تراضی مسلمین سے قاضی کو قوت و شوکت حاصل ہو جائے وہاں تو کچھ گنجائش بھی ہو سکتی ہے، مگر اس ملک میں تقرر عامہ سے کچھ کام نہیں چل سکتا بلکہ ایک اختلاف جدید کا وسیع باب کھل جائے گا، اس لئے اس کو صحیح کہنا کسی طرح قرین قیاس نہیں۔

(۳) انواع ثلاثہ میں سے نوع اول یعنی "یجعلونہ والیا فیولی قاضیاً" کا وقوع تو ہمارے دیار میں نہایت ہی بعید ہے، اور نوع دوم کا ناکافی ہونا ابھی نمبر ۲ میں گزر چکا اور نوع سوم یعنی ولی الکافر علیھم ورضیہ المسلمون ممکن ہے، لیکن سالہا سال سے برابر سعی جاری ہے، مگر ہنوز روز اول ہے، اور اگر خدا کرے کامیابی ہوجاوے تب بھی قول مالکیہ کو اختیار کئے بدون چارہ نہیں؛ کیوں کہ تفویض الی القاضی سے مشکل حل نہیں ہوتی جیسا کہ عریضہ سابقہ میں بھی معروض ہو چکا ہے۔

(۴) اول تو صاحب ہدایہ وغیرہ جیسے جلیل القدر مشائخ کرام کے خلاف کی جرأت مشکل ہے، خاص کر جب کہ ان کے قول کی علت یعنی تجاسر عوام کا اندیشہ آج کل روز افزوں مشاہد ہو رہا ہے، دوسرے مفقود میں تحکیم متصور ہی نہیں کیوں کہ تحکیم میں تراضی فریقین شرط ہے اور مفقود کی رضا بھی مفقود ہے۔ لہٰذا تحکیم کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ واللہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم.

کتبہ: الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
از: خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
یکم محرم الحرام ۱۳۵۵ھ

آپ کا خط بھی مولانا دامت برکاتہم کے ملاحظہ سے گزار دیا تھا، اور عریضہ ہذا بھی، عریضہ ہذا کی تصویب فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب کو میری طرف سے سلام لکھ دینا اور یہ بھی لکھ دینا کہ آپ کی جدوجہد سے دل خوش ہوا، دعائے برکت کرتا ہوں، حق تعالیٰ زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

❁❁❁

مجموعة الفتاوىٰ المالكية

لارباب الفتوىٰ من علماء المدينة المنورة اللتى وعدنا فى التمهيد أن نلحقها بآخر الرسالة مع عدد الروايات التى أخذنا ها ليتيسر الرجوع الى أصلها.

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الاستفتاء

ماقول ساداتنا المالكية أطال بقائهم ونفع المسلمين بعلومهم فى هذه المسائل الآتية:(١) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذسنين ولم يتبين أمره مع كثرة التفتيش والتنقير، هل يجوز لها بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تزوج بزوج آخر، ام لابد من رفع الأمر الى الوالى أو الحاكم أو جماعة المسلمين؟ ثم تفتيش ذلك المرفوع اليه فاذا يئس يحكم بعد ذلك بانتظارها أربع سنين؛ فان لم يتبين تعتد عدة الوفاة كما يفهم من المدونة ومختصر الخليل وشرحه الدردير أم كيف الحكم؟

(٢) هل يلزم حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار اربع سنين أم يصح ذلك بغير الحكم أيضا؟

(٣) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذمدة مديدة وفقدت

مسلمة من أهلها زوجها فيها وليس هناك حاكم اسلامى يفصل الأحكام حسب القوانين الشرعية، فكيف السبيل هنا لک، وفى اى قسم من الأقسام الأربعة المذكورة للمفقود فى مختصر الخليل يكون عداوه، وهل يصح؟ فللمرأة هنا لک بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تزوج أم سبيلها التعمير فقط؟

(۴) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة فى مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكان البلاد الاسلامية، فذهب زوجها الى البلاد الشركية فقد هناک ام تشتمل القاطنة بالبلاد اللتى استولى عليها الكفار وبالديار الحربية الأصلية ام كيف الأمر؟

(۵) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشركية اذا لم يترک زوجها عندها نفقة وهى فى غاية من الاحتياج والفاقة، أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالغروبة، كيف السبيل لها اذا أرادت التزوج أو أراد أهلها ذلک؟

(٦) المفقود عنها زوجها اذا لم يكن عندها النفقة وهى محتاجة أو يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها من غير حكم الحاكم الشرعى أم لابدمن الحكم؟ وعلى الثانى كيف يعمل بالبلاد الاسلامية التى تغلب عليها الأكفار؟ أفيدونا ولكم الأجر الجزيل.

الجواب

من العلامة سعيد بن صديق الفلاكى دامت بركاته

مفتى المالكية بالمدينة المنورة زادها الله نورا

بسم الله الرحمن الرحيم ....الجواب والله أعلم بالصواب، ومن فضله نرتجى الثواب هو أن نصوص المذهب مطبقة على أن المفقود على ستة

اقسام كما ستمر مفصلة الأحكام وعلى أن زوجته لابدلها من الرفع الى القاضى أو الوالى أو من يقوم مقامهما عند علمهما من والى الماء أو جماعة المسلمين؛ لأنهم يقومون مقام الحاكم العدل عند عدمه، ولكن عند وجود الثلاثة لاترفع الا للقاضى، فان رفعت لغيره مع التمكن من الرفع له حرم عليها ذلك وان مضى مافعله ان كان هو الوالى لا جماعة المسلمين هذا ما يظهر من كلام ابن عَرَفَة كما قاله الاجهورى.

وأما لورفعت لجماعة المسلمين مع وجود الوالى فالظاهر مضى فعلهم، وفى السنهورى وتبعه اللُقانى أن ظاهر كلام خليل أن الثلاث فى مرتبة واحدة وهو كذلك، الا أن القاضى أضبط ووجود القاضى أو غيره ممن ذكر مع كونه يجوز أو يأخذ المال الكثير بمنزلة عدمه، فترفع لجماعة المسلمين من صالحى جير انها وعدولهم وغيرهم؛ لأنهم كالامام عند عدمه، وما يفهم من تعبيرهم بجماعة المسلمين أن الواحد لايكفى، وكذا الاثنان وبه صرح الأجهورى.

فعلم أنها ان أرادت الرفع فى شان زوجها ووجدت الثلاثة وجب للقاضى، فان رفعت لغيره حرم وصح، وان رفعت لجماعة المسلمين لم يصح وان لم يكن قاض خيرت فيهما، فان رفعت لجماعة المسلمين صح على الظاهر، وان لم يوجد واحد من الثلاثة رفعت لجماعة المسلمين وأهلها منهم، وكذا القضاة والامناء المولون للأحكام من الكفار المستولين على بلاد المسلمين لحجز الناس بعضهم عن بعض، فقدادعى بعض أهل المذهب أنه واجب عقلا وان كان باطلا تولية الكافر لهولاء القضاة، أما بطلب الرعية له أو أقامة لهم الضرورة لذلك فلا يطرح حكمهم؛ بل ينفذ كمالو ولاهم سلطان مسلم فتمضى أحكامهم

للضرورة، ولئلا يزهد الناس فى قبول توليتهم فتضيع الحقوق.

وفى كتاب الأيمان فى مسألة الحالف ليقضيك حقك الى اجل أقام شيوخ المكان مقام السلطان عند فقده لما يخاف من فوات القضية، وعن مطرف وابن الماجشون فيمن خرج على الامام غلب على بلد فولى قاضيا عدلا فأحكامه نافذة. وقال ابن عرفة: لم يجعلوا قبول الولاية للمتقلب المخالف للامام جرحته لخوف تعطيل الأحكام.

وأما المفقود فى بلاد الاسلام فقد عرفة ابن عرفة بقوله هو من انقطع خبره ممكن الكشف عنه فالأسير ونحو ممن لايمكن الكشف عنه لايسمى مفقوداً فى اصطلاح الفقهاء. فالمفقود فى بلاد الاسلام فى غير مجاعة ولا دباء، ان لم ترض زوجته بالصبر الى قدومه فلها ان ترفع أمرها الى الخليفة أو القاضى أو من يقوم مقامهما فى عدمهما؛ ليتفحصوا عن حال زوجها بعد أن تثبت الزوجة وغيبة الزوج والبقاء فى العصمة الى الآن.

واذا ثبت ذلك عندهم كتبوا كتابا مشتملا على اسمه ونسبه وصفته الى حاكم البلد الذى يظن وجوده فيه، وان لم يظن وجوده فى بلد بعينه كتب الى البلد الجامع واستقرب ابن ناجى أن أجرة الرسول الذى يفحص عن المفقود على الزوجة، فاذا انتهى الكشف ورجع اليه الرسول وأخيره بعدم وقوفه على خبره، فالوا جب أن يضرب له أجل أربع سنين للحر وسنتان للعبد، وهذا التحديد محض تعبد لفعل عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه وأجمع عليه الصحابة.

ومحل التاجيل المذكور ان كان للمفقود مال تنفق منه المرأة فى الأجل ويزاد على ذلك عدم خشيتها الزنا بلا وطى لشدة ضرر ترك الوطى الناشى عنه الزنا ألا ترى أنها لو اسقطت النفقة عن

زوجها يلزمها الاسقاط، وان اسقطت عنه حقها في الوطي لايلزمها ولها أن ترجع فيه، وأيضا النفقة يمكن تحصيلها من غير الزوج بسلف ونحوه بخلاف الوطاء، وان دامت النفقة ولم تخش الفتنة، ليؤجل الأجل المذكور من يوم ترفع ذلک للحاكم ويرسل في النواحي للكشف عنه ولا يضرب له الأجل بمجرد الرفع؛ بل بعد تمام الكشف والى جميع ماسبق أشار خليل بقوله ولزوجة المفقود الرفع للقاضي والوالي ووالي الماء، والا فالجماعة للمسلمين، ليؤجل الحر أربع سنين ان دامت نفقتها أو العبد نصفها من العجز عن خبره لم اعتدت كالوفاة، وهي أربعة أشهر وعشراً للحرة وشهران وخمس ليال مع أيامها ان كانت رقيقة، ويلزمها مايلزم المتوفى عنها من الأحداد زمن عدتها، ولا نفقة لها في زمن عدتها.

وأما مدة الأجل فتنفق من مال الزوج، واليه أشار خليل بقوله وسقطت بها النفقة وليس لها البقاء بعد انقضاء العدة في عصمة المفقود؛ لأنها أبيحت لغيره ولا حجة لها في أنه أحق بها ان قدم؛ لأنها على حكم الفراق حتى تظهر حياته اذا لو ماتت بعد العدة لم يوقف له ارث منها.

وأما ان لم يكن له مال فلها التطليق عليه بالاعسار من غير تاجيل؛ لكن بعد اثبات ماتقدم وتزيد اثبات العدم واستحقاقها للنفقة، وتحلف مع البينة الشاهدة لها أنها لم تقبض منه نفقة هذه المدة ولا اسقطها عنه وبعد ذلک يمكنها الحاكم من تطليق نفسها بان توقعه ويحكم به أو يوقعه الحاكم.

ومثل المفقود ومن علم موضعه وشكت زوجته عدم النفقة يرسل اليه الحاكم، اما أن تحضر أو ترسل النفقة أو تطلقها، والا طلقها

الحاكم بل ولو كان حاضر أو عدمت النفقة، ثم بعد الطلاق تعتد عدة الطلاق بثلاثة اقراء للحرة وقرئين للأمة فيمن تحيض ؛ والا فثلاثة أشهر للحرة والزوجة الأمة لاستوائهما فى الأشهر.

وأما زوجه مفقود أرض الشرک ومثلها زوجة الأسير فانهما يبقيان لانقضاء مدة التعمير وأولى مالهما واختلف فى قدرها. فقيل: سبعون سنة وهو قول الامام مالک وابن القاسم وأشهب.

قال القاضى عبدالوهاب: وهو الصحيح، وقيل: ثمانون سنة، وحكم بخمس وسبعين سنة، وانما لم يضرب لهما أجل كزوجة مفقود أرض الاسلام لتعذر الكشف عن زوجهما، ومحل بقائهما ان دامت نفقتهما كغيرهما والا فلهما التطليق.

وأما زوجة للمفقود للمفقود فى القتال الواقع بين المسلمين والكفار فانها تعتد بعد مضى سنة كائنة بعد الفحص عن حاله. وأما زوجة المفقود فى معترک المسلمين فتعتد بعد الفراغ من القتال والاستقصاء فى الكشف عنه ولا يضرب لها أجل؛ لأنه يحمل أمره على الموت ولذلک يقسم ماله حين شروعها فى العدة، أما لوشهدت البينة على أنه خرج من الجيش ولم تشاهده فى المعترک، فانه يكون كالمفقود فى بلاد المسلمين فيجرى فى زوجة ماتقدم.

وأما زوجة المفقود فى زمن المجاعة أو الوباء أو الكبة أو السعال فتعتد بعد ذهاب ذلک المرض، وبقى من شک فى حاله، هل فقد فى بلاد المسلمين أو الكفار لانص فى حاله. قال الأجهورى: وينبغى العمل بالأحوط فتعامل زوجة معاملة مفقود أرض الشرک بخلاف من سافر فى البحر فانقطع خيره، فسبيله سبيل المفقود الا أن يكون

فقد فى شدة ريح والمراكب فى المرسى ولم يتبين خير فيحكم موته لغلبة الظن بغرقه، هذا ملخص أحكام المفقود بأقسامه.

حرره فى ۷/ جمادى الأولى ۴۷ هـ سعيد بن صديق أحسن الله اليه فى الفانيه والدائم. ومن عليه وعلى المسلمين بحسن الخاتمة.

الجواب

من العلامة الفاهاشم رحمه الله تعالىٰ

مفتى المالكية بالمدينة المنورة زادها الله تعالىٰ شرفا

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لمستحقة وأتم الصلاة والتسليم على خير خلقه وآله وصحبه وتابع ماوصى به. أما السوال الأول عن مسلمة فقدت زوجها سنين ويولغ فى التفتيش عنه ليستبين فلم ينفع ذلک ولم يظهر أسالم هو أم هالک؟

فجوابه اذا كان الفقد فى أرض الاسلام وله مال ينفق منه على زوجة المتروكة فى المقام هو مافى المؤطا والمدونة وغيرها عن مالک عن يحيى بن سعيد أن عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه قال: ايما امرأة فقدت زوجهافلم تدر اين هو؟ فانها تنتظر أربع سنين ثم تعتد أربعة أشهر وعشرا، ثم تحل.

وعن ابن وهب أن عمر عمل بذلک ورواه الأئمة: مالک والشافعى وأحمد وابن أبى شيبة والبيهقى والدارقطنى عن عمر وعثمان وعلى وابن عباس وابن الزبير رضى الله تعالىٰ عنهم.

وقال مالک وينفق على امرأة المفقود من ماله فى الأربع سنين

لافی العدة. وقال: لايقسم ميراث هذا المفقود حتى يأتى موته او يبلغ من الزمان مالا يحيى مثله، وهو سبعون أو خمس وسبعون او ثمانون، ذكره الشيخ خليل وغيره.

وفى هذا قال الناظم محمد ابن عاصم فى تحفة الأحكام: ومن بارض المسلمين يفقد، فاربع من السنين الأمد، وباعتداد الزوجة الحكم جرى بتعرضا والمال فيه عمرا. وقول السائل: هل تعتد لنفسها بعد الأربعة الأعوام عدة الحمام أم ترفع أمرها للحكام او جماعة الاسلام.

فجوابه مافى مدونة سحنون، قلت: أرأيت امرأة المفقود اتعتد لأربع سنين فى قول مالک بغير أمر السلطان، قال ابن القاسم، قال مالک: لا، وان أقامت عشرين سنة، ثم ذكر أنها ترفع أمرها السلطان فيبحث عنه وبعد اليأس تضرب أربع سنين. وفى مختصر الشيخ الخليل المالكى وشروحه وحواشيه: أن لزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى أو والى الماء، أى جابى الزكاة، والا فلجماعة المسلمين قيل أقلهم ثلاثة من الصلحا أو واحد عدل عارف يرجع اليه فى المهمات والبرحاء. أما مفقود أرض الشرک والأسير فلا يورث مالهما ولا تنكح زوجهما الا بعد التعمير.

وفى حاشية العدوى على الرسالة: أن زوجة مفقود أرض الشرک وزوجة الأسير تبقيان مدة التعمير لتعذر الكشف عن زوجهما ان دامت نفقتهما والا فلهما التطليق، كما اذا خشيتا على أنفسهما الزنا. ومثله فى شروح المختصر وفيها اعتاق أم ولده بعدمها النفقة أيضا دفعا للضرر أو تزوج بمن ينفق عليها، وفى هذا قال الناظم محمد بن عاصم.

وحكم مفقود بأرض الكفر فى غير حرب حكم من فى الأسر،

تعميره فى المال والطلاق، ممتنع مابقى الانفاق. أما المفقود فى حرب المسلمين مع بعضهم فيورث ماله وتعتد زوجة عدة الوفاة بعد انفصال الصفين ورجوع الخير الى البلدين. وفى ذلک قال الناظم محمد بن عاصم: وحكم مفقود بأرض الفتن فى المال والزوجة حكم من فنى، مع التوم لأهل الملحمة بقدر ماتنصرف المنهزمة. وأما المفقود فى حرب المسلمين الكفار؛ فتعتد زوجة عدة الوفاة ويقسم ما عنده من التركات بعد سنة وشيء من الانتظار، وفى ذلک قال الناظم محمد ابن عاصم.

وان يكن فى الحرب فالمشهور فى ماله والزوجة التعمير
وفيه أقوال لهم معينة أصحها القول بسبعين سنة
وقد أتى القول يضرب عام من حين يأس منه لا القيام
ويقسم المال على مماته وزوجه تعتد من وفاته
وذابه القضاء فى أندلس لمن مضى فمقتفيهم مؤنس

أما السوال الثانى وهو هل يلزم حكم الحاكم أو جماعة المسلمين بانتظار الأربع سنين أو صح بلاحكم من مذكورين. فجوابه مافى شرح الدردير وحاشيته: أن رفعها أمرها للقاضى يجب فان رفعت لوالى السياسة أو والى الماء الجابى للزكاة مع وجود القاضى حرم عليها ذلک وصح الحكم، وان رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضى بطل الحكم، وان لم يوجد قاض خيرت فى الرفع للوالى أو الساعى، فان رفعت لجماعة المسلمين مع وجودهما فالظاهر الصيحة، أما ان كانوا جائرين بأخذ مال منها ظلما ليكشفوا لها عن حال زوجها فلها الرفع لجماعة المسلمين. أما أجرة المبعوث لطلب الزوج فقيل: على الزوجة، وقيل: على

بيت المال، وقيل ان كان لها مال فعليها بيت المال، وعند الحنابلة لا يفتقر في ضرب المدة الى حاكم البلدة.

فائدة:عن المسئول عنه زائدة عند الحنفية لاتطلق زوجة المفقود ولا يورث ماله الا بعد سن التعمير مائة وعشرين أو تسعين او ثمانين او سبعين او ستين او يرأى حاكم المسلمين، وعند الحنابلة ان كان ظاهر غيبته السلامة لاتطلق امرأته ولا تورث تركته الا بعد تسعين سنة، وان كان ظاهره الهلاك فبعد أربع سنين عند الشافعية في قول الشافعي القديم تطلق بعد أربع سنين ويورث بعد مدة لايعيش الى مثلها، وفي الجديد لاتطليق ولا توريث الا بعد ثبوت موته أو طلاقه لما رواه الشافعي عن علي رضي الله عنه امرأة المفقود ابتليت فلتصبر حتى يأتي يقين موته، ولحديث امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها البيان، رواه الدار قطني والبيهقي عن المغيرة ابن شعبة، لكن الشافعية والحنابلة كالمالكية في جواز تطليقها بعد النفقة.

وأما السوال الثالث عن مسلمة فقدت زوجها في بلاد اسلامية استولى الكافر عليها وحازها، وليس هناك حاكم اسلامي كيف تعمل اذا أرادت زواجها، فجوابه مافي شرح أقرب المسالك للدردير أن زوجة المفقود في أرض الاسلام تعتد عدة وفاة ان رفعت أمرها للحاكم، ان كان ثمه حاكم أو لجماعة المسلمين عند عدمه، ولو حكما. قال كما في زماننا كان ثمه حاكم أو لجماعة المسلمين عند عدمه، ولو حكما. قال كما في زماننا بمصر اذلا حاكم فيها شرعي فيكفي الواحد من جماعة المسلمين ان كان عدلا عارفا، شانه أن يرجع اليه في مهمات الأمور بين الناس لا مطلق واحد، وعند

الحنابلة لاتفتقر امرأة المفقود الى حكم حاكم البلدة كما فى كشاف القناع وشرح المنتهى للشيخ مصور الحنبلي.

وقول السائل وفى أى قسم المفقود يكون هذا جوابه أنه من الفقد فى بلاد الاسلام اذا كانت شعائره فيها تقام. وفى حاشية الصاوى والدسوقي ان بلاد الاسلام لا تصير دار حرب باخذ الكفار لها بالقهر مادامت شعائر الاسلام قائمة بها، وعليه يكون اعتدادها عدة الوفاة بعد أربع سنين وانتهاء الكشوفات ويختص حكم المفقود بزوجة الساكنة فى بلاد الاسلام أو فى اللتى استولى عليها الكفار مع اقامة شعائر الاسلام فيها بين الانام، وأما الساكنة فى البلاد الحربية الأصلية فلا موالاة لنا معها فى أمورها بالكلية.

أما السؤال الرابع عن فسخ نكاح المفقود بعدم النفقة فى زمن التربص والقعود، فجوابه مافى شرح الدردير وعبد الباقى والخرشنى وغيرها أن المفقود انما يؤجل لامرأته مادامت نفقتها والا طلقت عليه بعدم النفقة وقضى صلى الله عليه وسلم فى الرجل لايجد ماينفق على امرأته بأن يفرق بينهما. رواه الدارقطنى والبيهقى، وذكره مالك والشافعى وعلماء الحنابلة عن سعيد بن المسيب وأخبر أن ذلك من السنة، وعلى ذلك المالكية والشافعية والحنابلة واستحسن متأخر الحنفية نصب غير حنفى يحكم بذلك للضرورة فى حضور الزوج، ذكره صدر الشريعة والكواكبى وابن عابدين وغيرهم.

أما السوال الخامس عن فسخ نكاح امرأة المفقود بخشية الفساد والزنا، فجوابه مافى حاشية العدوى على الرسالة والصاوى على أقرب المسالك وشرحة للدردير: أن ضرب الأجل لامرأة المفقود انما هو اذا دامت نفقتها من ماله ولم تخش العنت والزنا والا فلها

التطليق بعدم النفقة أو لخوف الزنا.

أما السوال السادس وهو هل يصح تطليقها أو الفسخ بغير حاكم شرعى وكيف العمل فى ذلک فى البلاد الاسلامية التى تغلب عليها الكفار بالقوة الظلامية؟

فجوابه مافى حاشية الصاوى المالكى على أقرب المسالک وكتب الشافعية ان الفسخ بعدم النفقة ونحوها انما يكون بحكم الحاكم أو المحكوم، وان لم يكن حاكم فجماعة المسلمين العدول يقومون مقامه فى ذلک، وفى كل أمر يعتذر فيه الوصول الى الحاكم العادل والواحد منهم كاف ان كان عدلا عارفا يرجع اليه فى المهمات عمرنا الله بخيره فى الحياة وبعد الممات وصلى الله عليه وسلم على صاحب المعجزات والكرامات.

العبد الفقير محمد الشهير الفاهاشم بن أحمد لازال مع الاخوان فى عناية الصمد الحاق. طريق تطليق زوجة المفقود أو الغائب الذى تعذر الارسال اليه أو أرسل اليه فتعاند ان كان لعدم النفقة فان الزوجة ثبت بشاهدين أن فلانة زوجها وغاب عنها ولم يترک لها نفقة ولا وكيلا بها ولا اسقطتها عنه وحلف على ذلک فيقول الحاكم فسخت نكاحه أو طلقتک منه أو يأمرها بذلک ثم يحكم به، وهذا بعد التلوم بنحو شهر أو باجتهاده عند المالكية وفورا أو متراخيا عند الحنابلة، وبعد ثلاثة أيام عند الشافعية، وأن كان لخوفها الزنا وتضررها بعدم الوطى والعنامع وجود النفقة والغنا فبعد صبرها سنة فاكثر عند رجل المالكية وبعد ستة أشهر عند الحنابلة وفقنا الله الى الأعمال الزكية.

العبد الفقير محمد الفاهاشم

الجواب

من العلامة محمد طيب بن اسحاق الأنصارى دامت بركاته
المالكى المدرس بالمسجد النبوى على صاحبها الصلوٰة والسلام

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله والصلاة والسلام على رسوله وآله أما بعد! فالجواب عن المسئلة الأولى هو مافهمتم لازلتم من أهل الفهم من المدونة ومختصر الشيخ خليل من أن المفقود عنها زوجها لالها من أحد أمرين: اما أن ترضى المقام مع زوجها المفقود أو تريد المفارقة، فان ارادتها فلا بدلها من رفع أمرها، اما الى القاضى والى الوالى أو الى والى الماء، وان لم يوجدوا فلجماعة المسلمين من صالحى بلدها وجيرانها، واما أنها تعتد أو تتزوج برجل آخر من غير رفع أمرها الى القاضى أو من ذكر فلا قائل بحليته وجوازه لما فيه مما لا يخفى من الفساد نص المدونة قلت أى قال سحنون لابن القاسم رأيت امرأة المفقود تعتد الأربع سنين فى قول مالك بغير أمر السلطان قال: قال مالك: لا، قال مالك: وان أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها الى السلطان نظر فيها وكتب الى موضعه الذى خرج اليه فان يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين.

فقيل لمالك: أتعتد بعد الأربع سنين أربعة أشهر وعشرا عدة الوفاة من غير ان يأمرها السلطان بذلك؟ قال نعم مالها، وأما السلطان فى الأربعة الأشهر وعشراً التى هى عدة ونص المختصر وزوجة المفقود (شرح وهو من غاب فى بلاد الاسلام وانقطع خبره

وأمكن الكشف عنه) الرفع للقاضى والوالى (ش أى وحاكم البلد ووالى الماء الساعى لجلب الزكوات) والا فلجماعة المسلمين من صالحى بلدها (ش ولها عدم الرفع والبقاء فى عصمة حتى يتضح أمره) فيؤجل الحر أربع سنين ان دامت نفقتها (ش) فان لم تدم نفقتها فلها التطليق بلا تاجيل، وكذا ان خشيت على نفسها الفساد من يوم العجز عن خيره ثم اعتدت كالوفاة وسقطت بها النفقة.

ودليل ذلک مارواه مالک عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب عن عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه أنه قال: أيما امرأة فقدت زوجها ولم تدر أين هو فانها تنتظر أربع سنين، ثم تعتد أربعة أشهر وعشرا، ثم تحل وما روى ابن وهب عن عبدالجبار عن ابن شهاب أن عمر بن الخطاب رضى الله سبحانه وتعالىٰ عنه ضرب المفقود من يوم حياته أربع سنين، ثم أمرها أن تعتد عدة المتوفى عنها زوجها، ثم تصنع فى نفسها ماشاء ت اذا انقضت عدتها وفى الحديث لاضرر ولا ضرار.

أما المسئلة الثانية: فجوابه يعلم مما قبلها وهو قول مالک لا لمن قال له أتعتد الأربع سنين بغير أمر السلطان ونص القاضى ابن فرحون فى كتابه تبصرة فى أصول الأقضية ومناهج الأحكام فى فصل مايفتقر الى حكم الحاكم على أن التطليق على الغائبين وغيرهم مما لابد فيه من حكم الحاكم.

وأما المسئلة الثالثة: فجوابها والله أعلم أن المرأة المسلمة التى فقدت زوجها فى بلاد استولت عليها الكفار مدة مديدة كما فى مصر والشام والهند تعتد أربع سنين ثم تعتد عدة وفاة أربعة أشهر وعشرا، وزوجها يكون فى عداد القسم الأول من أقسام المفقود؛ لأنهم

عرفوه بأنه من غاب والقطع خبره وأمكن الكشف عنه، وعرفوا القسم الثالى وهو المفقود فى أرض الحرب بأنه من غاب وانقطع خبره ولم يمكن الكشف عنه لأنه فقد فى أرض الحرب. أما البلاد المذكورة وان كان حاكما كافرا فلا تكون كارض حرب من كل وجه لوجود قضاة المسلمين فيها وولاتهم وامكان الكشف عنه فاتضح بهذا أن حكمها حكم من فقدت زوجها ببلاد الاسلام فلا تنتظر مدة التعمير.

وأما المسئلة الرابعة: فيفهم جوابها مما قبلها أيضاً هو أنه لافرق بين المفقود فى أرض الاسلام وبين المفقود فى البلاد المستعمرة لما قدمنا من وجود قضاة المسلمين فيها ولاتها وامكان الكشف عنه، فعلى هذا لا تختص الصورة الثانية المذكورة فى مختصر بالمسلمة الكائنة فى بلاد الاسلام؛ بل تشتمل من كانت فى البلاد المستعمرة للكفار لما قدمنا أن المراد الشركية البلاد الحربية التى لايمكن للمسلم الوصول اليها فلا تتمكن القضاة من التفتيش فيها لا مطلق البلاد الكفرية؛ لأنها ربما تكون سلمية أو ذمية. وأما القاطنة بالبلاد الشركية الحربية فحكمها هى وزوجها حكم المسلمين فيفديهما الامام من بيت المال ان كان والا فمن ماله بالغا ما والا فعلى جميع المسلمين.

وأما المسئلة الخامسة: فجوابها أن المفقود عنها زوجها ولم يترك لها نفقة واحتاجت غاية الاحتياج وخافت على نفسها الفساد أن لها التطليق بلاتاجيل كما هو مفهوم الشرط فى قول الشيخ خليل فى مسئلة المفقود توجل أربع سنين ان دامت نفقتها. وقال شراحه قاطبه: فان لم تدم نفقتها أو خشيت الفساد، فلها التطليق بلا تاجيل فترفع أمرها الى الحاكم وتثبت عدم النفقة والاحتياج بما يثبت به.

فاما أن يطلق الحاكم بنفسه أو يامرها بالتطليق وهو قول الشيخ خليل فهل يطلق الحاكم أو يأمرها به قولان.

وأما أرادت أهلها تزويجها فلا عبرة به مالم تطلب الفراق بنفسها، الا أن تكون سفيهة، فيقوم ولها مقامهما اذا تحقق لدى ضرورها.

وأما المسئلة السادسة: فجوابها أنه لايحل لمن لم تكن عندها نفقة أو من خشيت الفساد من النساء أن تطلق نفسها قبل ثبوت ضررها عند الحاكم سواء عدم النفقة أو خشيت الفساد لما تقدم في الجواب عن المسئلة الأولى من جواب مالک وما تقدم في الجواب عن المسئلة الثانية، وهو قول قاضي المدينة ابن فرحون في تبصرته أن التطليق على الغائبين وغيرهم مما يفتقر الى حكم الحاكم فلا بد من ثبوت ضررها عند الحاكم. فاما أن يطلق الحاكم واما أن يأمرها بتطليق نفسها وهو قولان مشهوران؛ لكن القول الثاني أقوى لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم لبريرة لما عتقت أنت أملک بنفسک، ان شئت اقمت مع زوجک وان شئت فارقتيه.

وأما قولكم وعلى الثاني كيف يعمل؟ فالجواب عنها أن أحكام قضاتهم نافذة ماضية، وان كانت توليتهم الصادرة من الكفار باطلة، وبهذا أفتى الامام أبو عبدالله المارزي لماسئل عن أحكام تاتي في زمنه من صقيلة من عنه قاضيها أو شهود عدولها، فاجاب جوابا طويلا الى أن قال: وأما الوجه الثاني وهو تولية الكافر للقضاة والامناء لحجز الناس بعضهم عن بعض فقد ادعى بعض أهل المذهب أنه واجب عقلا، وان كان باطلا تولية الكافر لهذا القاضي، أما بطلب الرعية أو اقامته لهم لذلک فلا يطرح حكمه، وينفذ كما لو ولاه سلطان مسلم، وفي كتاب

الايمان في مسئلة الحالف لأقضينك حقك الى أجل أقام شيوخ المكان مقام السلطان عند فقده لما يخاف من فوات القضية، وعن مطوف وابن الماجشون فيمن خرج على الامام وغلب على بلد فولى قاضيا عدلا فأحكامه نافذة انتهى، وفي كتاب بيان وجواب الهجرة للشيخ عثمان فودى الغلاني المالكي مانصه: وتولية الكافر للقاضي باطلة وسع ذلك لايقدح في تنفيد أحكامه اذا حجز الناس بعضهم عن بعض واجب، وفي ذلك يقول الناظم:

تولية الكافر للقضاة باطلة والحكم ذو الثبات
لان الحجز الناس بعضهم على بعض محتم كما قد ابحلى

قلت: أقل أحوالهم أن يكونوا كالمحكمين أو بمنزلة جماعة المسلمين فقد تقدم أن المفقود زوجها ترفع أمرها للقاضي أو للوالي وان لم يوجدا فلجماعة المسلمين، والعلم لله وصلى الله على سيدنا محمد واله وسلم.

مہر أمر بكتابته

محمد الطيب بن اسحاق الأنصارى

الاستفتاء من العلماء المالكية ثانيا

(١) ماقولكم رحمكم الله تعالى فيما اذا رجع المفقود أو أيسر المعسر أو أطاع المتعنت بعد فسخ نكاحه فهل ترد اليهم أزواجهم أم لا؟

(٢) مالمراد من العارف والمهمات في قول المالكية أن الواحد اذا كان عدلا عارفًا يرجع اليه في المهمات يكفى عن جماعة المسلمين التي يحتاج اليها عند عدم الحاكم حسار واعتبارا.

(٣) ماحكم زوجة العنين عند كم هل يفرق عن زوجها أم لا؟ وهل

يوجل بمدة أم لا؟ وهل يحتاج فيه الى قضاء القاضى أو من يقوم مقامه ام لا؟

(۴) وكذلك المجنون هل تطلق عليه زوجته اذا لكنت فاك ام لا؟ وعلى الأول فكيف السبيل اليه؟

الجواب

من العلامة الصالح التونسى دامت بركاته

المدرس بالمسجد النبوى على صاحبها الصلوة والسلام

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله الحكيم العليم، والصلاة والسلام على من بعث بالبيان والتعليم، وعلى آله وصحبه أولى الحث على البحث السليم السديد القويم، والحض على توقير الحظ من السوال الشافعى المشفوع بالجواب المرفى المفيد العميم. وبعد فقد وردت على الأسئلة الآتية من طرف بعض الاخوان مهمذا ابطالقها بعض عبارات الفقهاء المالكية متضمنة كيفية الفسخ نكاح المفقود والمعسر عن النفقة والمتعنت فى ذمها مخللة بعبارات الحنفية على التظهير ملتمسا التفاهم فيها لما يؤديه مبناها ويبديه معناها للتوصل بها الى الحكم فى المسائل الآتية على المذهب المالكى واليك خلاصة الأسئلة (س) اذا فسخ النكاح بين من ذكر على الوجه المقر للمعتبر شرعا ثم عاد المفقوذ أو أيسر المعسر أو أطاع المتعنت فما حكم المرأة حينئذ؟ (س) عن عبارة بعض الشراح فى أن الفسخ أو التطليق المذكور يكون للحاكم أو لجماعة المسلمين عند عدمه حسنا أو اعتبارا والواحد منهم كان اذا كان عادلا عارفا يرجع اليه فى المهمات وما

هو العارف وما هى المهمات؟ (س) ماحكم زوجة العنين من حيث بيان مدة التاجيل وكيفية التفريق اذا اقتضاه الحال وأباه الزوج (س) ماحكم زوجة المجنون كذلك؟

الجواب

لما كانت تلك العبارات المورودة المسرورة ليست مرصودة ومقصودة لذاتها بل الاستعانة بها والتوصل منها الى معرفة الحكم، وكان غيرها أفصح وأصح أعرضت عن التعرض لبيان سُوداها وما يقتضيه فحواها واكتفيت بذكر الأجوبة الآتية متحريا مظانها ومحالمها الحقيقة بقوله تعالى (ج عن س ا)

اذا فسخ النكاح على الوجه المقرر المعتبر شرعا فى حق من ذكر لم عاد المفقود أو أيسر المعسر أو أطاع المتعنت، فان كان ذلك فى العدة رجعت الزوجة لزوجها مطلقا لكون الطلاق رجعيا لم تفصل فيه العصمة حسب القاعدة المقررة من أن كل طلاق أوقعه الحاكم فهو بائن الا طلاق المولى. والمعسر سواء وقعه الحاكم بالفعل أو جماعة المسلمين أو أمرها به على حسب مايأتى، ولقول خليل وله الرجعة ان وجد فى العدة يسارا يقوم بواجب مثلها الشامل المعسر والغائب المطلقة عليه من أجل النفقة من باب أولى كما تبين لك بعد، فاذا كان التفريق مخصوص الفقد لا لا نقطاع النفقة ولا للموت فهى الأول وبعد لانقضاء العدة مالم يدخل الثانى المستفاد من قول خليل، وقدر طلاق يتحقق بدخول الثانى وتفريع الزرقانى عليه بقوله فان جاء الأول قبل دخول الثانى كان حق بها.

واذا كان الغائب مشهود عليه بالموت فقدم أوثبت حياته أو طلقت

زوجته لانقطاع النفقة فتبينت استمرارها ففي هاتين الصورتين لاتفوت بدخول الثاني؛ بل ترجع للأول لو ولدت الأولاد وهو مفاد خليل في المنعي لها زوجها مع حل الزرقاني عليه مصورا لها بقوله من شهدت بينه بموته فتزوجت ثم قدم فلا تفوت بدخوله كما يفيده قوله يعني خليلا في الاستحقاق كمشهود بموته وفي القضاء ونقض ان ثبت كذبهم كحياة من قتل وقوله والمطلقة لعدم النفقة ثم ظهر اسقاطها المعطوفة والمعطوف عليها المسائل المشتركة في الحكم المخبر به عليها بقوله فلا تفوت بدخول وتصوير الزرقاني لها بقوله بأن أقام بينه أنه كان يرسلها اليها أو أنها وصلتها أو أنه تركها عندهافلا يفتيها دخول الثاني، وتايد البناني ذلک ننقل فلاتم المراق ونصه.

وأما مسئلة المطلقة لعدم النفقة فقال ابن عبدالرحمن: ان ثبت بعد قدومه لرينها لها ردت له ولو دخل بها فتزوجها كما ذكر عن ابن عرفة عن ابن يونس، ومثله أقرب المسالک بقوله بخلاف المنعي لها زوجها والمطلقة لعدم النفقة ثم ظهر سقوطها يعني فلا تفوت بدخول الثاني كما صرح به في آخر النظائر، ومثله المجموع بقوله وان نعي لها تبين الكذب أو طلق عليه لعدم النفقة ثم تبين اسقاطها لم تفت بدخول. ج عن س) الذي عليه الجمهور وبه العمل وهو المشهور ان فاک التفريق ووسائله ولمتعلق به للحاكم فان عدم حسا أو اعتبارا فجماعة المسلمين الثلاثة فما فوق تقوم مقامه ولا يلفي الواحد في مثل هذا، وانما نسب ذلک للأجهوري في احدى الروايتين عنه وتبعه بعض الشراح من العربيين، والأول هو الذي عليه والمعول وعليه فلا لزوم تعريف معرفة هذا الواحد ولالبيان المهمات

الذى يرجع فيها اليه على أن ذلك واضح وهى كناية عن كونه عالما عاقلا مرجعا الأهل جهته فى حل مشكلاتهم مطلقا.

(ج عن س) وهو أن الحكم فى زوجة العنين التاجيل سنة من يوم الحكم أو التراضى من طرف الحاكم أو جماعة المسلمين كما هو، والتفريق كذلك على أن العنين يطلق باطلاقين على مسترخى الذكر وعليه فالحكم ماتقرر وعلى صغيره كالزر الذى لايتاتى معه الجماع، وهذا الزوجة الخيار فى الحال ولا تحتاج الى ضرب آجال. (ج عن س) هو أن حكم زوجة المجنون مثل حكم المعترض وهو العنين على التفسير الأول من التاجيل سنة، والتفريق على حسب مامر والى ذلك يشير صاحب التحفة بقوله:

وحيث عيب الزوج باعتراض أو برص وقيم عند القاضى
أزجله الى تمام عام كذلك فى المجنون والجذام
ويجده لايحكم بالطلاق ان عدم البر على الاطلاق

أى مطلقا بعد تمام السنة رجى برزه أم لا وهو معنى قول خليل وبجنونهما وان مرة فى الشهر قبل الدخول وبعده أجلا فيه، وفى برص وجذام مرجي برئهما سنة أى قمرية وقوله بعد ذلك وأجل المعترض سنة بعد الصحة من يوم الحكم، وعبارة الزرقانى فى الحل على قوله (بعد الصحة) من مرض غير الاعتراض وابتدائه من (يوم الحكم) لامن يوم الربيع لأنه قد يتقدم عن يوم الحكم فان لم يترافعا وتواضيا على التجيل فمن يوم التراض، والله أعلم وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم.

وكتب ذلك عن سلاء الفقير صالح التونسى بالمسجد النبوى

فی ربیع الأوّل سنة وفقه الله تعالی

تنبیه: لم يصرح أحد من أصحاب النون والشراح التی وقفت عليها بالحاق المتعنت بالمعسر وغاية ما ذكروا فی حقه أنه يجبر على النفقة او يطلق عليه، وهل هذا الطلاق بعد رجعيا فتلحق بالعسر فی الحكم وتشمله التلمدة المقررة فی الأصل حيث أن الممتنع من الوطاء الحقره بالمولی فاهله نظيره أو بعد بائنا ولا يشمله حكم المعسر حينئذ والله أعلم.

فتلخص: من ذلک أن العسر اذا أيسر فی العدة والغائب المطلق عليه من أجال النفقة اذا قدم موسرا فی العدة، فكل عرفا أحق بزوجة مالم تنقض العدة، وأن المفقود المطلق عليه من أجل النفقة اذا قدم ولو بعد العدة وقبل دخول الثانی هو أحق بها وأن الغائب المشهود عليه بالموت فقدم أو تحققت حياته والمشهود عليه بقطع النفقة فقدم وثبت استمرارها فالزوجة لهما ولا تفوت بعد دخول الثانی ولو ولدت الا ولاد حسب النصوص الصحيحة الصريحة ماقدمه المعولات لأربابها بحالها، وان المتعنت اذا رجع بحفل الحافة بالمعسر وهو الأقرب فله أجزاء فی العدة لابعدها، ويحتمل أن الطلاق عليه بائن وعليه فلا رجعة له حيث لانص صريح فی المسئلة كما تقدم. والله سبحانه وتعالیٰ أعلم صالح.

الجواب

من العلامة سعيد بن صديق الفلاتی متعنا الله تعالی بعلومه

بسم الله الرحمن الرحيم

ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم ﴿سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العليم الحكيم﴾ أعم الصلوة وأعم التسليم على سيدنا محمد الهادی الحليم وعلى آله وصحابه ولآتی ربه بقلب سليم.

اما الجواب عن امرأة المفقود فی مؤطا امام دار هجرة ونجم السنة مالک بن انس علیه رحمة رب الانس والجنة باب فی عدة التی تفقد زوجها حدثنی یحیی عن مالک عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب أن عمر بن الخطاب قال: أیما امرأة فقدت زوجها فلم تدر أین هو؛ فانها تنتظر اربع سنین، ثم تعتد أربعة أشهر وعشراً ثم تحل.

قال مالک: وان تزوجت بعد انقضاء عدتها فد خل بها زوجها أو لم یدخل بها فلا سبیل لزوجها الأول الیها. قال مالک: وذلک الأمر عندنا وان أدرکها زوجها قبل أن تتزوج فهو أحق بها. قال مالک: أدرکت الناس ینکرون الذی قال بعض الناس عمر بن الخطاب أنه قال: یخیر زوجها الأول اذا جاء فی صداقة او فی امرأته.
قال مالک: وبلغنی أن عمر بن الخطاب قال فی المرأة یطلقها زوجها وهو غلب عنها ثم یراجعها فلا یبلغها رجعة وقد بلغه والاقة ایاها فتزوجت أنها اذا دخل بها زوجها الآخر أو لم یدخل بها فلا سبیل للزوج الأول الذی کان طاقها أیها.

قال مالک: وهذا أحب ماسمعت الی فی هذا، وفی المفقود فی المدونة فی باب المفقود، قلت: أرأیت المرأة ینعی لها زوجها فتعتد منه ثم تتزوج، والمرأة یطلقها زوجها، فتعلم بالطلاق ثم یراجعها فی العدة وقد غاب زوجها ولم تعلم بالرجعة حتی تنقضی العدة فتزوج وامرأة المفقود تعتد أربع سنین بأمر السلطان، ثم أربعة أشهر وعشرا، لتنکح أهولاء عند مالک تحملهن بحمل واحد، قال لا، أما التی ینعی لها زوجها فهذه یفری بینها وبین زوجها الثانی وترد الی زوجها الأول بعد الاستبرأ بثلاث حیض، وان ولدت منه أولاد أو أما امرأة المفقود

التی طلقت ولم تعلم بالرجعة فانه قد كان مالك يقول مرة: اذا تزوجتا ولم يدخل بهما أزواجهما فلا سبيل لازواجهما اليهما.

ثم ان مالكا وقف قبل موته بعام أو نحوه فی امرأة المطلق اذا اتی زوجها الأول ولم يدخل بها زوجها الآخر، فقال مالك: زوجها الأول التی بها، قال وسمعت منه فی المفقود أنه قال هو أحق بها مالم يدخل بها زوجها الثانی، وأنا أری فيهما جميعا أن أزواجهما اذا أدركوهما قبل أن يدخل بهما أزواجهما هؤلاء الآخرون فالأولون أحق وان دخلوا فالآخرون. وقال أشهب مثل قوله واختار مااختاره. وقال المغيرة وغيره بقول مالك الأول. وقالوا لا توارث امرأة زوجين توارث زوجا لم ترجع الی زوج غيره، وقال: وليس استحلا الفرج بعد الأعذار من السلطان بمنزلة عقد النكاح، وقد جاء زوجها ولم يطلق ولم يمت.

قلت:أرأيت ان قدم زوجها بعد الأربع سنين وبعد الأربعة أشهر وعشرا ترد اليه فی قول مالك ويكون أحق بها، قال نعم قلت: فتكون عنده علی تطليقتين قال: لاولكنها عنده علی ثلاث تطليقات عند مالك، وانما تكون علی تطليقتين اذا هی رجعت اليه بعد زوج، قلت أرأيت المفقود اذا ضرب السلطان لامرأته أربع سنين ثم اعدت أربعة أشهر وعشرا، أيكون هذا الفراق تطليقة أم لا؟ قال: ان تزوجت ودخل بها فهی تطليقة، قلت: فان تزوجت بعد الأربعة الأشهر وعشرا، ثم جاء موته مات بعد الأربعة الأشهر وعشرا، أترثه أم لا؟ قال: ان انكشفت أن موته بعد نكاحها وقبل دخوله بها ورثت زوجها الأول؛ لأنه مات فهو أحق بها فهو كمجنيه ان لوجاء أو علم أنه حی وفرق بينها وبين الآخر واعتدت من الأول من يوم مات؛ لأن عصمة الأول لم يسقط وأنها

تسقط بدخول الآخر بها، وكذلك لومات الزوج الآخر قبل دخوله بها فورثته ثم انكشف أن الزوج الأول مات بعده أوقبله وبعد نكاحه أو جاء الزوج الأول حي بطل ميراثها من الزوج الآخر، وردت الى الأول ان كان حيا وأخذت ميراثه ان كان ميتا قلت.

ارايت امرأة المفقود تعتد الأربع سنين فى قول مالك بغير أمر السلطان؟ قال: قال مالك: لا، وان أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها الى السلطان نظر فيها وكتب الى موضعه الذى خرج اليه، فان يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين. وقيل لمالك: هل تعتد بعد الأربع سنين عدة الوفاة أربعة أشهر وعشرا من غير بأمرها السلطان بذلك؟ قال: نعم مالها وما السلطان فى الأربعة الأشهر وعشر التى هى عدة. وقال مالك: ينفق على امرأة المفقود من ماله فى الأربع سنين، قلت: ففى الأربعة الأشهر وعشر بعد الأربع سنين قال: لا، لأنها معتدة.

وقال مالك: يوقف مال المفقود والسلطان ينظر فى ذلك، ويوقف ماله ولا يداع أحداً يفسده ولا يبذره، وقال ربيعة بن أبى عبدالرحمن المفقود الذى لايبانه سلطان ولا كتاب السلطان قد أضل أهله وامامه فى الأرض لايدرى أين هو؟ وقد تلوموا الطلبة والمسئلة عنه فلم يوجد فذلك المفقود الذى يضرب له الامام فيما بلغنا لامرأته ثم تعتد بعدها عدة المتوفى عنها يقولون ان جاء زوجها فى عدتها أو بعد العدة مالم تنكح فهو أحق بها، وان نكحت بعد العدة ودخل بها فلا سبيل له عليها.

وقال ابن وهب عن عبدالجبار عن ابن شهاب: ان عمر بن الخطاب ضرب المفقود من يوم جاء ته امرأته أربع سنين، ثم أمرها أن تعتد عدة المتوفى عنها زوجها، ثم تصنع فى نفسها ماشاء ت ان

انقضت عدتها. وقال خليل فى مختصره: ولزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء والا فالجماعة المسلين، وظاهره أنها تخير فى الرفع لأحد الثلاثة والنقل أنه حيث أرادت الرفع، ووجدت الثلاثة وجب الرفع للقاصى وان رفعت لغيره حرم وصح. وان رفعت لجماعة المسلمين لم يصح، وان يوجد قاض خيرت فيهما فان رفعت لجماعة المسلمين معهما صح على الظاهر وجماعة المسلمين هم عدول جيرانها وغيرهم؛ لأنهم كالامام عند عدمه.

وذكر ابن عرفة أن عمل قضاة تونس أن الرفع للعدول كالرفع للسلطان، فان تعسر رفع بالسلطان ونائبه قام من ذكر مقامه. وبه قال ابن الهندى وأبو محمد وصوبه اللخى لنقل الرفع له على كثير، وتعبير هم بجماعة المسلمين يقتضى أن الواحد لايكفى، وبه صرح الأجهورى فيؤجل الحر أربع سنين ان دامت نفقتها من ماله والاتدم نفقتها من ماله فلها التطليق لعدم النفقة بلا تاجيل، وكذا ان خشيت على نفسها الزنا فيزاد على دوام نفقتها عدم خشيها الزنا.

وفى مجموع الأمير: وهل لزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء ظاهره أن الثلاثة فى مرتبة، وان كان القاضى أضبط وهو مافى الحر شئ والا يوجد واحد ممن ذكر بجماعة المسلمين، قال محشيه من صالحى جيرانها وغيرهم العدول ولا يكفى الاثنان كما فى الأجهورى؛ لأن أقل أجمع ثلاثة خلافا لما فى عبداً اباقى والخرشنى من كفاية الواحد، وقدرد الأجهورى كفاية الأثنين فضلا عن الواحد قائلا: التحقيق أن أقل الجماعة ثلاثة فيؤجل الأربع سنين من العجز عن خبره ان دامت نفقتها أو لم يخف زنا والا فلها تعجيل

الطلاق. قال المحشى: والا تدم نفقتها بان لم يكن له مال اصلا او فرغ أو دامت وخافت الزنا؛ فلها تعجيل الطلاق الى أن قال : ولها المهر كاملا ولا ترد ماقبضته ان قدم على مابه القضاء والارحج ان كان الصداق مؤجلا لا يحل لأنه تمويت لاموت.

قال ابن الحاجب: حكم الغائب ولا مال له حاضر حكم العاجز الحاضر فلها أن تطلق نفسها. قلت: فيجزى فيه قول خليل هل يطلق الحاكم أو يامرها به، ثم يجعلهم قولان: واذا ثبت لها التطليق بذلك فخشية الزنا أولى؛ لأن ضرر تراء الوطأ أشد من ضرر عدم النفقة ألا ترى أن اسقاط النفقة يلزمها، وان اسقطت حقها في الوطأ فلها الرجوعية؛ ولان النفقة يمكن تحصيلها بنحو تسلف، وسؤوال بخلاف الوطا.

وأما الجواب عن امرأة المعسر الذى لايجدماينفق عليها ففى المدونة، قال لنا مالك: وكل من لم يقو على نفقة بمرأة فرق بينهما ولم يقل لنا مالك حرة ولا أمة. وقال: لأن الرجل اذا كان معسراً لايقدر على النفقة؛ فليس لها عليه النفقة انما لها أن تقيم معه أو يطلقها كذلك الحكم فيها.

وقال ابن وهب عن عبدالرحمن عن أبى الزناد وعبدالجبار عن أبى الزناد أنه قال: خاصمت امرأة زوجها الى عمر بن عبدالعزيز وأنا حاضر فى امرأته على المدينة فذكرت له أنه لاينفق عليها فدعاه عمر، فقال: انفق والا فرقت بينك وبينها. وقال عمر: اضربوا له اجل شهر أوشهرين، فان لم ينفق عليها الى ذلك ففرقوا بينه وبينها.

قال أبو الزناد: وقال عمر بن عبدالعزيز سئل لى سعيد بن المسيب عن أمرها، قال: فسألته عن أمرهما، فقال: بضرب له أجل فوقت له من

الأجل نحوا مما كان وقت له عمر. وقال سعيد: فان لم ينفق عليها الى ذلك الأجل فرق بينهما. ابن وهب عن مالك وغيره عن سعيد بن المسيب أنه كان يقول اذا لم ينفق الرجل على امرأته أنه يفرق بينهما. وقال: سمعت...... يقول: كان من أدركت يقولون اذا لم ينفق الرجل على امرأته فرق بينهما ابن وهب عن الليث عن يحيى بن سعيد أنه قال: اذا تزوج الرجل المرأة وهو غنى فاحتاج حتى لايجد ماينفق فرق بينهما، فان وجد مايقيمها من الخير والزيت وغليظ الثياب لم يفرق بينهما.

وفى شرح بلوغ المرام: وقد اختلف العلماء فى هذا الحكم وهو فسخ النكاح عند اعتبار أزوج بالنفقة على أقوال الأول ثبوت الفسخ، وهو مذهب على وعمر وأبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنهم وجماعة من التابعين ومن الفقهاء مالك والشافعى وأحمد، وبه قال أهل الظاهر مستدلين بحديث لاضررولا ضرار.

والثانى ماذهب اليه الحنفية وهو قول للشافعى أنه لافسخ للاعسار بالنفقة مستدلين بقوله تعالىٰ: ﴿ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله لايكلف الله نفسا الا مآ آتاها﴾ قالوا: واذا لم يكلف الله النفقة فى هذا الحال فقد ترك مالايجب عليه ولا يأثم بتركه فلا يكون سبباً للتفريق بينه وبين سكنه وبابه، وان كان ذوعسرة فنظرة الى ميسرة فتؤمر بالصبر والاحتساب.

وقال مالك والشافعى أيضا وأحمد فى أظهر روايته أن المرأة اذا تزوجته عالمة باعساره أو كان موسرا عند تزوجه، ثم أصابته جائحة فانه لافسخ لها، وفى ابن الحاجب ويثبت لها حق الفسخ بالعجز عن النفقة الحاضرة لا الماضية حرين أو عبدين أو مختلفين مالم تكن

علمت فقره قبل العقد كما ذكره مبارة فى شرح التحفة، فاذا عرفت هذه الأقوال عرفت أن أقوى ها دليلا وأكثرها قائلا الأول، وقد اختلف القائلون بالفسخ فى تاجيله بالنفقة، فقال مالک: يؤجل شهر اوشهرين، وقال الشافعى: ثلاثة أيام.

قال ان عرفة: وطلقة بالعسر بها رجعيا اتفاقا وشهرا رجعية يسره ينفقتها فتصح الرجعة ان وجد فى العدة يسارا يقوم بواجب مثل الا دونه فلا تصح رجعة؛ لأن الطلقة التى أوقعها الحاكم انما كانت لرفع ضرر عجزه فلا تصح رجعة الا اذا زال، وذلک بأن يجد مالو قدر عليه أو لا لم يطلق عليه.

قال ابن عبدالسلام: ينبغى تقييدها لظن قدرته على اذا منه بعد ذلک، وقال عبدالله ابن فودى المالكى فى ضياء التاويل عند آية: ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله. قال: وهذا يفيد أن النفقة ليست مقدرة شرعا، وانما تقدر عادة بحسب المنفق، والمنفق عليه ولها الفسخ بطلقة رجعية ان عجز عن الانفاق، قلت: ومثلها الزوجة المطلقة فى حال غيبة زوجها من الحاكم أو جماعة المسلمين لدعواها عدم النفقة من ماله بأن ادعت أنه لم يدرک لها ما تنفقه ولم يرسله لها ولم يوكل من ينفق عليها وطلبت الطلاق وحلفت على ذالک فيطلق عليه الحاكم أو يأمرها بتطليق نفسها، فيحكم به.

وفى كتاب جامع أهم مسائل الأحكام فى قطع الخصام مما اشتد اليه حاجة الحكام للشيخ إدريس ابن خالد المالكى مانصه السادس فى اعسار الغائب، فاذا اقامت زوجة عند القاضى كلفها اثبات الزوجية واثبات غيبة، وان لم يعلموا أنه نرده شيئا ولا أحالها به

يؤدون الشهادة في ذلک على عيفها ثم يضرب لها أجلا من شهر.

وفي تحفة الحكام: وزوجة الغائب حيث أملت فراق زوجها بشهر أجلت فان انصرام الأجل ولم يقدم الرجل حلفت على مثل ماشهدت به الشهود، وطلقت نفسها طلقة رجعية، فان قدم موسرا في عدتها فله ارتجاعها، وان قدم بمالم يكن له عليها سيل الا أن ترضى بالمقام معه بدون نفقة، وان كانت فحجررة ورضيت بالمقام معه بدون نفقة على أن تنفق على نفسها من مالها فذلک لها ولا كلام لوليها اذالو طلقت لم يكن لها بد من النفقة على نفسها فمع الزوج أولى؛ لأن فيه.

وأما المتعنت الممتنع عن الانفاق ففي مجموع الأمير مانصه ان منعها نفقة الحال فلها القيام، فان لم يثبت عسرة انفق أو طلق والا طلق عليه. قال محشية، قوله: والا طلق عليه الحاكم من غير تلوم الى أن قال وان تطوعها النفقة قريب لو أجنبي، فقال ابن القاسم لها أن تفارق؛ لأن الفراق قدوجب لها. وقال ابن عبدالرحمن: لا مقال لها؛ لأن سبب الفراق هو عدم النفقة قد انتفى وهو الذى تقضيه المدوله كما قال ابن المناصف انظر الخطاب انتهى.

وأما السوال عن حكم زوجة العنين فجوابه مافي المدونة، قال: أرأيت العنين متى يضرب له الأجل من يوم تزوجها أو من يوم ترفعه الى السلطان، قال: من يوم ترفعه الى السلطان. وكذا وقال مالک قلت: أرايت العنين اذا فرق بينهما يكون أملک بها في العدة قال قال مالک: لا يكون أملک بها في العدة ولا رجعة له عليها، قلت: أرأيت العنين اذا لو يجامع امرأته في السنة، وفرق بينهما بعد السنة أيكون لها نصف الصداق؟ قال قال مالک: لها الصداق كله كاملا.

قال مالک: وبلغنی عن سليمان بن يسار انه قال: أجل المعترض عن أهله ابن القاسم عن مالک عن ابن شهاب عن ابن المسيب انه قال: اذا دخل الرجل بامرأته فاعترض عنها فانه يضرب له أجل سنة، فان استطا ع أن يمسها والافرق بينهما ابن وهب، قال موسى بن على وقال ابن شهاب: ان القضاة يقضون فى الذى لايستطيع امرأته بتربص سنة ينبغى فيها لنفسه، فان لم فى ذلک بأهله فهى امرأته وان مضت سنة ولم يمسها فرق بينه وبينها، ويقضى القضاة بذلک من حين تناكره امرأته يناكره أهلها.

قال ابن شهاب: وان كانت تحته امرأته فولدت له ثم اعترض عنها فلم يستطع لها فلم أسمع أحدا فرق بين رجل وبين امرأته بعد أن يمسها، وهذا الأمر عندنا. قلت: ارأيت العنين أيجوز له أن يوجله صاحب الشرط أو لايكون ذلک الاعند قاض أو أمير يولى القضاة. قال قال مالک: أرى أن يجاز قضاء أهل هذه المياه. قال ابن القاسم: وانما هم أمراء على تلک المياه وليسوا بقضاة فأرى أن صاحب الشرط أن ضرب العنين أجلا.

ذلک جائزا ـ انتهى ـ وأما السوال عن حكم زوجة العنين فجوابه مافى المؤطا فى الخيار حدثنى يحى عن مالک أنه بلغه عن سعيد بن المسيب أنه قال: أيما رجل تزوج امرأة وبه جنون أو ضرر فانها تخير، وان شاء ت قرت وان شاء ت فارقت. وفى المدونة: قلت فالجنون المطبق، قال: وقال مالک فى المجنون اذا أصابه الجنون بعد تزويجه المرأة أنها تعزل عنه، ويضرب له أجل فى علاجه، فان برء والافرق بينهما.

وقال ابن القاسم عن مالک أنه قال: يضرب له أجل سنة، ابن وهب

عن مسلمة عمن حدثه عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: كتب عمرو بن العاص الى عمر بن الخطاب فى رجل مسلسل بقيود يخافونه على امرأته، فقال أجلوه سنة يتداوى، فان برء والا فرق بينهما.

وقال ابن جزى فى القوانين: أسباب الخيار خمسة: وهى العيوب والغرور والاعسار بالنفقة وعتق الأمة تحت العبد والفقد. وأما العيوب فهى أربعة: الجنون والجذام والبرص وداء الفرج ويختص الرجل من داء الفرج بالجب والخصاء والغة والاعتراض، وتختص المرأة بالفرن والرتق والعفل وعجز الفرج الى أن قال: فاذا كان فى أحد الزوجين أحد العيوب كان للآخر الخيار فى البقاء معه، والفراق شرط أن يكون العيب موجوداً حين العقد، فان حدث بعده فلا خيار الا أن يبتلى الزوج بعد العقد بجذام أو جنون أو برص فيفرق بينهما للضرر الداخل على المرأة. ثم ان كان لعيب الزوج فان قامت به قبل الدخول فلا شىء لها من الصداق، وكذلك بعد الدخول الا أن طال مكثها معه وخلعت شررتها فلها الصداق.

وقال الخرشى: وان حصل الرد بعد لبناء، أى بناء من يتصور وطئه كالمجنون والأبرص فمع عيب الزوج يجب لها المسمى لتدليسه. وقولنا من يتصور وطئه: احتراز من المجبوب والعنين الذى ذكره كالزر والخصى وقيل وهو الذى لايقوم ذكره وان المعترض هو الذى يجرى عليه فى بعض الأوقات، فانه لامهر على من ذكر كما قال ابن عرفة، وفى القولين فرعان الأول تعجيل الفرقة بطلاق فى جميع العيوب الا الاعتراض فان المعترض يؤجل سنة، وان لم يطأفلها الخيار، وان رطء سقط خيارها، والقول قوله فى دعوى الوطى،

وطلاق العنين وشبهه رجعى كالطلاق باعسار بالنفقة.

قال المتطية: اعلم أن الغائبين عن ازواجهم خمسة: فالأول: غائب يترک نفقة وخلف، مالا ولا لزوجته عليه شرط فى المغيب، فان أحبت زوجة الفراق فانها تقوم عند السلطان لعدم الانفاق. والثانى: غائب لم يترک نفقة ولزوجته عليه شرط فى المغيب فزوجته مخير فى أن تقوم بعدم الانفاق أو بشرطها وهو أيسر عليها؛ لأنه لايضرب لها فى ذلک أجل. والثالث غائب خلف نفقة ولزوجة عليه شرط فى المغيب، فهذه ليس لها أن تقوم الا بالشرط خاصة. وسواء كان الغائب فى هذه الثلاثة الأوجه معلوم المكان أو غير معلوم المكان، الا أن معلوم المكان يقدر اليه أن أمكن من ذلک. والرابع: غائب خلف نفقة ولا شرط الا امرأته وهو مع ذلک معلوم المكان، فهذا يكتب اليه السلطان اما أن يقدم أو يحمل اليه امرأته أو يفارقها والا طلقها عليه. والخامس: غائب خلف نفقة ولا شرط لامرأته عليه وهو مع ذلک غير معلوم المكان، فهذا هو المفقود انتهى.

وفى القوانين وهو الذى يغيب وينقطع أثره ولا يعلم خبره وهو على أربعة أوجه: مفقود فى بلاد المسلمين، وفى العدو وفى قتال المسلمين فى الفتن، فأما المفقود فى بلاد المسلمين فاذا رفعت زوجته أمرها للقاضى كفلها اثبات الزوجية وغيبة، ثم بحث عن خبره وكتب فى ذلک الى البلاد، فان وقف له على خبره فليس بمفقود ويكاتبه بالرجوع أو الطلاق، فان قام على الاضرار طلق عليه وان لم يوقف له خبر ولا عرفت حياته من موته ضرب لها أجلا من اربعة أعوام للحر واعامين للعبد من يوم ترفع أمرها، فاذا انقضى

الأجل اعتدت عدة الوفاة، ثم تزوجت، وقال أبو حنيفة والشافعي ولا تحل حتى تصح موته فروع أربعة.

الأول: ان كان قددخل بها فنفقتها في الأربعة الأعوام عليه وان كان لم يدخل بها، فان كانت غيبة بعيدة الزمته النفقة تفوض لها في ماله ان شاء ت ذلک، وان كانت غيبة قريبة فقولان.

الثاني: فان جاء زوجها في الأجل أو العدة أو بعده...... تزوج فهي امرأته، وان جاء بعد أن تزوجت فان كان الثاني دخل بها فهي دون الأول وان لم يدخل بها فقولان.

الثالث: ان وقع الفراق من المفقود قبل الدخول وجب لها نصف الصداق هذا حكمه في زوجته، وأما ماله فموقوف لايورث حتى يعلم موته أو يعمر فياتي عليه من الزمان مالا يعيش الى مثله، واختلف في حد ذلک فالمشهور سبعون سنة، وقيل: ثمانون، وقيل: تسعون، وقيل مائة، وذلک كله من أول عمره، فان فقدت هو ابن سبعين تربص به عشرة أعوام بعدها على المشهور.

وأما المفقود في فتن المسلمين فحكمه كالأسير لاتزوج امرأته ولا يقسم ماله حتى يأتي عليه من الزمان مالا يعيش الى مثله الا عند أشهب وهو عنده كالمفقود في بلاد المسلمين في زوجة وماله، وأما المفقود في فتن المسلمين فحكمه كالأسير في المشهور، وقيل كالمفقود و قيل يحكم في زوجته يحكم المقتول يتلوم سنة ثم تعتد وتتزوج ويحكم في ماله يحكم المفقود فيعمر مالا يعيش الى مثله.

وفي مختصر: وبقيت أم ولده على حكم الحياة، وكذا يوقف ماله أي قسمه وبقيت زوجة الأسير التي ترک لها ماتنفق منه، وكذا أم

ولده وماله وتبقى زوجة مفقود اهل الشرک وام ولده وماله للتعمير، قال الشبر خيطى فى هذا المحل بشرط ان تدوم النفقة لكل زوجة الأسير ومفقود ارض الشرک والا فلها الطلاق، واذا ثبت لهما الطلاق بذلک فليثبت لهما اذا خشيتا الزنى بالأولى؛ لأن ضرر الوطأ أشد من ضرر عدم النفقة ألا ترى أن اسقاط النفقة يلزمها واسقاطها حقها فى الوطالها، ولها أن ترجع فيه وأيضا النفقة يمكن تحصيلها لها يتسلف أو سوال بخلاف الوطى. قال البزرلى طلاق امرأة الغائب عليه المعلوم موضع ليس بمجرد شهوة الجماع؛ بل حتى تطول غيبة جدا سنة، فأكثر على مالأبى الحسن قاله عبدالباقى.

وأما المفقود فى النفتن ففيه قولان: أحدهما أنه يحكم له بحكم المقتول، فتعتد امرأته ويقسم ماله، ثم اختلف هل ذلک من يوم المعركة أو بعد التلوم قدر ما ينصرف من هرب أو انهزام فيتلوم فى البعد سنة، وفى القرب أقل، واختلف أيضا هل تدخل العدة فى التلوم أم لا؟ والقول الثانى أنه يضرب له أجل سنة ثم تعتد امرأته وينقسم ماله. وأما السوال عمن رجع اليه فى المهمات، فالجواب أنه يشمل كل من يرجع اليه فى الولاية الخاصة والعامة فى الأمور الدينية والدنيوية كالقضاة فيما تختصمون بها وهى النظر فى الوصايا والولاء والأحباس العقبة والترشيد والتسفية والتحجير، والقسم فى المواريث والنظر الايتام وأمور الغياب، وفى الأنساب والجراحات والتدميات فهذه لاترفع الا الى القضاة والمراد باختصاص القضاة بها أنها حين أحتيج اليها فانها ترفع الى القضاة، وقد علمت فيما قدم أن جماعة المسلمين ينوبون منابه وكذا الامام فيما يختص به من

السياسة العامة من قسمة الغنائم وتفريق أموال بيت المال على المصالح واقامة الحدود و ترتيب الجيوش وقتال البغاة وتوزيع الاقطاعات واقطاع المعادن ونحو ذلك فلا يجوز لأحد الاقدام عليه الا باذن الامام فمن يرجع اليه في المهمات ليس له حد في الشرع، فيشمل كل من يرجع اليه في الولايات الدينية: لأن كل مسلم حاكم زوال، وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم : المقسطون يوم القيامة على منابر من نور عن يمين الرحمن وكلتا يديه يمين وهم الذين يعدلون في أنفسهم وأهليهم وما ولوا. (رواه مسلم والنسائي)

وقال صلى الله عليه وسلم : كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته، فالامام راع على الناس ومسئول عنهم، والرجل راع في أهل بيته وهو مسئول عنهم، والعبد راع في مال سيده ومسئول عنه، ألا كلكم راع ومسئول عن رعيته. فجعل صلى الله عليه وسلم في هذه الأحاديث الصحيحة كل هولاء رعاة، وكذلك العالم الحاكم فانه اذا أفتى يكون قضى، وفصل الحلال والحرام والغرض والندب والصحة والفساد، فبجميع ذلك أمانة تؤدى وحكم يقضى، فيرجع الى كل ممن ذكرنا فيما اختص به من المهمات للدينية والدنيوية، فأمر المفقود يرفع لمن يحسن التفتيش عليه في البلاد التي يظن به الخروج اليها، ويكتب في الكتاب اسمه وصفته وحرفته واسم أبيه ويبذل الجهد في التفتيش عنه، ومن هنا نقل الشذالي عن السيوري.

ان المفقود اليوم ينتظر به مدة التعمير لعلم من يبحث عنه الآن، وافتى به تلميذه عبدالحميد كما في البدر اهـ. والله أعلم وبالله التوفيق.

املاه العبد الفقير الوالي: سعيد صديق الفلاتي.

الاستفتاء مرة ثالثة

الحمدلله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى أما بعد! فالمسئول من سادات العلماء المالكية وأرباب الفتوى منهم متع الله المسلمين بهم أنه قد بقيت فى مسئلة المفقود والمطلق عليه لعدم النفقة سوالات عيديدة، لابد فى تنقيح هذه المسائل، وتفصيل حوادث الفتوى فيها من جوابها مشرحة، فالمرجوا من أولئك الكرام ان يبذلوا الجهد فى اتمامها وتفصيلها كما بذلوه أول مرة فى توضيحها وتكمليها على مذهبهم الشريف والأجر عندالله جزيل، وهذا تفصيل السوالات.

(۱) قد تقرر فى عامة كتب المالكية وثبت عندنا من فتاواهم أن من أقسام المفقود الأربعة، قسم يختص بحكم التعمير لزوجة وهو مفقود أرض الشرک ودار الحرب، ولكن لم يتفح مراده بعد فهل المراد أن رجلا من سكان دارالاسلام اذا ذهب الى دارالحرب أسيرا أو تأجرا، ثم فقد هناک ولم يدر أحی هو أم ميت؟ وبقيت زوجته فى دارالاسلام فلها حكم التعمير أم المراد أن سكان دارالحرب اذا فقد منهم رجل وزوجته أيضا فى دارالحرب فعليها التعمير، وعلى الأول فلا بد من بيان الحكم للصورة الثانية فانها هى حادثة الفتوى، وبها تعلق غرض السائل فهل لزوجة المفقود فى هذه الصورة أيضا حكم التعمير؟

(۲) البلاد التى تسلط عليها الكفار الا أن بعض الشعائر الاسلامية فيها قائمة بعد كبلادنا الهندية اليوم هل هى فى أمر لمفقود فى حكم دارالحرب أم دارالاسلام؟

(۳) الغائب المطلق عليه لعدم النفقة اذا جاء بعد تزوجها وبعد دخول الثانى وأثبت بالحجة ارسال النفقة ووصولها اليها أو اسقاطها

عنه، وكذا المعنى لها زوجها اذا جاء بعد دخول الثانى، فالحكم عند السادة المالكية أنها ترد على زوجها الأول، وان ولدت الأولاد كما صرح به فى شرح الدردير على مختصر الخليل وهو المصرح فى غاية فتاوى المالكية فههنا سوالات عديدة.

ألف : الأول: . أنها اذا ردت الى الزوج الاوّل فهل يجدد له النكاح ام لا؟

ب: الثانى:. أنه يجدد لها المهر أم لا؟

ج: الثالث:. هل تجب عليها عدة الزوج الثانى أم لا؟ وعلى الأول فكم عدتها؟

د: الرابع:. هل على الثانى مهر ها أم لا؟

ه: الخامس:. أن نسب أولادها بمن يثبت بالأول أم بالثانى.

(۴) قدتقرر عندهم أن امرأة المفقود والمعسر الغائب والمطلق عليه بعدم النفقة يفتيها دخول الثانى بتقدير الطلاق من حين الشروع فى العدة كما صرح به الدردير وغيرهم فهل الخلوة الصحيحة فيه تقام مقام الدخول أم لا؟

(۵) مالمراد فى الرواية التى جعلوا فيها حكم جماعة المسلمين كحكم القاضى من قولكم رحمكم الله تعالى؟ فان عدم الحاكم حسا اذا اعتبارا فجماعة المسلمين.

(٦) القضايا التى يراجع فيها الى جماعة المسلمين على مذهب المالكية هل يجب أن تكون مرافعقة لمذهبهم ؟ وهل يكون تلفيقا ممنوعا حكمنا بقضاء جماعة المسلمين فى قضية هى مخالفة لمذهب المالكية؟ وهى تحتاج الى القضاء على مذهب الحنفية أجيبوا رحمكم الله أجاب الله دعواتكم.

الجواب

من العلامة محمد طيب بن اسحق الأنصاری المدنی المدرس بالمسجد النبوی علی صاحبها الصلوٰة والسلام

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله نحمده ونشهده ونشكره ونسجده لانحصى ثناء عليه وصلى الله على سيد العرب والعجم المخصوص بجوامع الكلم وعلى آله وصحبه ذوى الهمم.

أما المسئلة الأولى والثانية فجوا بهما والله أعلم، أن المرأة المسلمة التى فقدت زوجها فى بلاد استولت عليها الكفار مدة مديدة كما فى مصر والشام وبقية الأمصار تعتد أربع سنين، ثم تعتد عدة الوفاة أربعة أشهر وعشرا، وزوجها يكون فى عداد القسم الأول من أقسام المفقود؛ لأنهم عرفوه بأنه من غاب وانقطع خبره وأمكن الكشف عنه وعرفوا القسم الثانى وهو المفقود فى أرض الحرب بأنه من غاب وانقطع خبره ولم يمكن الكشف عنه؛ لأنه فقد فى أرض الحرب فالبلاد المذكورة وان كان حاكمها كافراً لاتكون كأرض الحرب من كل وجه لوجود قضاة المسلمين فيها وولاتهم وامكان الكشف فاتضح بهذا أن حكمها حكم من فقدت زوجها ببلاد الاسلام فلا تنتظر مدة التعمير فلا تختص الصورة الثانية المذكورة فى المختصر بالمسلمة الكائنة فى بلاد الاسلام؛ بل تشمل من كانت فى البلاد المستعمرة الكفار أن المراد بالشركية البلاد الحربية التى لايمكن المسلم الوصول اليها، ولا تتمكن القضاة من التفتيش فيها لامطلق لبلاد الكفرية لأنها ربما

تكون سلمية أو ذمية. وأما القاطنة فى البلاد الشركية الحربية فحكمها هي وزوجها حكم المسلمين فيفديهما الامام من بيت المال ان كان، والا فمن ماله بالغاًمابلغ والا فعلى جميع المسلمين.

وأما المسئلة الثالثة: فالحكم عند المالكية كما ذكرتم أنها ترد الى زوجها الأول، فأما الغائب المطلق عليه بعدم النفقة فقال عبدالباقى على مختصر خليل: والمطلقة لعدم النفقة تتزوج ويدخل بها ثم ظهر اسقاطها عن المطلق عليه بأن أقام بينة ان كان يرسلها اليها وانها وصلتها أو أنه تركها عندها فلا يفتيها دخول الثانى. وأما المنعى لها زوجها فقال عبدالباقى أيضا: اذا أخبرت من غير عدلين بموته فاعتمدت واعتدت وتزوجت، ثم قدم فلا تفوت عليه بدخول الثانى ولو ولدت منه أولاداً؛ سواء حكم به الحاكم أم لا على المشهور، وترد اليه فى الصورتين من غير تجديد عقد ولا مهر ويجب عليها الاستبراء بثلاث حيض ان كانت ممن يحيض أو وضع حمل ان كانت حاملا أو ثلاثة أشهر ان كانت صغيرة أو آيسة يجب على الثانى جميع الصداق المسمى ان كان والافصداق المثل القول الشيخ خليل (وتقرر بوطأ وان حرم) قال الدردير: وتقرر جميع الصداق الشرعى المسمى، وصداق المثل فى التفويض بوطأ المطيقة من بالغ وان حرم ذلک الوطأ ويلحق نسب الأولاد بالثانى، وهذا مما لا خلاف فيه فى مذهب المالكية.

وأما المسئلة الرابعة: فقال الدردير رحمه الله تعالى: وقدر طلاق من المفقود حين الشروع فى العدة يفتيها عليه يتحقق وقوعه بدخول الزوج الثانى عليها؛ حتى لوجاء الأول قبل دخول الثانى كان أحق بها، وبعد الدخول بانت من الأول وتأخذ منه جميع المهر، وان لم

يكن قد دخل بها فلم ينص الا على امراة المفقود. وأما المعسر الغائب والمطلق عليه بعدم النفقة فلا يفتيها دخول الثانى ولو ولدت منه أولادا كما تقدم ذكره فى المسئلة الثالثة، واذا اختلى بها خلوة اهتداء دخل بها. وقال فى حاشية العدوى على مجموع الأمير عند قوله: وقدر طلاق يتحقق عند دخول الثانى أى خلوته بها، وان أنكر التلذذبها لأن الخلوة مظنة وقائمة مقامه كما فى التوضيح.

وأما المسئلة الخامسة: فالجواب ان المسائل التى تنوب فيها جماعة المسلمين عن القاضى كثيرة، ومنها: مسئلة المفقود فان امرأته لابدلها من أحد أمرين اما أن ترضى المقام مع زوجها المفقود أو تريد المفارقة ، فان أرادتها فلابدلها من رفع أمرها اما الى القاضى أو الوالى أو والى الماء، وان لم يوجدوا فلجماعة المسلمين من صالحى بلدها وجيرانها، وأما أنها تعتدو وتتزوج برجل أخر من غير رفع أمرها الى القاضى ومن ذكر فلا قائل بُحيلته وجوازه لما فيه من الفساد.

وأما المسئلة السادسة: فجوابها أن القضايا التى يرجع فيها الى جماعة المسلمين يجب أن تكون موافقة لمذهبهم لأن التلفيق حرام باتفاق، وَاللّٰه سبحانه وتعالى أعلم.

أمر بكتابته محمد الطيب بن اسحاق الأنصارى المدنى

خادم العلم فى المسجد النبوى.

الجواب

من العلامۃ الصالح التونسی المالکی المدرس بالمسجد الشریف بالمدینۃ المنورۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله والصلوٰة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه والاه وبعد فقد وردت على أسئلة متفرعة عن مسئلة المفقود وهى هذه:

(۱) اذا اردت زوجة المفقود ونحوه الى الزوج الأول بعد دخول الثانى فهل يجدد للأول النكاح أم لا؟

(۲) وهل يجدد لها المهر أم لا؟

(۳) وهل تجب عليها العدة للزوج الثانى اولاً وكم عدتها؟

(۴) وهل لها المهر على الثانى أولا؟

(۵) نسب أولادها من الثانى بمن يلحق؟ (۶) هل الخلوة الصحيحة المعتبربها العدة ونحوها تقوم مقام الدخول أو لا؟

(۷) القضايا التى يكون المرجع فيها ونظرها الى القاضى فان عدم حسا أو اعتباريا فجماعة المسلمين، فهل يكون تلفيفا ممنوعا ان كان أصلها على المذهب الحنفى وأريد جعل النظر فيها لجماعة المسلمين على المقرر عند المالكية بشرطه المذكور.

الجواب

بعون الله على المذهب المالكى حسب المقرر والمحرر فى كتبهم المتداولة المعمول بها فى الحكم الفتوى.

فعلى المسئلة الأولى أن رجوع الزوجة لزوجها الأول بعد دخول الثانى لايحتاج لتجديد النكاح.

وعلى الثانى أنه لامهر لها من جديد.

وعلى الثالث وجوب العدة وتسمى استبراء وهو بثلاث حيض.

وعلى الرابع بوجوب المهر كاملا لها على الثانى للقاعدة المجمع عليها، وهو تكميله بالوطأ.

وعلى الخامس يلحق نسب أولادها من الثانى به للقاعدة، وانه كلما سقط الحدلحق الولد.

وعلى السادس بأن الخلوة الصحيحة تقوم مقام الدخول فى هذا، ومثله الا فى حل المبتوة فبثبوت الايلاج.

وعلى السابع بأن ذلك ليس من التلفيق الممنوع سواء، سميناه تقليداً أو تلفيقاً كما يقتضيه كلام المجموع بأوله، وبباب النكاح عند قوله والمبتوة حتى يولج بالغ الخ، وهو الأولى بسماحة الدين والتوسعة على المسلمين، وليس الانسان اذا قلد مذهبا من المذاهب يكون مربوطاً به فى جميع نوازله وكافة حوادثه، ومسائله فهو خلاف العقل والنقل ودين الله يسر والله أعلم وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

كتبه بيده مستعجلا صالح التونسى المالكى

المدرس بالمسجد النبوى

يوم الأربعاء الرابع والعشرين من صفر الخير عام واحد وخمسين وثلاث مائة وألف حجرته غفر الله له وعفا عنه.

الاستفتاء من العلماء المالكية بالمرة الرابعة

السوالات

(۲) السوال الثانى: أن جماعة المرفوع فرغ اليها اذا كانت حنفى للمذهب، ورفع اليها أمر يوجب التفريق عند الحنفية ولا يوجب عند

المالكية مثاله تقبيل ابن الزوج اياها أو غيره من الأفعال التى توجب حرمة المصاهرة عند الأحناف، فهل يجوز لهذه الجماعة الأحناف عند المالكية أن يحكموا بالتفريق، وهل ينفذ حكمهم ان حكموا بها؟ مع أن هذا الحكم ملفق خارق للاجماع ظاهر الان الحنفية لم يعتبروا بحكم الجماعة أى لم يعدوه بمنزلة حكم القاضى، والمالكية وان عدوا جماعة المسلمين بمنزلة القاضى، ولكن هذا الأمر لايوجب التفريق عندهم فهل يجوز مثل هذا التفريق أم لا؟

بينوه مع نقل العبارات من كتب الفقه جزاكم الله تعالى عنا وعن سائر المسلمين. والذى فهمنا لى الجواب عن هذا السوال بناء على القواعد هو أن الفقهاء صرحوا أن قضاء القاضى اذا صادف محلاً مجتهداً فيه نفذ، وهذا الحكم المسئول عنه مجتهداً فيه، وهذه الجماعة تنوب مناب القاضى، فاذا حكموا بالتفريق فقد تحقق أن القضا لاقى فصلا مجتهداً فيه، فينبغى أن ينفذ وكذا يقال فى كل أمر مجتهد فيه أياما كان، أما لزوم محذور لتلفيق كما لزم فى هذه الصورة حيث أن الحاكم حكم على المذهب المالكى لا الحنفى، والحكم حكم على المذهب الحنفى لا المالكى، فأعدل الأقاويل فيه أن التلفيق لايجوز فى المسئلة الواحدة فى مسئلتين أو أكثر، وههنا كذلك لأن كون الجماعة فى حكم القاضى مسئلة وحرمة المصاهرة مسئلة أخرى، فلا باس بالتلفيق فيه هذا فهمنا، فان كان صحيحا فيها ونعمت وان لم يصح فأوضحوا لنا وجه الغلط، جزاكم الله تعالى ومتعنا بكم الى أزمنة تتوالى.

(۳) السوال الثالث: الأمر الذى يوجب التفريق بالاتفاق، ولكن

كانت شرائطه مختلفاً فيها مثلا اذا كان الجنون مطبقا، فعند المالكية يؤجل صاحبه سنة كما اذا كان ذا افاقة، وأخذ ساداتنا الحنفية بقول محمدؒ أن الجنون اذا كان مطبقا لايؤجل بل يفرق فى الحال كالجب ، فهل يجب على جماعة المسلمين ان يراعوا الشرائط المعتبرة عند المالكية ام يجوز الاكتفاء بالشرائط المرعية عند الحنفية، أفيضوا علينا متع الله المقتبسين بطول بقائكم.

الفتوى من العلامة محمد بن على البيضاوى المالكى
متع الله المقتبسين بعلومهم.

(صورة ماكتب العلامة فى ضمن الجواب عن السوال الأول)

وقبل ذكر صور الأربع أذكر لكم مقدمة فيها مسائل، منها تعريف المفقود: وهو الذى انقطع خبره ممكن الكشف عنه، ومنها أن كل من ليس له مال تنفق منه زوجته من أسير أو مفقود بأقسامه الأربعة الآتية، فحكمه حكم المعسر الغائب الذى لم يترك لزوجة نفقة فتأجل شهراً أو تحلف وتطلق نفسها كما فى شرح التحفة للشيخ على بن عبدالسلام التسولى، وهذا الشهر الذى يؤجله يكون بعد اتيانها بينة تشهد لها بأن زوجها غاب عنها قبل البناء أو بعده بموضع كذا أولا يعلمون موضعه، وأنه غاب منذ كذا ولا يعلمونه ترك لها نفقة ولا كسوة ولا شيئا تمون به نفسها ولا ماتعدى فيه ولا أنه آب اليها ولا بعث بشيء ورد عليها فى علمهم الى حين تاريخه كما فى التسولى المذكور. ثم إنها كونها تطلق بعد ثبوت ماذكر واليمين اذا لم يتطوع قريب أو أجنبى بنفقتها والا فليس لها ان تطلق نفسها على المعتمد؛ لأن سبب الفراق وهو عدم النفقة قد زال كما فى التسولى.

المسئلة الثانية: اعلم وفقنى الله وإياك أن المالكية لايرون الحكم على زوجين بالتفريق؛ لأن مذهبهم خلاف ذلك ولا يامرون الحنفية بالحكم بالتفريق؛ لأن الأمر فى ذلك خلاف مذهبهم، نعم اذا أراد جماعة الحنفية الحكم بذلك تقليد المالكية فى حكم جماعة المسلمين فتكون المسئلة عندهم من باب التلفيق وهو جائز على الصحيح.

وينبغى عدم ارتكابه فى الفروج بخلاف تتبع الرخص فلا يجوز كما يأتى ففى الشبر خيطى: أنه يمتنع تتبع رخص المذاهب وفسرها بما ينقض به حكم الحاكم من مخالف النص وجلى القياس، وزاد فى مراقى السعودى مخالفة الاجماع وقاعدة الدين، وغيره أن معناه رفع مشقة التكليف باتباع كل سهل، وفيه أيضا منع التلفيق والذى قاله شيخنا الأمير عن شيخه الصغير وغيره أن الصحيح جوازه أى التلفيق، وهو فسحة لكن لاينبغى فعله فى الناكح، لأنه يحتاط فى الفروج مالا يحتاط فى غيرها انتهى من بلغة السالك لأقرب المسالك للشيخ أحمد الصاوى مع بعض زيادة وبيان. وما ذكره أعلاه من منع تتبع الرخص، وكذا التلفيق نقله الشيخ محمد الأمير فى مجموعة ثم تعقبه بقوله وسمعت من شيخنا عن شيخه الصغير وغيره أن الصحيح جوازه أى التلفيق وهو فسحة انتهى مع زياده بيان. قال محشى الشيخ حجازى: ينبغى الا فى الفروج للاحتياط فيها كما قاله بعض المحققين انتهى.

وذكر الشيخ حجازى أيضا قيل ان منع تتبع الرخص نص عليه القرافى وغيره، ثم ذكر مناقشة التواق فى سنن المهتدين فى ذلك ولكن غير مسلمة. وذكر الشيخ أبو العباس سيدى أحمد بن

عبدالرحمن الشهير بابن حلولو في الضياء اللامع في شرح جمع الجوامع: أن الانسان اذا التزم مذهباً معيناً لم أراد الخروج اختلف فيه، فالماذرى والقزالى على عدم الجواز، وصحح الرافعى الجواز.

والقول الثالث لايجوز في عض المسائل ويجوز في البعض، والبعض الذى لايجوز فيه هو الذى عمل به واختار عزالدين والقرافى في جواز الانتقال، وأن المذاهب كلها مسالک الى الجنة، وذكر القرافى عن الزناتى أن ذلک جائز بثلاثة شروط:

الأول: أن لايجمع بينها على وجه يخالف الاجماع كمن تزوج بغير ولى ولاصداق ولا شهود، فان هذه الصورة لم يقل بمجموعها أحد.

الثاني: أن يعتقد فيمن يقلده الفضل بأصول أخباره اليه.

الثالث: أن لا يتتبع رخص المذاهب انتهى. وجوز بعضهم تتبع الرخص للموسوس دون غيره، كما فى نشر البنود على مراقى السعود، وقال: وهو قول حسن وامتناع تتبع الرخص شامل لمل ترام مذهب معين وغيره انتهى منه......فعلم من هذه النصوص أن تتبع الرخص ممنوع سواء التزم مذهبا معينا أم الا في حق الموسوس والتلفيق يجوز على الصحيح غير أنه لاينبغى فعله فى النكاح.

والمسئلة التى ذكرتم من التلفيق لامن تتبع الرخص، فتجوز وان كانت هنا فى الفروج لأنها عزيمة واحتياط. وأما مانقله الشيخ حجازى عن بعض المحققين أنه ينبغى الا فى الفروج للاحتياط فيها، فذلک فى الرخصة انتهى والله أعلم.

وأما المسئلة الثالثة ذكرتم فيها هل يجب على جماعة المسلمين الحنفية أن يراعوا الشرائط المالكية أم يجوز الاكتفاء بالشرائط المراعيه عند الحنفية الى آخره.

اعلم وفقنی الله وایاکم أنه یجب علی جماعة المسلمین أن یراعوا شروط المالکیة لیخرجوا من تتبع الرخص الممنوع؛ لأنهم اذا لم یراعوا شروط المالکیة فیکونوا أولا ارتکبوا رخصة حکم جماعة المسلمین کما تقول المالکیة، والحال أنهم لیسوا المالکیة، لم ارتکبوا رخصة شروط الحنفیة، والحال أنهم حکموا بمذهب المالکیة. والله سبحانه وتعالیٰ أعلم.

قاله واذن بکتبه عبید ربه محمد بن علی البیضاوی غفر الله له.

ضروری اطلاع

یہاں جو فتاویٰ مالکیہ لکھے گئے ہیں وہ سب پہلی طباعت کے وقت حاصل ہو چکے تھے، اور جن حضرات کی تصدیقات اس رسالہ کے ساتھ طبع کی گئی ان سب حضرات کی نظر سے گزر چکے ہیں، اس کے بعد آٹھ صفحات کے فتاویٰ بعد حصول تصدیقات کے حاصل ہوئے ہیں؛ اس لئے اطلاع دی گئی؛ تا کہ تلبیس اختلاط نہ ہو۔ فقط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بعد حمد وصلوٰۃ! معروض آنکہ حیلۂ ناجزہ شائع ہونے کے بعد اس کے متعلق چند علمائے کرام کی طرف سے کچھ اشکالات ہوئے تھے وہ مدینہ منورہ بھیج دیئے تھے، وہاں سے جو جوابات آئے ہیں، ان کو بعینہٖ اصل عبارت عربی میں مجموعۃ الفتاویٰ المالکیۃ (مذکورہ حیلۂ ناجزہ) کا تتمہ بنا کر مستقل شائع کیا جاتا ہے۔ چوں کہ اس تتمہ میں دو امر ایسے ہیں جن کا اصل رسالہ اردو میں اضافہ ضروری ہے، نیز ایک ضروری تنبیہ بھی خیال میں آئی: لہٰذا ان کو بھی بطور ضمیمہ شائع کیا جاتا ہے۔

اضافۂ اول

حیلۂ ناجزہ میں تحت عنوان تنبیہات ضروریہ متعلق جماعت مسلمین تنبیہ سوم جو حکم

درج ہے کہ جماعت مسلمین کا صرف وہ فیصلہ معتبر ہوگا جو باتفاق ہوا الخ، اس پر حاشیہ ذیل کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

اس وقت علمائے مالکیہ کا جواب اس مسئلہ کے متعلق موصول نہ ہوا تھا، اس لئے اپنے قواعد سے حکم لکھ دیا تھا، بعد میں جواب آگئے ہیں ان سے معلوم ہوا کہ سب علماء کا اس حکم پر اتفاق ہے کہ جماعت کا متفق ہونا شرط ہے۔ **كما صرح به العلامة صالح التونسی والشيخ عبدالله القرنی فی الجواب عن الاستفتاء بالمرة الخامسة.**

اضافۂ دوم

عنوان بالا تنبیہ سوم کے بالکل ختم پر متن میں سوال وجواب ذیل کا اضافہ کیا جاتا ہے:

سوال: اگر مقدمہ پیش کرنے کی بابت فریقین میں اختلاف ہو، ایک فریق ایک جماعت کے پاس مقدمہ لے جانا چاہے، دوسرا فریق دوسری جماعت کے پاس، تو کس فریق کو ترجیح دی جاوے گی اور کس جماعت کو سماعت دعویٰ کا حق ہوگا، اور اگر ایک جماعت فیصلہ کر چکے اس کے بعد دوسرا فریق کسی اور جماعت کے پاس اس فیصلہ کے خلاف درخواست دے تو دوسری جماعت کو سابق فیصلہ کے خلاف فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مقدمہ پیش کرنے کا اس کو حق ہے جو از روئے شریعت مدعی قرار دیا جائے۔ دوسرے فریق کو اس میں اختلاف کا کوئی حق نہیں۔

اور اگر کوئی ایسا معاملہ ہو کہ اس میں دونوں فریق شرعاً مدعی تصور کئے جاتے ہیں تو جس جگہ سے طلبی کا پیغام پہلے پہنچ جائے دونوں کو اس کے ہاں جانا لازم ہے، اور اگر دونوں جگہ سے طلبی کا حکم ایک دم پہنچ گیا ہو تو پھر قرعہ ڈالا جائے جس کا نام قرعہ میں نکل آوے اس کے ہاں مقدمہ پیش ہوگا، اور جب ایک جماعت فیصلہ کر چکے، اس کے بعد دوسرا فریق اس کے خلاف درخواست دے تو اس میں تفصیل ہے، اگر پہلا فیصلہ شریعت کے قطعاً خلاف ہے تب تو اس فیصلہ کے خلاف صحیح فیصلہ کیا جاوے۔

اور اگر وہ فیصلہ ایسا ہے جو قطعی طور پر شریعت کے خلاف نہیں؛ بلکہ کسی نہ کسی قول کے

موافق ہے تو اس فیصلہ کو توڑنا جائز نہیں گو دوسری جماعت کی تحقیق میں وہ صحیح نہ ہو۔ کما هو المصرح فی الجوابین عن الاستفتاء بالمرة الخامسة. و اللہ اعلم.

تنبیہ ضروری

اگر کسی جگہ حکومت کی طرف سے ایسا حکم متعین ہو جس کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں (یعنی حاکم غیر مسلم ہو، یا احکام شرعیہ کی رعایت نہ کرتا ہو، یا مذہب مالکیہ کے مطابق فیصلہ کرنے کی صورت میں حاکم عادل نہ ہو، یا عالم نہ ہو اور علماء سے مراجعت بھی نہ کرے، تو اسکا فیصلہ معتبر نہیں جیسا کہ اصل رسالہ میں مفصل معلوم ہو چکا ہے، مگر قانونی خطرہ سے حفاظت کے لئے اس کے ہاں مقدمہ دائر کرنا پڑے تو مقدمہ دائر کرنے میں مضائقہ نہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی لازم ہے کہ جماعت مسلمین سے بھی فسخ کا حکم حاصل کیا جاوے، اور عمل کا تمام تر مدار جماعت مسلمین ہی کے فیصلہ پر رکھا جائے، پھر خواہ اول حکومت سے فیصلہ کیا جاوے خواہ جماعت مسلمین سے، اول حکم حاصل کیا جاوے خواہ دونوں جگہ ایک ہی ساتھ مقدمہ پیش کر دیا جائے، مگر ہر حال میں جماعت مسلمین کے فیصلہ سے پیشتر صرف ایسے حاکم کے فیصلہ کو ہرگز کافی نہ سمجھیں جس کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں۔

نوٹ: چوں کہ اس ضمیمہ میں کوئی مضمون ایسا نہیں جس میں اختلاف کا شبہ ہو (کیوں کہ اضافۂ اول میں تو تائید ہے، اس حکم کی جو یہاں بالاتفاق طے ہوا تھا اور اضافہ دوم میں ایک مسئلہ ہے جس کی تمام کتب فقہ میں تصریح ہے، اور تنبیہ کے مضمون کی بناء خود رسالہ میں مصرح ہے) نیز مشاغل کی وجہ سے اجتماع کا انتظام و انتظار دشوار بھی تھا؛ اس لئے اس ضمیمہ کو ان سب حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کا اہتمام ضروری نہ سمجھا جو حیلۂ ناجزہ کی تصحیح و تنقیح میں شریک تھے۔ اگر ناظرین میں سے کسی کو سب کی رائے تصریحاً معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو ان حضرات سے خود تحقیق کر لیں۔

حررہ: اشرف علی بمشارکۃ المولوی محمد شفیع
والمولوی عبدالکریم غفرلهم الرحمٰن الرحیم
لمنتصف شهر شعبان ۱۳۵۴ هجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الاستفتاء بالمرة الخامسة

الحمدلله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى أما بعد! فالمعروض على ساداتنا العلماء المالكية أنه قد اختار بعض أحناف الهند ماصرح به المالكية من ان جماعة المسلمين تقوم مقام الحاكم في فصل الخصومات عند عدم الحاكم حسا أو معنى، ولكن وردت على ذلک أسئلة نكتبها اليكم، والمامول من جنابكم أن تشرفونا بالجواب عنها مع الدليل توجروا عندالله الجليل.

الأول:۔ أعني أول الأسئلة قد صرحوا أن زوجة المفقود ومثلها ترفع أمرها الى جماعة المسلمين عند عدم الحاكم، لكن لم نجد كتبهم كيفية قضاء الجماعة هل تلى تلک الجماعة بأجمعها سماع القضية وفصلها أم تفرض أمرها الى عالم عدل يقضى فيها؟

الثاني:۔ وعلى الشق الأول اذا وليت الجماعة بأجمعها شبهتان (الف) اذا ثبت عند المالكية أن تفرد القاضي في القضاء واجب، والقضاء المشترک باطل فكيف يصح القضاء للمشترک من الجماعة أليس هذا الحكم.قضاء وان لم يكن قضاء فماذا تسمونه

(باء) هل يشترط اتفاق الجماعة على الحكم أم لا؟ وان لم يكن الاتفاق شرطها فكيف السبيل الى ترجيح رأى على رأى، هل يرجع بالكثرة أم بمرحج غيرها؟ والذى فهمنا أن الاتفاق على رأى شرط لنفاذا الحكم من الجماعة وان لم نجد هذا مصرحًا لكن قسناه على ما اذا حكم الخصمان رجلين أو رجالا، فالاتفاق على رأى واحد شرط كما صرح به ساداتنا الحنفية والمالكية معاً؛ الا أن بعض أهل العلم أورد على هذا القياس أن ولاية الحكمين مخصوصة بالحكمين وولاية الجماعة عامة الجميع من رفع الأمر اليها، فافترقا. أفيدونا بالحكم الصحيح متعنا الله بطول بقائكم.

الثالث:۔ وعلى الشق الثانى وهو أن تفوض تلك الجماعة فصل الخصومة الى شخص واحد هل يجب أن يكون هو من أفراد الجماعة المرفوع اليها أم لايجوز أن يكون من غير تلك الجماعة؟

الرابع:۔ هل يشترط للقاضى القوة القاهرة والشوكة الظاهرة على تنقيد الحكم أم لا؟ ويتفرع على هذا سوال آخر وهو أن المسلمين اذا كانوا تحت حكومة غير مسلم ولم يكن ثمه قاض من جانب الحكومة، فهل يصح نصب القاضى من عامة المسلمين مع أن القوة لاتحصل بمجرد نصبهم؟

الخامس:۔ وان كانت القوة والشوكة شرطا للقاضى فهل تشترط القوة والشوكة شرطاً للقاضى، فهل تشترط القوة والشوكة لتلك الجماعة التى رفع الأمر اليهم، فان قيل بصحة حكمها ونفاذه بدون القوة فما الفرق بين القاضى وتلك الجماعة؟ بينوا بالدليل!

السادس:۔ لووقع الاختلاف بين جماعتين من المسلمين فى فصل

الخصومة فكيف يرجح أحد الحكمين؟ مثلا ادعت امرأة على زوجها التعنت ورفعت الأمر الى عدول جيرانها واقامت البينة على دعواها وفاق أولئك العدول بينهما، ورفع زوجها هذا الأمر الى جماعة اخرى من المسلمين والبت لنشوزها، فحكمت هذه الجماعة خلاف ما حكم به أولئك العدول المذكورون سابقا، فقد وقع اختلاف بين الحاكمين فكيف السبيل الى ترجيح حكم احدهما على الآخر؟

ان قيل في حل هذه السوال أن يجب على المسلمين الاكتفاء على نصب جماعة واحدة في بلدة واحدة ولا يجوز لهم نصب جماعات متعددة كيلا يكون للاختلاف الذى ذكر مساغ. قلنا أولا أنه لايمكن فى زماننا هذا للمسلمين لاسيما فى الديار الهندية أن يجتمعوا على جماعة واحدة كما هو مشاهد. وثانيا أن عبارة الفقهاء المالكية فى هذا الباب رفعت الأمر الى عدول جيرانها مطلقاً ولم يقولوا انها رفعت الأمر الى جماعة نصبها أهل الحل والعقد، فزيادة قيد النصب من أهل الحل والعقد زيادة على المنقول فى المذهب على مايظهر والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.

الجواب

(من الشيخ عبدالله القوتی المدرس بالحرم النبوی)

بسم الله الرحمن الرحيم

وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم

الحمدلله مجيب سوال من سأله ودعا حمد معترف بعجزه وقصوره ، معترف لنفحات رحماه، والصلوة والسلام على سيدنا ومولانا محمد مصطفاه من خليقته ومجتباه وعلى آله وأصحابه الباذلين مهجهم فى

مرضاته وسبيل هداه وبعد. فاكرمنا الله واياكم بتقواه ووفقناه واياكم لما يحب ويرضاه، فانه قد اتصل بنا من قبلكم مكتوب يشتمل على نوازل زعمتم أن التبس عليكم حكمها، ومسائل استبهم عليكم فهمها، خصصتمونافيه بالخطاب، وعينتمونا لرد الجواب، وكففتمونا أن لكتب لكم مايكون كفيلا بالبيان، وما عليه المعول فى ذلك الشان، فأقول وبالله التوفيق، وبيده الهداية الى سواء الطريق.

السألة الأولى بعد مقدمتكم عند قولكم فللمعروض على ساداتنا ـ الى قوله ـ الى عالم عدل يقضى فيها، فجوابه لعم أن أهل المذهب ذكروا أن زوجة المفقود زوجة الغائب وزوجة المعترض والعنين، ورجل نشزت زوجته أو ادعى عليها الفرج ونحو ذلك كلهم يرفعون أمرهم على جماعة المسلمين حين فقد الحاكم حسا أو معنا، وظاهر أن الجماعة المرفوع اليها الأمر لابدلها من أن تجمع لسماع القضية وفصلها أن جملة الجماعة كالقاضى الواحد ولا وجود للمجموع عند بعض الأجزاء يشهد عليه نصوص الفقهاء حيث قالوا أن الجماعة المسلمين تقوم مقام القاضى، وأصرح مافى الباب ماقال القابسى وغيره من القروبيين لو كانت المرأة فى موضع لاسلطان فيه لرفعت أمرها الى صالحى جيرانها يكشفون عن خبر زوجها ثم يضربون له الأجل أربعة أعوام، ثم تعتد عدة الوفاة وتحل للأزواج؛ لأن فعل الجماعة فى عدم الامام كحكم الامام الخ.

ومثله ماقال أحمد الصاوى على قوله فرضت النفقة فى مال الغائب أى يفرضها الحكام اذا رفعت له أمرها أو بجماعة المسلمين ان لم يكن حاكم اذا ثبت عدم الزوج ولم يحضر طلق عليه الجماعة

على نهج المتقدم بعد تلوم الاجتهاد من الحاكم بغير تحديد ان لم يعلم موضعه أو علم و كان غيبته على عشرة أيام، وان قرب الرسل اليه فان حضر فظاهر والا طلق عليه الخ، وفي العدوى على أبى الحسن قال الشرنوبى وبعد ذلک يمكنونها تطليق نفسها ويحكمون به أو يوقعونه الخ، واما قولهم.

الثاني:۔ وعلى الشق الأول يعنى اذا وليت الجماعة ۔ الى قوله ۔ معتنا الله بطول بقائكم (فجوابه) وفقنا الله واياكم الى سواء الطريق أن اشخاص الجماعة ليست مقصودة فى هذا الباب؛ بل المقصود هنا قيامهم كلهم أو بعضهم على فرض الكفاية مقام الامام أو القاضى حين عدمها، ولذا قالوا ولو واحداً وان كان فيه خلاف بخلاف القاضى ؛ لأن المفقود منه اتحاد ذاته.

وحكمه من غير مشاركة لغيره الا من جهة المشهورة ألا ترون أن شهادة كافة النساء أو ثنتين منهن فى الباب الذى يشهد فيه الرجال كرجل واحد. وفى الباب الذى لايشهد فيه الرجال كل واحدة منهن كرجل كامل. وفى الباب الأعراب جعلوا المثنى والجمع ليسامفردين. وفى الباب المبتدأ والخبر جعلوهما مفردين، ويفهم من ذلک صحة كل حكم على ماوضعه أصحابه المتبعون واتضح من هذا أن حكم الجماعة ليس مشتركا؛ بل هو حكم من مفرد معنى كحكم القاضى والامام أن ولى القضاء كما يسمى حكمهما قضا والشرطى ووالى الماء كذلک، وفى المدونة قلت: ارايت العنين أيجوز له أن يؤجله صاحب الشرطى أولا يكون ذلک الا عند قاض أو أمير يولى القضاء؟ قال: قال مالک: أرى أن يجوز قضاء أهل هذه المياه، وقال ابن

القاسم: ان ماهم أمراء على تلك المياه، وليسوا بقضاة، فأرى ان صاحب الشرطى ان ضرب اللعنين أجلا جاز، وكان ذلك جائزاً، وعلم بهذا أيضا أن كل من حكم على ما يحكمه القاضى سواء بالنيابة أو غيره سمى حكمه قضاء. وأما قولكم بعد (ب) وهل يشترط اتفاق الجماعة على حكم أم لا؟ (فجوابه) أن اتفاقهم واجب لايمكن غيره لماسبق أنهم كالقاضى الواحد، واذا تقرر هذا فلا حاجة الى السوال عن مرجح لدى اختلافها.

وأما قولكم (والذى فهمنا أن الاتفاق على رأى شرط لنفاذ الحكم من الجماعة وان لم نجد هذا مصرحاً، ولكن قساه على ما اذا حكم المتخاصمان رجلين أو رجالاً، فالاتفاق على رأى واحد شرطا كما صرح به ساداتنا الحنفية والمالكية معاً) فجوابه أن هذه المسئلة ثابتة بالنصوص غير محتاجة الى قياسنا كما مرنقله، ولكن هذا القياس صحيح على ما أظن والفارق الذى أورد عليه لا يعبأبه والله أعلم وأما قولكم بعد هذا.

الثالث:۔ وعلى الشق الثانى وهو أن تفوض ۔ الىٰ قوله ۔ من غير تلك الجماعة، فجوابه لم نرمن نص أن الجماعة تفوض الأمر بعد ما رفع اليهم لواحد منهم وتبعنا الكتب التى بين أيدينا فلم نقف عليه. وأما لو قدرنا أن لهم يفرضوا الأمر لرجل لكان الرجل منهم؛ لأن الجماعة ليسوا بمحصورين بالأشخاص؛ بل بالأوصاف كما تقدم وعليه فكل من أنصف بما أنصفوا به فهو منهم. وأما لورفع الأمر لواحد منهم ابتداء لكفى على الخلاف المتقدم واحتج من منع أن أقل الجماعة ثلاثة.

وقال العدوى على الخرشنى فقوله: والواحد منهم كاف فيه نظر؛ لأن المصنف قال لجماعة والجماعة أقلها ثلاثة، قاله بعض شيوخ

نبوحنا الخ، وقال الدسوقى على الدردير فقوله: فللجماعة المسلمين هكذا عبارة الأئمة وغير بعضهم فللصالحى جيرانها، وقال: (عبق) والواحد كاف اعترضه الشيخ ابو على المستاوى قائلا: لم أرمن ذكره ولا أظنه يصح قاله (بن وكذا رد (عج) فى وسطه كفاية الاثنين فضلا عن الواحد قائلا التحقيق أن أقل الجماعة ثلاثة وما قولكم.

الرابع:۔ هل يشترط ۔ الى قوله ۔ لا تحصل بمجرد نصبهم، فجوابه انها ليست من شروط الصيحة للقاضى للذكورة فى أبواب القضاء ؛ بل هى أمر زائد عليه نيشاء من الامام الأعظم لأن القضاء جزء من أجزائه. وقال فى تبصرة الحكام الباب الثالث فى ولاية القضا: وما يستفاد بها من النظر فى الأحكام وما ليس للقاضى النظر فيه الى أن قال: فأما ولاية القضاء، فقال القرافى: هذه الولاية متناولة للحكم لايندرج فيها غيره. وقال أيضا فى موضع آخر: وليس للقاضى السياسة العامة لاسيما الحاكم الذى لاقدرة له على التنفيذ كالحاكم الضعيف القدرة على الملوک الجبابرة فهو ينشئ الا لزام على الملک العظيم ولا يخطر له تنقيده لتعذر ذلک عليه؛ بل الحاكم من حيث هو حاكم ليس له الا الا نشاء.

وأما قوة التنقيد فأمر زائد على كونه حاكما فقد يفوض اليه التقيد وقد لا يندرج فى ولايته انتهى، مرادنا منها اختصار. وأما قولكم: ويتفرع على هذا ۔ الى قوله ۔ بمجرد نصيبهم، فجوابه لامانع من ذلک اذا اضطر الناس الى ذلک بمادل عليه ظاهر كلام أهل المذهب.

وقال الشيخ الدسوقى على الدردير بعد كلام على شروط الجمعة: واعلم أنه متى كانت البلد مستوطنة والجمعة مستوطنة، وجب عليهم

وصحت منهم مطلقا ولو كانت تلك البلد تحت حكم الكفار، كما لو تغلبوا على بلد من بلاد الاسلام وأخلوها ولم يمنعوا المسلمين المعوطنين بها من اقامة الشعائر الاسلامية كما هو ظاهر اطلاقاتهم. وزاد الصاوى على أقرب المسالك على هذا القدر بقوله من حاشية الأصل وبالضرورة أن نصب القاضي لفصل الخصام بين الناس من شعائر الاسلام.

وفى فتاوى الشيخ محمد عيش: سئل الامام أبو عبدالله المازرى رحمه الله تعالى عن أحكام تأتى فى زمانه من صقيلة من عند قاضيها أو شهود عدولها هل يقبل ذلك منهم أم لا؟ مع أنها ضرورة ولا تدرى اقامتهم هناك تحت أهل الكفر هل هى اضطرار أم اختيار؟ فأجاب القادح فى هذا وجهان: الأول يشمل القاضى وبيناته ناحية اختلال العدالة اذ لايباح المقام فى دارالحرب فى قياد أهل الكفر. والثانى من ناحية الولاية اذ القاضى مولا من قبل أهل الكفر، والأول أو قاعدة يعتمد عليها فى هذه المسألة وشبهها وهى تحسين الظن بالمسلمين ومباعدة المعاصى عنهم فلا يعدل عنها الاحتمالات كاذبة وتوهمات واهية كتجويز من ظاهره العدالة، وقد يجوز فى الاحقاء ونفس الأمر أن يكون ارتكب كبيرة الامن قام الدليل على عصمته، وهذا التجويز مطروح والحكم بالظاهر اذ هو الأرجح الا أن يظهر من الحال مايوجب الخروج عن العدالة، فيجب التوقف حينئذ حتى يظهر بأى وجه زوال موجب راجحة العدالة، ويبقى الحكم لغلبة الظن بعد ذلك الى أن قال: وهذا المقيم ببلد الحرب ان كان اضطرارا فلا اشكال أنه لايقدح فى عدالته؟ ان كان تأويله صحيحا مثل اقامته ببلد الحرب لرجاء هداية أهل الحرب ونقلهم عن ضلالتهم كما أشار اليه الباقلانى. وكما أشار

اليه أصحاب مالک فی تجويز الدخول لفكاک الأسير.

وأما لوأقام بحكم الجاهلية والاعراض عن التاويل اختيارا، فهذا قدح فی عدالته، واختلاف اهل المذهب فی ردشهادة الداخل اختيار التجارة لمن ظهرت عدالته منهم وشک فی اقامته علی ای وجه، فالأصل عذرة؛ لأن مجل الاحتمالات السابقة شهد لعذره فلا يردد لاحتمال واحد الا أن توجد قرائن تشهد أن اقامته كانت اختيار الالوجه.

وأما الوجه الثانی وهو تولية الكافر للقضاة والامناء وغيرهم لحجز الناس بعضهم عن بعض فقد ادعی بعض أهل المذهب أنه واجب عقلا وان كان باطلا تولية الكافر لهذا القاضی أما لطلب الرعية أو اقامته لهم للضرورة لذلک فلا يطرح حكمه، وينفذ كمالو ولاه سلطان مسلم الخ.

وفی البيضاوی عند قول رب العزة: ﴿قال اجعلنی علی خزآئن الأرض انی حفيظ عليم﴾ فيه دليل علی جواز طلب التولية وأظهار أنه مستعدلها والتولی من يد الكافر اذا علم أنه لاسبيل الی اقامته سياسة الحلق الا بالاشتهار به.

وفی تبصرة الحكام فصل قال المازنی فی شرح التلقين: القضاء ينعقد بأحد وجهين: أحدهما عقد أمير المؤمنين أو واحد من أمرائه الذين جعل لهم العقد فی مثل هذا. والثانی ذو الرأی وأهل العلم والمعرفة والعدالة لرجل منها كملت فيه شروط القضاء، وهذا حيث لا يمكنهم مطالعة الامام فی ذلک ولا أن يستدعوا منه ولايته ويكون عندهم له نيابة عن عقد الامام الأعظم أو نيابة عمن جعل له الامام ذلک للضرورة الداعية الی ذلک. وأما قولکم.

الخامس:۔ فان كانت القوة والشوكة ۔ الٰی قوله ۔ بينوا بالدليل،

فجوابه ماطلعنا على نصوصهم فى كتب المذهب التى بأيدينا أن القوة والشوكة من شروط الجماعة. وأما الفراق بين القاضى والجماعة فبين، وذلک ان القاضى وعمله جزء من أجزاء عمل وظيفة الامام وعدم الامام شرط الوجود الجماعة؛ لأنهم قالوا فقد الحاكم أن جماعة العدول تقوم مقامه وأما قولكم.

السادس:۔ لووقع الاختلاف بين جماعتين - الى قوله - فكيف السبيل الى ترجيح حكم أحدهما على الآخر، فجوابه ان استوفت الجماعة شروط الحكم الشرعى بأن تقول بعد أداء الزوجة حجتها وانكار الزوج ألک شهود، وقالت نعم واحضرتها ثم قالوا للزوج ألک طعن فيهم، وقال: لا واحذروه ثم حكموا لها فلا يجوز له أن يرفع هذه النازلة الى غيرهم ولا لهم نقض هذا الحكم. وفى مختصر الشيخ خليل وشرحه للدردير:.ورفع حكمه الخلاف فى تلک النازلة فلا يجوز المخالف فيها نقضها، فاذا حكم يفسخ عقد أو صحته لكونه يرى تلک لم يجز لقاض غيره ولا له نقضه، ولا يجوز لمفت علم بحكمه أن يقضى بخلافه، وفى المراق على مختصر الشيخ خليل ونص المدونة قال مالک: وجه الحكم فى القضاء اذا ادعى الخصمان بحجتها ففهم القاضى عنهما وأراد يحكم بينهما أن يقول لهما البقية لكما حجة، فان قالا لا حكم بينهما ثم لا يقبل منه حجة بعد الفاذ حكمه، ولو قال له بقيت لى حجة أمهله فان لم يأت بشىء حكم عليه، فان اتيا بعد ذلک يريد أن نقض ذلک لم يقبل منهما الا أن يأتيا أمر يرى أن لذلک وجها، قال ابن القاسم مثل أن تأتى شاهد عند من لايقضى بشاهد ويمين؛ وقال الخصم لاعلم لى شاهد آخر فحكم عليه

القاضى ثم وجد شاهد آخر بعد الحكم فلينقض بهذا الآخر، ومثل أن يأتى ببينة لم يعلم بها، وأما اشبه ذلك والا لم يقبل منه، واذا جاء الحكم على وجهه فحكم القاضى الثانى باطل لامشاركة بينهما حتى يتصور الخلاف بينهما والعكس، فالأول باطل كذلك.

أما ان وقع الخلاف قبل الحكم بأن تنازعا بين القاضيين فالقول للطالب منهما كما فى مختصر الشيخ خليل وشرحه للدردير نصه واذا تنازع الخصمان فأراد أحدهما الرفع لقاض، وأراد الآخر الرفع لقاض آخر كان القول للطالب، وهو صاحب الحق دون المطلوب ثم اذا لم يكن طالب مع مطلوب بأن كان كل يطالب صاحبه رفع الى من أى سبق رسوله لطلب الاتيان عنده والا يسبق رسول قاض بل استويا فى المجئ مع دعوى كل أنه المطالب أقرع للقاضى الذى يذهبان اليه فمن خرج سهمه للذهاب له ذهبا اليه كالادعاء أى كما يقرع بينهما فى الادعاء بعد اتيانهما للقاضى الذى أقرعا فى الذهاب اليه أو الذى اتفقا على الذهاب ثم تنازعا فى تقديم الدعوى، اذا الموضوع أن كلا طالب.

وقال الدسوقى فى حاشيته عن هذا الشرح: تنبيه قد علم من المصنف الحكم فيها اذا اتحد المدعى به وكان كل من المتداعيين يطالب الآخر به على ماقاله الشارح. وأما اذا كان كل منهما يطلب صاحبه بشيء مغائر ما يدعى به الآخر ففى نقل المواق وابن عرفة عن المارزى أن كل واحد منهما أن يطلب حقه عند من شاء من القضاة، فاذا ادعى أحدهما على صاحبه عند قاض وفرغ، فلصحابه أن يدعى عليه عند من شاء فان اختلفا فيمن يبتدئ الطلب أو فيمن يذهبان اليه أو لا من القاضيين، فان سبق أحدهما لقاض ترجح قوله، وان ذهب كل

منهما لقاص فالمعتبر من سبق رسوله من القضاة وان لم يكن لأحدهما ترجيح بسبق الطلب على الآخر ولا بغير ذلك أقرع بينهما.

وأما قولكم ان قيل في حل هذه السوال ـ الى قوله ـ كما هو مشاهد، فجوابه أن نصب الجماعة بأشخاصهم لفصل الخصام معلوم نصه عندنا كما تقدم بل هم تعينوا بالأوصاف فمن اتصاف بهذه الأوصاف فهو منهم وعليه لا بأس أن يرفع كل ذى دعوى الى صالح جيرانه من العدول فتعدد الجماعة بقدر الحاجة كما جاز تعدد القضاة مطلقا.

وأما قولكم وثانيا أن عبارة ـ الى قوله ـ والله أعلم وعلمه أتم وأحكم، فجوابه نعم الأمر على ماقلتم فيما علمنا، اللّٰهم صل وسلم على أشرف المخلوقات سيدنا محمد وعلى آله وأصحابه رب اغفرو ارحم وأنت خير الراحمين، سبحان ربک رب العزة عما يصفون، وسلام على المرسلين، والحمد لله رب العالمين انتهى. ماجرى أن يسوده قلم أفقر العباد الى رحمة ربه عبدالله الفوتى الساكن فى مدينة خير البرية البسها الله ومن فيها وجميع المسلمين حلل الرضا آمين.

تمت وقت العصر يوم الثلاثاء الموافق ثمانية وعشرين يوما

من شهر الله رجب ۱۳۵۳ ہجری محمود بن أبى بكر الفلانى

احمد مدرس الحرم النبوى عثمان بن ادريس على الفلانى

الجواب

(من العلامة الصالح التونسی المدرس بالحرم النبوی مع اختصار یسیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله الذى جعل الدين الاسلامي يسراً، والصلاة والسلام على المبعوث بالحنفية السمحة السهلة التي ليس بها عسراء وعلى آله وصحبه وكل من كان سمح الاعتقاد سهل الانقياد مجانب لكثرة الانتقاد جهرا وسرا، وبعد فقد وردت على أسئلة من القطر الهندى فيما يتعلق بزوجة المفقود وفصلها بحل العقد على المذهب المالكى عند الاقتضاء بتوفر الشروط واتضاح المسالك، فاجبت عنها كفير غير مرة الكرة بعد الكرة، وآخر ماورد على من الأسئلة في هذا المخصوص على سبيل المراجعة التوضيح عدد أسئلة ستة وهي كالمتكررة والمتفرعة عن بعضها.

والجواب عن الأول أن توليها كلها شرط في صحة الحكم لقول خليل والا فلجماعة المسلمين ثلاثة لا أقل كما قررناه في الجواب السابق كما نقل.

والسوال الثاني المتفرع عن الأول وبه اشكالان لهما اشتراط لفرد القاضى مع تعدد هولاء الجماعة النائبة عنه.

وجوابه أنه لايلزم من قيام هاته الجماعة مقام القاضى أن تتصف بجميع صفاته جميع شروط، ألا ترى القاضي فانه نائب عن الامام فلا يطلب منه مقامه جميع الأحكام ولا استيفاء شروطه بالتمام، وثانيهما وهو اشتراط اتفاق آراء الجماعة، وقياسه بالحكمين ووجد الفارق بين الولايتين عموماً وخصوصًا، وجوابهٔ و جواب اشتراط

اتفاق الجماعة المعينة لهذا الحادث كلهم مثل الحكمين وقياسهم بهما اشبه، ودعوى الفارق بين الجماعتين بل الولايتين بالعموم والخصوص غير متجهمة بل ترد ولا ترد، فان حكم هانه الجماعة خاص بهاته الحادثة حتى لو حدثت فى الوقت أو عقبه غيرها فرفعت لغيرهم جاز فليس نصها حتما كما يفهم من فحوى السوال المقرر.

وعن السوال الثالث بعدم وروده أصلا اذ لايجوز التفويض لواحد كان منها أو خارجًا عنها وهى متعينة لحَ ذٰلک الحادث متى رفع اليها كما تقدم قريبا.

والسوال الرابع الذى هو هل يشترط فى القاضى قوة التنفيذ أولا؟ والجواب نعم ﴿قوله يشترط الخ: هذا ما اختلاف فيه العلامة والشيخ عبدالله والذى فهمنا من نصوص فقهاء الحنفية هو الذى قاله العلامة كما حققناه فى تتمة الفتاوى المسماة بامداد الأحكام فى جزء ثانى منها وهى موجود فى مدرسة امداد العلوم.﴾ يشترط ذٰلک فيه اصالة، وذلک التنفيذ والا الزام هو الفارق بينه وبين المفتى اذ هو مخبر فقط دون القاضى فانه منفذ للأحكام ولذلک وصفه فيه فى تحفة الحكام بقوله منفذبه الشرع للاحكام هذا هو الأصل فيه، وقد يعتبر به ويعترضه مايعطل نفوذه ويعرف قل الـمامه كالحكم على الظلمة والجابرة ولا يكون ذلک سببا عند باقى المسلمين المزعيين لأحكام رب العالمين، وشريعة سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم لردها؛ بل يقبلوها ويقبلوا عليها سامعين مطيعين مذعنين، ونصب جماعة المسلمين لقاض يفصل بينهم الخصومات ويقطع المنازعات جائز بل يتعين فى بعض الأحيان على الأعيان اذا وجدوا

سبلا اليه، وعدم معارض ﴿قوله وعدم معارض فيه اشارة الى ماقلناه في مقدمة هذه الرسالة من أن القاضى لايصير قاضيا فى الهند بمجرد نصب عامة المسلمين؛ لأن نصبهم يخلو عن المعارضة كما هو شاهد، والله اعلم. وسالت العلامة مشاهد عن هذه الاشارة حين تشرفت بزيارة بلدة خير الأنام عليه ألف ألف تحية وسلام ۱۳۵۴ھ فوافقنا صراحة ولله الحمد على ذلک وعلى سائر الغمائه.

(احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ)　　فيه واجتماع الكلمة عليه.

والسوال الخامس المتفرع عن الرابع، جوابه فيه ومنه والسوال السادس فان كان الخلاف خارج المذهب المتبع فى هذه القضية فلا عبرة به ولا نظر اليه اذا الحكم الأول رافع للخلاف فيها، وان كان داخل المذهب فكذلک متى راعت الجماعة الأولى الراجح من النقول، وجرت على الأصول واستوفت الشروط بالحصول، أما اذا تساهلت الأولى فى بناء الحكم ولم تجرى على قواعد المذهب وأصوله ولم تراع الراجح جهلا أو تجاهلا أو غفلة أو عمداً أقل ثانية نقضى حكمها بالطبع وذلک بنفسه، يقال ويعمل به فى الحاكم الشرعى والله أعلم وصلى على سيدنا محمد وعلى آله وسلم.

وكتبه بخط يده:　　صالح بن الفضيل التونسى

عفا عنه مولاه ويحسن توفيقه وعايته تولاه

المدرس بالهجرة النبوى بالمدينة المنورة.

الحیلة الناجزة للحليلة العاجزة

کے متعلق مشاہیر علماء ہندوستان کی تصدیقات

نوٹ: قبل ازیں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے علماء ومفتیان کرام کی تصدیقات پر گزر چکی ہیں۔ بقیہ تصدیقات ذیل میں درج ہیں۔

تصدیقات حضرات علماء دہلی

از مدرسہ اسلامیہ فتح پوری

حامداً ومصلیاً ومسلماً: ہم نے مجموعہ رسائل مفیدہ کا مطالعہ کیا، زمانہ موجودہ کے لحاظ سے اس کا ضروری اور ازحد مفید ہونا محتاج بیان نہیں، درحقیقت امت مرحومہ کی اس اہم مشکل کا حل حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی دامت برکاتہم جیسے فقیہ کامل کا محتاج تھا کہ علوم ظاہری و باطنی کی مہارت و احوال زمانہ و مشکلاتِ حاضرہ سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں۔

جناب حضرت قبلہ حکیم الامت نے جو اس کتاب مجموعہ رسائل مفیدہ میں جن مسائل کو بکمال تحقیق وتدقیق واحتیاط تحریر فرمایا ہے، اگرچہ وہ ہم جیسے علماء کی تائید وتصحیح سے اصلاً بے نیاز ہیں؛ لیکن تحصیل خیر وثواب کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم ان مسائل کی تائید سے افتخار حاصل کرتے ہیں۔

خادم العلماء	عبدالرحمٰن عفی عنہ	سجاد حسین بقلم خود
سلطان محمود عفی عنہ	مدرس فتح پوری دہلی	مدرس فتح پوری، دہلی
کمترین: محمد عبدالقادر غفرلہ	سعید احمد	۷/۴/۳/۱۳۵۳ھ
مدرسہ فتح پوری دہلی	مسجد فتح پوری دہلی	محمد محبوب الٰہی
		مدرس فتح پوری دہلی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم: میں نے مجموعہ رسائل مفیدہ کے ایک ایک مضمون کو لفظاً بلفظ اور حرفاً بحرف پڑھا، مسائل مذکورہ رسالہ ہذا کے باعث ہندوستان میں جس قدر دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے، وہ اظہر من الشمس ہیں، اور ضروریات کے باعث مقلد کو دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا یا ضعیف اور مرجوع قول کو مفتی بہ بنانا بھی جائز ہے، اور پھر وہ ضرورت بھی کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہ ہو؛ بلکہ ابناءِ زماں کے لئے اعم ہو اور ضرورت بھی مقتصر ضروریات دنیویہ کے ساتھ نہ ہو؛ بلکہ بہت سی صورتوں میں دین تک افضاء بھی ہو، تو ایسی صورتوں میں تو جواز سے بھی بڑھ جانا محل استعجاب نہیں۔ چنانچہ رسالہ موصوفہ میں فقہ حنفی کے وہ مسائل جن پر اس زمانہ کی دشواریوں کے باعث عمل درآمد میں صعوبت پیش آرہی ہے، وہ سب جمع کئے گئے ہیں، اور دفع ضرورت کے باعث دوسرے ائمہ کے اقوال پر مع تحقیق وتنقیح تام اور شروطِ ضروریہ فتویٰ دیا گیا ہے، رسالہ کا جامع مانع ہونا اور کسی پہلو کا نگاہ سے نہ چوکنا وہ تو حضرت مصنف ادام اللہ بالفیوض کا انتساب ہی بتلادینے کے لئے کافی تھا؛ لیکن رسالہ دیکھنے کے بعد تو اس کا یقین تحقیقی طور پر ہوجاتا ہے، پھر مجھ جیسے کی تصدیق تو کیا، کسی کی تصدیق بھی رسالہ مذکورہ میں کسی قسم کی تحسین پیدا نہیں کرسکتی؛ لیکن امتثالاً للامر اور نیز کسی صورت سے ہو اپنے نام کی معیت کو بھی یہ ناچیز ذریعۂ نجات آخرت سمجھتا ہے، اس لئے ان سطور کو پیش کش کرتا ہوں۔

اشفاق الرحمٰن کاندھلوی

مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ سہ شنبہ

از مدرسہ عبد الرب

اَمابعد...... بندہ نے اور دیگر مدرسین مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب مرحوم دہلی نے بغور وخوض مجموعہ رسائل ''الحیلۃ الناجزۃ'' وغیرہ کو دیکھا، درحقیقت حضرت اقدس دام ظلہ العالی نے ان فتاویٰ میں جس تحقیق وتدقیق سے کام لیا ہے، اس کی کما حقہ ہم تعریف نہیں کر سکتے ہیں۔ یقیناً ہندوستان میں موجودہ حالت کو دیکھ کر بجز اس کے کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے کہ مطابق رسالہ ہذا کے علماء فتویٰ دیں، اور حضرت اقدس دام ظلہ نے ایک بہت بڑے فتنہ کا انتظام کلی فرمادیا ہے، اور ان کو حق حاصل ہے کہ وہ ضروریات کو ملاحظہ فرما کر کسی دوسرے امام کے مذہب کو اختیار فرمالیں۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء.

محمد شفیع دیوبندی — مدرس مدرسہ عبد الرب دہلی

محبوب الٰہی غفرلہ دیوبندی — مدرس مدرسہ مولوی عبد الرب مرحوم دہلی

از مدرسہ حسینیہ دہلی

حامداً ومصلياً ومسلماً، أما بعد: ہم نے ''الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة'' کو اوّل سے آخر تک پڑھا، اس میں جو کچھ مسائل حاضرہ کے متعلق ہے، بالکل صحیح اور درست ہے، خدائے تعالیٰ حضرات مؤلفین کی مساعی جمیلہ کو قبول فرما کر عام مسلمانوں کو ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔ حقیقت میں امت مسلمہ پر ایک بہت بڑا احسان فرمایا کہ ایسے مسائل مہمہ کو بروقت حل فرما کر امت کی صحیح رہنمائی فرمائی۔ خدا تعالیٰ ان حضرات کو احسن الجزاء اور خیر العقبیٰ کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

عاجز
رشید احمد غفرلہ
مدرس اوّل مدرسہ حسینیہ

خادم الطلبہ
کفیل احمد غفرلہ
سند یافتہ دار العلوم دیوبند
حال مدرس عربی عربک ہائی سکول دریا گنج (دہلی ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ)

تصدیقات حضرات علماء میرٹھ

از مدرسہ اسلامیہ صدر بازار میرٹھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلی علی حبیبه الکریم: ہم سب سے پہلے رسالہ "**الحیلة الناجزة للحلیله العاجزة**" کو مع "**المختارات فی مهمات التفریق والخیارات**" کو بغور تام وخوض مالا کلام مطالعہ کیا، عمدۃ العلماء والفضلاء، حضرت حکیم الامت، مجدد الملت، مولانا تھانوی لازالت شموس افاضاتہم بازغہ نے یہ رسالہ بہ تحقیق انیق ایسا تالیف فرمایا ہے جس کی وجہ سے ہزاروں مردہ قالبوں میں جان آ گئی، اور صدہا عفائف مظلومہ زندہ ہو گئیں۔ عالمان دین مبین ومفتیان شرع متین کے لئے یہ رسالہ غنیمت باردہ ہے، خداوند تعالیٰ حضرت مؤلف مدفیوضہم اور اُن کے معاونین کی مساعیٔ جمیلہ کو مشکور فرمائے، آمین۔

نیز "**حکم الازدواج مع اختلاف دین الأزدواج**" ضمیمہ حیلہ ناجزہ مؤلفہ: مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دار العلوم دیوبند بھی نہایت لاجواب وباصواب ہے، اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزاء خیر عطا فرماوے، آمین۔

بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ
صدر المدرسین مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ

بندہ محمد القاسمی الدیوبندی
مدرس مدرسہ عربی امداد الاسلام صدر میرٹھ

بندہ سید طاہر حسین غفرلہ
مدرس مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ

بندہ اختر شاہ غفرلہ امروہوی
مدرس مدرسہ امداد الاسلام صدر میرٹھ

از مدرسہ عالیہ شہر میرٹھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً مصلیاً، أما بعد: بندہ نے حضرت حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب زیدمجدہم کی کتاب "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" کا مع ضمیموں کے بغور تامل مطالعہ کیا، درحقیقت کتاب ان مسائل میں کہ جن کا تعلق قضاء سے ہے، نہایت کارآمد اور مفید ہے، اور اس کا ہر جزئیہ اور ہر مسئلہ مسلمانوں کے لئے مشعل ہدایت ہے، اس کتاب سے وہ تمام دشوازیاں جو قاضی شرعی نہ ہونے کے سبب ہندوستان میں رونما ہیں، جاتی رہتی ہیں، اور ظالم شوہر سے مظلوم عورت کو چارہ جوئی کا موقع ملتا ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ شدت سے اس پر عمل پیرا ہوں، اور حضرت اقدس کے رفع درجات اور درازی ظل عاطفت کی دعا کریں کہ خداتعالیٰ اس چشمۂ فیض کو ہمیشہ جاری وساری رکھے، آمین، فقط۔

مشیت اللہ عفا اللہ عنہ (مدرس مدرسہ عالیہ میرٹھ)

از حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی

مکرم ومحترم.................دام فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہم!

مکرمت نامہ مع رسالہ "الحیلۃ الناجزہ" پہنچا، بندہ علیل تھا، مگر اسی حالت میں مطالعہ شروع کیا، کچھ مطالعہ میں وقت زیادہ صرف ہوا، اور کچھ تصحیح اغلاط میں، پھر جناب کے حکم کی تعمیل میں دوسرے علماء کی تصدیق لینے کے لئے مولوی مشیت اللہ صاحب کے پاس بھیجا کہ یہاں وہی ایک ذوفہم مفتی ہیں، تو ۴۔۵ دن وہاں مطالعہ وتحریر میں لگ گئے؛ فکر یہ ہوا کہ جناب کو انتظار ہوگا اور تاخیر محمول ہوگی تساہل پر، اس لئے صدر کے مدرسہ میں نہ بھیج سکا کہ تین مولویوں کے لئے ۱۵ دن وہاں لگیں گے، اس لئے عریضہ مع تصدیق ارسال خدمت کرتا ہوں، اور حکم کا منتظر ہوں کہ ضرورت اور وقت میں وسعت

ہو تو مطلع فرمادیں، صدر بھی بھیج دو یا شیخ رشید احمد صاحب کو اس میں واسطہ بنایا جاوے، کیوں کہ وہ اس مدرسہ کے رکن اعظم ہیں ممکن ہے کہ جلد تصادیق آ جائیں۔ مجھے شرم آتی ہے کہ تصدیق کنندگان میں نام درج ہو کہ اس فن سے ممارست نہیں اور اپنی عام ضروریات مسائل علماء سے حل کرنا پڑتا ہے، پھر ایسے دقیق مسائل میں بالخصوص جہاں مہارتِ تامہ فقہیہ کی ضرورت ہو، مگر ہوس شرکت مع الاکابر اور امتثال امر داعی ہوا تحریر پر، پس میری عدم اہلیت کی رعایت فرمادیں تو متروک فرمادیں، اور ضرورت ہی سمجھیں تو درج فرمادیں۔ اس عدم اہلیت کے سبب عام فتاویٰ پر تصدیق سے ہمیشہ محترز رہا۔ والسلام، حضرت کی خدمت میں سلام مسنون فرمادیں۔

عاشق الٰہی عفی عنہ (۴ جولائی ۳۴ء)

الحمدلله وحده، والصلاة والسلام على من لانبي بعده، أما بعد!

فقد تشرفت بمطالعة هذا الرسالة الفائقة، والضميمة اللاحقة، والخلاصة الرائفة يامعان النظر وحسن الفكر، فوجدت الأجوبة كلها صحيحة، بلا ارتياب والله درالمجيب، أجاد فيما أجاب، وبذل الجهد في تخليص العاجزة فاصاب، وماهي بأول بركة منه؛ فانه للأمة طبيب، وشفقة الطبيب على المريض ليس بعجيب، فجزاه الله عنا احسن جزائه، ومتعنا بطول عمره وبقائه، وعلى الأمة أن يراعوا بالقيود والشرائط المستورة حق المراعاة، ويعضوا عليها بالنواجز لانها من أهم المهمات، ويجتنبوا عن الحرية في الدين واتباع الهوى كما هو ويدن الزمان لأنه من الموبقات.

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين.

والصلاة والسلام على سيدنا محمد وآله وصحبه أجمعين.

عاشق الٰہی عفی عنہ میرٹھی

تصدیقات حضرات علماء مرادآباد

ازمدرسہ امدادیہ مرادآباد •

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله حق حمده، والصلاة والسلام على أفضل الخلق بمجده وعلى اخوانه من الأنبياء والمرسلين، وعلى اله وصحبه أجمعين وبعد:

فقد نظرنا معشر خدام الملة الاسلامية بالمدرسة العالية الامدادية فى الرسالة، التى صدرت فى هذا العصر من صدر من هو صدر هذا الدهر، وحبذا هل التحقيق بالتحقيق، شيخ الشريعة والطريقة، عارف المذهب والحقيقة، أشرف الأنام بالشرف الجلى مولانا أشرف على أكرمه الله والولى، وموضوع الرسالة انما هو القول بفسخ نكاح زوجة العنين والمجنون والمفقود والمتعنت عند مس الحاجة والضرورة الملجئة، أخذاً فى جل هذا الباب بمذهب سيدنا مالك رحمة الله عليه وعلى جميع المجتهدين، ولا يخفى أن الفتوىٰ بمذاهب أئمة الهدى لدى الضرورات مسوغ عند المشائخ وأهل الديانات، كما ذكر القهستانى فى حق المفقود والرملى فى المتعنت، وأما العنين فالتاجيل ثم التفريق فى حقه مشهور عند الحنفية لايخفى على أهل الاشتغال بالفقة.

وأما المجنون فأصل حكمه أيضاً مما يوجدله أصل عند الأحناف، ولو على مذهب أصحاب الامام حكم بمذهبه اذا كان برعاية الأصول المقررة. ففى الشامى نقلاً عن الدر ومن كتاب الدعوىٰ، وأما اذا حكم الحنفى بمذهب أبى يوسفؒ أو محمد أو نحوهما من أصحاب الامام فليس حكماً بخلاف رايه هذا ولم

نراجع فى أقوال المالكية وغيرها الى كتبهم عند المطالعة؛ بل اعتمدنا على المنقول فى الرسالة عن علمائهم ؛ فانه نقل لقةٍ عمن هو عارف بالمنقول عنه وغير ناقل الاعن المقول عليه.

وأما الذنابات للرسالة فمعلوم أن الضرورة ليست فيها بشديدة مثل هٰذه الحوادث، ولا سيما المفقود وشره، ومع ذٰلك لوتحققت فى حادثة فلا بأس بالتقوىٰ بغير مذهب الامام، اذا الضرورات تسوغ مثل هٰذا؛ ولكن يجب على المفتى أن لايجعل هٰذه الفتاوىٰ عرضة له، وعليه أن لايتجاوز موضع الضرورة فان المقام مقام خطرٍ عظيم، والله الموفق والمعين.

والحمدلله رب العالمين والصلاة على رسوله واله وصحبه أجمعين.

العبد المفتقر الى رحمة ذى المنن الملتجى الى الله مختار الله

محمد مرتضىٰ حسن عفى عنه (المدعو

صدرالمدرسين بالمدرسة العالية العربية ميرک شاه عفا الله عنه وعافا)

الامداديه الواقعة ببلدة مراد اباد صدر الافتاء بالمدرسة العالية الامدادية.

عبده المفتقر الى الله الصمد أحقر الزمن:

خليل احمد كان الله له محمد سيد حسن عفا الله عنه

مفتى المدرسة العالية محمد فاضل

عبدالأفقر: عفى عنه

محمد أنور حفظه الأكبر

محمد سید حسن عفا اللہ عنہ

از مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد

مولانا المحترم .... دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گرامی نامہ باعث سعادت واعتزازِ کمترین ہوا، احقر ایک ماہ سے دیو بند تھا، پرسوں آیا ہے، جواب میں تاخیر ہوئی، معافی کا خواستگار ہوں، رسالہ مبارکہ "الحیلۃ الناجزۃ" کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ہنوز امت محمدیہ میں ایسے حضرات موجود ہیں کہ جو مسلمانوں کی ضروریات کو ملحوظ رکھ کر متقدمین کے فتاویٰ سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

رسالہ کے جملہ مضامین میں سے بندہ متفق ہے، اگرچہ دیکھنے کا موقع نہیں ملا، مگر اصل مسئلہ سے متفق ہوں، اس کے علاوہ اکابر علماء کی تصدیق کے بعد میری کیا حقیقت ہے کہ جو خلاف کر سکوں، میں تو ایک ادنیٰ درجہ کا طالب علم ہوں، ان اکابر کی فہرست میں اپنے نام کو مندرج کرنا ہی مناسب نہیں سمجھتا، والسلام، حضرت مولانا مدظلہ کی خدمت میں سلام عرض ہے۔

عبدالحق

نیاز مند

از: مراد آباد، مدرسہ قاسم العلوم شاہی مسجد ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

تصدیقات علماء جالندھر (پنجاب)

از خیر المدارس جالندھر شہر

عرصہ سے جن ضروری مسائل کے حل کما ینبغی کو آنکھیں ترس رہی تھیں، الحمد للہ کہ مجموعہ "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" اور اس کے تتمات میں جس غایت احتیاط اور بلیغ جدوجہد سے ان کو کما حقہا حل فرمایا گیا ہے، وہ حضرت العلامہ شیخ المشائخ مجدد الملت، حکیم الامت حضرت مؤلف مدظلہم العالی اور انکے معاونین کا ہی

نامل حصہ ہے، حق تعالیٰ سب کے فیوض و برکات کو تادیر قائم و دائم رکھے، آمین،
الحاصل جملہ جوابات صحیح وحق ہیں۔

العبد	**العبد**
احقر خیر محمد عفی عنہ	بندہ محمد رمضان عفی عنہ
ناظم وصدر مدرس	مدرس مدرسہ عربی خیر المدارس شہر جالندھر
مدرسہ خیر المدارس جالندھر	۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ
۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ	
العبد	**العبد**
محمد علی	عبداللہ عفی عنہ رائے پوری
مدرس مدرسہ خیر المدارس جالندھر شہر	۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ
۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ	

بگرامی خدمت قطب الارشاد والتکوین
سیدی ومرشدی حضرت مولانا صاحب مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!
''الحیلۃ الناجزۃ'' کے متعلق مدرسین کے دستخط ارسال کرنے کے ساتھ ایک مشورہ عرض کرتا ہوں، اور دعا کا متمنی ہوں۔

مشورہ: صورتِ مرقومۃ الذیل بھی کثیر الوقوع ہے، اگر اس کا حکم زوجہ غائب (جب ان کا پتہ معلوم ہے تو وہ غائب غیر مفقود ہیں اور غائب کے احکام رسالہ میں مفصل موجود ہیں، جس کا مستقل عنوان یہ ہے: ''حکم زوجہ غائب غیر مفقود'' لہٰذا کسی اضافہ کی حاجت نہیں۔ (حقیر: عبدالکریم عفی عنہ) غیر مفقود کے احکام کے ضمن میں نہ سمجھا جاتا ہو، تو بطور ضمیمہ کہیں ذکر فرمادیا جاوے۔

وہ صورت یہ ہے کہ بہت سے آدمی عمر بھر کے لئے قید ہوجاتے ہیں اوران کی زوجات کی دوحالتیں ہوتی ہیں، وجودِ نفقہ اورعدم نفقہ، علی ہذا اصبر علی التجرد اور مظنۂ ابتلاء زنا ایسے اشخاص کی زوجات کے لئے بھی مخلصی شرعی کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ والسلام۔

احقر خیر محمد از جالندھر (۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه اجمعین، أما بعدا فیقول حسین علی بن محمد بن عبداللہ:

حق تعالیٰ ان علماء کرام کو جزاء خیر عطا فرماوے، نہایت احسن کام کیا ہے، ان علماء کرام کی خدمت میں عرض باادب ہے، چودہ یا پندرہ سال ﴿جس قیدی کا پتہ معلوم ہو وہ غائب غیر مفقود ہے، اور جس کا پتہ معلوم نہ ہو وہ مفقود ہے، اور ہر دو کے احکام بعنوان مستقل رسالہ میں مفصل مذکور ہیں۔ (احقر عبدالکریم عفی عنہ)﴾

قید والا مثلاً جو ہووے اس کی عورت (زنانی) کا حکم بھی کچھ تحریر فرماویں، اور طلاق ونکاح بالاکراہ بہت ہورہی ہے، اس کا بھی حیلہ ﴿اوّل تو اس کے لئے کوئی حیلہ اس وقت پیش نظر نہیں، دوسرے کوئی حیلہ اس باب میں کارگر بھی معلوم نہیں ہوتا؛ کیوں کہ دوسرا فریق جب قوت زیادہ رکھتا ہے تو حیلہ کی مزاحمت کرسکتا ہے۔

ولعل اللہ یحدث بعد ذٰلک أمراً. عبدالکریم عفی عنہ﴾ فرماویں۔

جزاکم اللہ تعالیٰ عنا أحسن الجزاء، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله وأصحابه اجمعین.

از: حسین علی از جالندھر

ازمدرسہ رشیدیہ رائے پور ضلع جالندھر

از بندہ: فقیر اللہ عفا اللہ عنہ

بخدمت جناب مولانا مولوی شبیر علی صاحب دامت برکاتہم دفیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اما بعد: گزارش کہ رسالہ ''حیلہ ناجزہ'' بنام مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ ہذا پہنچا، چوں کہ مسائل لکھنے کا کام یہاں احقر کے متعلق ہے، اس واسطے بندہ نے ہر سہ رسائل ''حیلہ ناجزہ، مختارات اور حکم ازدواج'' کا بتمامہا از اول تا ۱۰۳ مطالعہ کیا، فتاویٰ مالکیہ ومرقومات کا تا حال بوجہ عجلت جواب مطالعہ نہیں کیا۔

حضرت مولانا حکیم الامت دام فیوضہم کا اہل اسلام پر بہت بڑا احسان ہے کہ حضور نے بہت بڑا احسان کیا ہے کہ حضور نے بہت بڑی مشقت برداشت فرما کر ان تمام مسائل کو صرف حل ہی نہیں کیا بلکہ بہت سی مشقتوں سے سبکدوش کر دیا۔ زوجہ مفقود الخبر کے فسخ نکاح کا فتویٰ تو مدت سے بہت علماء حنفیہ دیتے تھے، مگر قضاءِ قاضی کا عند المالکیہ شرط ہونا اس کی طرف کسی نے توجہ نہ کی تھی، اس غلطی کو حضرت مولانا دامت برکاتہم نے ہی رفع کیا ہے، مرتدہ کے عدم فسخ نکاح کو ترجیح دی ہے، یہ بہت ہی احسن ہے، باقی تمام مسائل بھی اچھی طرح حل فرما دیجئے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء

اب اہل علم وفہم کے لئے ضروری ہے کہ عاجزہ وناشزہ میں تحقیق سے غور فکر کو کام میں لاویں، بلا تدبیر کوئی فیصلہ نہ کریں، جس طرح عاجزہ کو تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح ناشزہ کے ہاتھ بھی بہت لوگ تکالیف برداشت کرتے ہیں۔

تحقیق وتسہیل مسائل میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا، کاش کہ لوگ شرائط کے ساتھ ان پر عمل کریں، زیادہ کیا عرض کیا جاوے۔ فقط

الراقم
بندہ فقیر اللہ عفا اللہ عنہ
مدرس مدرسہ رشیدیہ رائے پور
ڈاک خانہ مہت پور ضلع جالندھر

الجواب صحیح
عبدالکریم عفی اللہ عنہ
بکھیلہ ڈاک خانہ مہت پور ضلع جالندھر

الجواب صحیح
فضل احمد
مہتمم مدرسہ رائے پور گوجران

الجواب صحیح
ابراہیم عفی عنہ
مدرسہ عربیہ جگراؤں ضلع لودھیانہ

الجواب صحیح
عبدالعزیز عفی عنہ
مدرس مدرسہ رائے پور ضلع جالندھر

الجواب صحیح
محمد حسن بھروی
بقلم خود

تصدیق از مدرسہ راندیر ضلع سورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

امابعد: ایک عرصہ سے جس چیز کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، اوراس کے حل کو تلاش کیا جاتا تھا، الحمدللہ اس کو رسالہ "الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة" نے پورا کرادیا، میں نے اس رسلاہ کو اول سے آخر تک بغور پڑھا، مفقود، مجنون، متعنت وغیرہ کے احکام اوران کی دشواریوں کو دور کرین میں یقیناً رسالہ مذکور نے برمحل ہماری رہبری کی اورایک حد تک ہماری مشکلوں کو دور کردیا۔ ہندوستانِ مذہب حنفی ان صورتوں پر عمل کریں اورانہیں کے مطابق فتویٰ دیں، جن کو رسالہ مذکورہ میں حل کیا گیا ہے۔ موجودہ دور میں جن کے حل کی بہت ضرورت تھی؛ تاکہ اس مظلوم اور بے بس طبقہ کی گلوخلاصی ہوسکے، جس کی زندگی حل نہ ہونے کی وجہ سے تلخ ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف دامت برکاتہم کو اس کی جزائے خیر دے کہ انہوں نے اُمت مرحومہ کی دشواری اور مصیبت کا

لحاظ کرتے ہوئے سعی بلیغ اور جد و جہد کو کارفرما کر ایسی سہل صورت پیدا کر دی اور حنفی مذہب کا الزام دور کر دیا جو فی حد ذاتہ بھی غلط اور عدم علم پر مبنی تھا۔ اسی طرح ان معاونین کو بھی جزائے خیر عنایت کرے، جنہوں نے اس رسالہ کی ترتیب وغیرہ میں حصہ لیا ہے، جنونِ اصلی اور جنونِ مستوعب اور جنونِ طاری اور جنون عارض کی تفسیر بدائع الصنائع، باب الولایۃ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

وأما المجنون جنونا مستوعباً بأن جن قبل دخول شهر رمضان وافاق بعد مضية فلا قضاء عليه عند عامة العلماء الخ، بخلاف المجنون المستوعب الخ؛ لأن المجنون المستوعب فلما يزول الخ، ويستوى الجواب في وجوب قضاء ما مضى عند أصحابنا في الجنون العارض ﴿لعل لفظة وهو سقطت من الكاتب. سيد مهدى حسن غفرله﴾ ما اذا أفاق في وسط الشهر أوفى أو لما لوجن قبل الشهر الخ، وأما المجنون الأصلى وهو الذى بلغ مجنوناً ثم أفاق فى بعض الشهر الخ، عن أبى يوسف فى صبى له عشر سنين فلم يزل مجنوناً حتى أتى عليه ثلاثون سنة أو أكثر الخ. بخلاف الجنون العارض فان هناک زمانًا لتكليف سبق الجنون الا أنه عجز عن الأداء بعارض فاشبه المريض الخ، ولو أفاق المجنون جنوناً عارضاً فى نهار رمضان قبل الزوال فتوى الصوم أجزاه عن رمضان، والجنون الأصلى على الاختلاف الذى ذكرنا الخ، والمجنون الكبير والمجنون الكبيرة يزوج عند أصحابنا الثلاثة اصلياً كان الجنون أوطارئاً بعد البلوغ الخ، والجنون اذا استحكم وهو الطويل منه فلما يزول وروى عن محمد أن الجنون القصير بمنزلة الاغماء الخ. (بدائع الصنائع)

میرے خیال میں جنونِ اصلی اور غیر اصلی و طاری اور غیر طاری اور غیر مستوعب اور عارضی

اور غیر عارضی اور حادث ﴿ان عبارتوں میں بھی کسی جگہ حادث کی تفسیر موجود نہیں، اس لئے ہنوز اشکال زائل نہ ہوا اور مجنون کے متعلق جس احتیاط کو ''حیلہ ناجزہ'' میں احتیاط کیا گیا ہے کہ حادث و مطبق ہر دو صورت میں سال بھر کی مہلت دی جائے اس احتیاط کی ضرورت ہے۔ عبدالکریم عفی عنہ۔﴾ وغیر حادث کی تفسیر ان عبارتوں سے متعین ہو سکتی ہے۔

الغرض رسالہ علماء و مفتیین زمانہ کی دشواریوں کے حل کے لئے بے حد مفید ہے، اور بہت سی سہولتیں پیدا کر دینے والا ہے، اور آئے دن کی مظلوم عورتوں کی تکالیف کا بہت بڑی حد تک رافع ہے، کاش ہندوستان کے جملہ علماء حنفیہ اس پر متفق ہو جائیں اور اگر ان کے علم میں اس سے زیادہ سہولت کی روایتیں کتب فقہ احناف میں موجود ہوں، تو ان سے دریغ نہ فرمائیں۔ نیز شرائط مبینہ فی الرسالہ پر زیادہ توجہ کو مبذول فرمائیں اور اگر کتب فقہ احناف کی ورق گردانی کی جائے تو ممکن ہے کہ کچھ اور بھی آسانی کی صورت نکل آئے۔ رسالہ مذکورہ کی ترتیب و تدوین لائق صد تحسین و ستائش ہے۔

أوصى بوصية ثم جن ان أطبق الجنون حتى بلغ ستة أشهر بطلت الخ. (درمختار كتاب الوصية) وراجع الدرالمختار، وفي البزازية: وشمول المجنون اكثر السنة أطباق عند الامام الثاني. وفي رواية عنه: ان أكثر من يوم وليلة فاطباق، وقال محمد: سنة كاملة، وقدره في رواية بتسعة أشهر، وقدره الامام في رواية بشهر، وبه يفتي. ولم يقدره بشيء في أخرى الخ. والله أعلم وعلمه أتم.

میرے ناقص خیال میں مفقود کے لئے ایک سال یک روایت ثانیہ زیادہ کی سہولت پیدا کرنے والی ہے، جو علامہ الفاہاشم کے فتویٰ میں ہے، اگر مخصوص شرائط کے ساتھ اور مخصوص حالات میں اس پر عمل کیا جائے تو زیادہ بعید نہ ہوگا۔ **لأن الأمر اذا ضاق اتسع.** مؤلف دامت برکاتہم کا بھی اسی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے، اور سال کی ابتداء وقت مرافعہ سے شمار کی جائے کہ اس کے نظائر میں مالکیہ نے اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ مؤطا

مع الزرقی ۳/۰۷ باب أجل الذی لا یمس امراۃ میں مرافعہ کے دن سے ایک سال کا اظہار کیا ہے۔ والعلم عنداللہ تعالیٰ، وھو فی أعناق العلماء أمانۃ.

کتبہ: سید مہدی حسن غفرلہ

مفتی راندیر ضلع سورت (یکم اگست ۱۳۳۴ھ)

تصدیقات علماء امرتسر

از مدرسہ نعمانیہ امرتسر

حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر یہ رسالہ مسلمانوں کی اہم مشکلات کا بہترین حل ہے، جملہ مسائل زیر بحث کی ایسی جامع و مانع تحقیق وترتیب حضرت حکیم الامت مدظلہ جیسی جامع کمالات ہستی کا ہی کام ہے، اس رسالہ کی تالیف سے حضرت نے مسلمانانِ ہند پر عموماً اور علماء حنفیہ پر خصوصاً بڑا بھاری احسان کیا ہے، روزمرہ کی مشکلات کا بہترین اور صحیح ترین حل تجویز کردیا گیا ہے، جو علماء حنفیہ کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے گا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے فیوض وبرکات سے مسلمانانِ عالم کو بہرہ ور فرمائے۔

محمد حسن	عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ	عبدالکبیر
صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ مفتی امرتسر	مدرس مدرسہ نعمانیہ امرتسر	مدرس مدرسہ نصرۃ الحق امرتسر
محمد بہاؤالدین قاسمی	غلام محمد عفی عنہ	اصحاب الدین عفی اللہ عنہ
ابن حضرت مولانا مفتی پیر غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی امرتسری	امام جامع مسجد شیخ خیر الدین مرحوم امرتسر	مدرس مدرسہ تقویۃ الاسلام مفتی امرتسر
محمد نور عالم	خاکسار: حکیم محمد عبدالخالق	خاکسار: عمرالدین شیخ
مدرس عربی مسلم ہائی سکول امرتسر	عفااللہ عنہ چوک فرید امرتسر	(مولوی فاضل) قادیان، ضلع گورداس پور

تصدیق از مدرسہ بہاولپور

از مدرسہ عربیہ احمد پور شرقیہ بہاولپور

بعد حمد و صلوٰۃ: عرض ہے کہ فدوی نے ایام قیام تھانہ بھون میں رسائل ''الحیلۃ الناجزۃ'' و ملحقات کو بغور دیکھا، صحیح پایا۔ اس فتن کے زمانہ میں ان مسائل کی اشاعت نہایت ضروری تھی، جو حضرت والا دامت فیوضکم کی سعی سے ظہور میں آئی، اللہ تعالیٰ حضرت والا کے فیوضِ ظاہریہ و باطنیہ کو ہم غلاموں کے سروں پر بعافیت قائم و دائم رکھے، اور حضرت والا و دیگر سعی کنندگان کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ فقط۔

واحد بخش

العدور

مدرس اوّل مدرسہ عربیہ احمد پور شرقیہ ریاست بہاول پور (حال مقیم خانقاہ تھانہ بھون)

تصدیقات علماء کراچی

از مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، أما بعد: حقیر نے رسالہ "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" بہت ہی غور و خوض سے دیکھا، اس میں کچھ شک نہیں کہ ان مسائل کے حل کے لئے دیارِ ہندیہ میں بہت ہی ضرورت تھی، جناب حضرت مؤلف مدظلہم العالی اور ان کے معاونین کو حق سبحانہ وتعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان حضرات نے باوجود مشکلات دورِ حاضرہ بہت ہی تحقیق و تدقیق کے ساتھ ان مسائل واقعہ کو بہ نہج علماء کرام حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ باحتیاط تام حل فرما کر جمیع علماء ہند پر احسان فرمایا۔

حقیر جملہ علماء کرام دیارِ ہندیہ کی خدمت اقدس میں عرض کرتا ہے کہ فتویٰ مذکورہ کو بالضرور دستور العمل فرمادیں۔ خود حضرات علماء کرام حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے مسائل حاضرہ وقتیہ پر اسی طرح عمل کر کے پس آئندوں کے لئے راہِ عمل بیان فرما کر

اجازت دے دی ہے کہ جزئیات مسائل میں جو آئندہ زمانہ کے مختلف ادوار میں واقع ہوتی جائیں، اسی طرح عمل کیا کریں۔ ھٰذا و العلم عند الله سبحانه و تعالٰی.

حررہ المسکین محمد صادق عفی عنہ

مہتمم مدرسہ مظہر العلوم محلّہ کھڈہ کراچی سندھ

ہم ذیل کے دستخط کنندگان مدرسین مدرسہ مظہر العلوم نے بھی رسالہ مذکورہ کا مطالعہ کیا، ہم بھی جناب مہتمم صاحب کے لکھے ہوئے کی شرعی طور پر تصدیق کرتے ہیں۔

محمد صدیق عفی عنہ افضل احمد غفرلہ عبدالصمد سربازی غفرلہ

بندہ: محمد عفا اللہ عنہ ۱۸ ربیع الثانی ۵۳ھ

تصدیقات علماء گوجرانوالہ

از مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ

مکرم ومحترم جناب مولانا محمد شبیر علی صاحب زیدت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ آپ کا ہدیہ سفینہ (رسالہ الحیلۃ الناجزہ) موصول ہوا، حسب الارشاد بندہ نے دیکھا کہ مجھے اس کے جملہ جوابات سے اتفاق ہے کہ وہ صحیح ہیں، اس سے ایک حد تک ارتداد کا سدباب ہو جائے گا، جزاکم الله عنا وعن جميع المسلمين خيراً. فقط والسلام على الاحبة الكرام.

محمد عبدالعزیز از گوجرانوالہ جامع مسجد (مورخہ ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ)

میں نے بعض مقامات سے رسالہ ''الحیلۃ ناجزہ'' کو دیکھا ہے، واقعی موجودہ ضرورت کو بطریق احسن پورا کر دیا ہے، جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

محمد چراغ

.مدرس مدرسہ انوار العلوم جامع گوجرانوالہ (۱۸ جولائی ۱۹۳۴ء)

وباللہ التوفیق: مجموعہ رسالہ کا مطالعہ کیا، سب جوابات صحیح ہیں، فقہاء متقدمین ومتاخرین کے مسلک کو نہایت واضح کیا گیا ہے، ہندوستان میں ایسے امور کی بڑی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت حکیم الامت ادام اللہ ظلہ کو جن کی سعی بلیغ سے ان مشکلات کا حل لوگوں تک پہنچا، اللہ تعالیٰ ان رسائل کو عامۃ المسلمین کے لئے نافع بنائے۔ آمین۔

محمد خلیل عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ انوار العلوم جامع مسجد گوجرانوالہ

وقتی ضروریات کو رسالہ موصوفہ میں جمع فرما کر آپ نے تمام مسلمانوں کو مرہون منت کرلیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سعی بلیغ کے مقابلہ میں جزائے خیر سے مشرف فرمائے، آمین۔

عبدالواحد مدرس مدرسہ انوار العلوم جامع مسجد گوجرانوالہ

تصدیقات علماء کشمیر

از دارالافتاء سوپور کشمیر

احقر نے کتاب "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" کا مطالعہ غور وخوض سے کیا شروع کے معیار میں اعلیٰ واکمل پائی، یہ کتاب جواہرات ثمینہ سے مشحون ومزین ہے، اس کتاب میں ایسے نقول ہیں جو کوئی علامہ فحول اور نکتہ رس اس کے کہنہ وحقیقت میں بلا تامل نہیں پہنچ سکتا ہے اس میں ایسے مفصلات منحل ومنجسک ہوئے ہیں جو کہ آج تک صفحہ روزگار میں نمایاں نہیں دیکھے، اور آج تک کسی عالم فاضل نے ان کا نقشہ بحیثیت مجموعیت نہیں کھینچا۔

التماس: اس کتاب کے انطباع کرانے میں کئی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں؛ لیکن وہ سبقت قلم ناسخ سے ہیں، اگرچہ مصحح نے اغلاط نامہ کتاب کے ابتداء میں مع الفاظِ صحیحہ تسوید فرمائی ہے؛ لیکن بعض جگہ ابھی لفظی کئی غلطیاں رہ گئی ہیں۔

ان کے تدارک کا جناب مصنف یا مصحح سے توقع ہے؛ تاکہ کتاب کی وقعت ان اغلاط ناسخ سے کم نہ ہوجائے، مطالعہ کرنے والے کو۔

حقیقت: الحمدللہ والمنۃ صاحب کتاب نے زمانہ ضرورت کے دوران میں چار سوئے ظلمت میں چراغ ہدایت منجلیو روشن فرمایا؛ تاکہ کسی عابر کو شکوک کے کانٹے طلب کے پاؤں میں چبھ نہ جائیں۔فقط

العبد خاکسار عبدالجبار

(مفتی وامام مسجد جامع سوپور کشمیر)

جناب مولانا عبدالجبار صاحب مفتی و امام مسجد جامع سوپور کشمیر کی مذکورہ بالا عبارت سے میرا اتفاق ہے، مزید یہ ہے کہ موجودہ وقت کے مکدر فضا اور متعدد کمزوریوں کے باوجود ایسے اہم مسائل کا حل صرف کمالات حضرت مصنف صاحب سے ہی ہے، تعریف کی ضرورت نہیں، وقت خود بتلادے گا۔فقط

خادم المسلمین مفتی محمد یاسین

صدر کانفرنس و مفتی دارالفتوی سوپور کشمیر

تصدیقات علماء ڈھاکہ

از مدرسہ عالیہ ڈھاکہ

مکرمی زید مجدہٗ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا شکر گزار ہوں کہ اس رسالہ ملکوتیہ اور اس کے ملحقات سے مشرف فرمایا، تصدیق حاضر ہے اور بھی حاصل کرنے کے لئے کوشش کروں گا، اور التماس ہے کہ حضرت والا مولانا صاحب کی نظر انور سے اس کو گزاریئے، مشکور ہوں گا، والسلام

محمد اسحٰق عفی عنہ البردوانی

۳۰ ربیع الاول جمعہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله الذى بيده أنقة التحقيق، والصلاة والسلام على من هو بالاهتداء حقيق، وعلى آله وأصحابه الذين ملكوا مناهج الحق بالتصديق، أما بعد:

فانى قد طالعت حرفاً حرفاً هذه الصحيفة الملكوتية الملقبة بالحيلة الناجزة للحليلة العاجزة فوجدتها تردق النواظر وتجلوا الخواطر، والحق أقول: انها مذللة للصعاب ومسهلة لما أريد فى هذا الباب ومخرجة للمظلومات من الظلمات، ومنجية لهن من لحج المشكلات، مسائلها مشيدة المبانى، ورصيفة المعانى مستقيمة سمتا، لاترى فيها عوجا ولا أمتاً، كيف لاقد حققها واتقنها وبصنوف التحقيقات والتدقيقات زينها شيخنا وشيخ الاسلام الحبر المقدام والبحر الطمطام:

بحر ولكن الطفّاوة عنبر   مزنٌ ولكن الغيوث جواهر

قدوة المحققين، عمدة الراسخين، كاشف السر الخفى والجلى مولانا محمد أشرف على مدظله العالى صاحب الأنفاس القدسية والنفحات الانسية لازالة أنوار فيوضية مشرقة وبحار علومه متدفقة ولعمرى أنها الحرية بأن تسمى بالحيلة الناجزة لتحلية للحليلة العاجزة اذ بها لم شعثها واصلاح ربها فأطال الله بقائه مدى الليالى والأيام، اذ وجوده وبقاؤه نعمة ونجاة للأنام، رأى تعليقهن وخلتهن فاظهر لهن سبيلًا للخلاص حين نادوا ولات حين مناص، فيا ربنا هب له من لدنك رحمة انک أنت الوهاب الرحيم، الله تقبل منا انک أنت السميع العليم وأنا العبد المفساق الى رحمة ربه الخلاق.

محمد اسحق عفى عنه البردوانى موطناً والأشرفى تلمذاً والحنفى مذهباً. مسائل المختارات كلها صحيحة.

محمد اسحٰق البردوانی

٢٨ ربیع الأول ١٣٥٣ھ

رسالة حكم الازدواج صحيحة لامرية فيها.

محمد اسحٰق البردوانی

الرسائل كلها صحيحة نافعة جداً.

العبد: محمد ارشاد اللہ عفی عنہ

معلم العربیۃ فی الکلیۃ الاسلامیۃ بدکہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدک يامن ألهمت قلوب أوليا كما وصلوا به لمرضاتک واتحفتهم من الفقه عنک ماحازوا به أسرار خصوصياتک، ونصلى ونسلم على سيدنا محمد القائل من يرد الله به خيراً يفقهه فى الدين، وعلى آله وأصحابه أجمعين. أما بعد:

فقد مرحت نظرى وطرحت فكرى فى ثلاث رسائل مبتكرة تحت عنوان "الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة" مع ضميمتها البديعة التى لم تنسخ على منوالها، فأيم الله نوعايتها الامام الذى قيل فى حقه: من أراد المتجر فى الفقه فهو عيال على أبى حنيفةؒ لعاد قائلاً أن المؤلف قد كشف الغمة عن مهمات الأمة، فان الحوائج البشرية قد تنوعت أنواعاً لا تكاد تحصيها العقول، ولا يحتوى على بعضها النقول، ولكن

التفصي عن كل أمر مسؤول، فكانت الحاجة ماسة الى مثل هذه الوسائل الأنيقة الباحثة عن المسائل البديعة العميقة، فجاءت بحمدالله لاتكاد العيون ترئ مثلها وكيف لا، وقد نسج بردها من حارث الأفكار في ثنائه وتقامرت العقول دون وصفه ولحقيق أن يقال:

بالله زدني من حديث به　　أسبحت نشونا كحاسر المدام
من لي بمن قاسيت من هجره　　شوقاً جرى في مهجتي والعظام
الجهبذا العظريف به العلٰى　　أشرف العلى الخبر عالي للمقام
لازال في خير وفي رفعة　　شمو على السبع انطباق الفخام

المسود الفقير　　شمس الدین غفرلہ
الحنفی مذہباًوالدیوبندی تلمذاًمن اہالی ڈھاکہ بنگالہ....۱۸ربیع الاول۱۳۵۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت اقدس..................مدظلہ العالی!

بعد آداب وتسلیمات کے عرض ہے کہ خدا حضور کو بخیریت رکھے۔ "الحیلۃ الناجزۃ" کو بندہ نے بغور ملاحظہ کیا، اس مجتہدانہ تحقیق سے کہ اس میں ہر پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور فروع کو اصول کے ساتھ مربوط رکھتے ہوئے جو حکیمانہ وحاکمانہ جواب تحریر فرمایا گیا ہے، ہر لفظ پر کلمہ تحسین زبان سے نکالنے کو جی چاہتا تھا، اس کی بڑی ضرورت تھی کہ حضرت والا کے مبارک ہاتھ سے اس کو اللہ نے پورا فرمایا۔

جزاكم الله عن المسلمين خير الجزاء.

میں اس صحیفہ ملکوتیہ کی ہر بات سے متفق ہوں؛ لیکن مجنون ﴿ حضرت اقدس دام مجدہم نے ارشاد فرمایا کہ مجنون بعض اوصاف میں مشابہ صغیر کے بھی ہے، اور بعض اوصاف میں نائم کے بھی، مگر دیکھنا یہ چاہئے کہ اس مقام پر کس وصف کو زیادہ دخل ہے، صغیر کی خلوت کو بوجہ عدیم الشہوۃ ہونے کی غیر صحیح قرار دیا گیا ہے۔

اور مجنون عدیم الشہوۃ نہیں۔ کما فی الشامیۃ عن البحر باب العنین تحت قول الدر فلو وجب بعد وصوله اليها مرة اور نائم صاحب شہوت ہے، مگر نوم کی وجہ سے فاقد الشعور ہے، اور یہی حالت مجنون کی ہے، گو اتنا فرق ہے کہ نوم عادۃً سریع الزوال ہے، بخلاف جنون کے اور یہ فرق حکم میں مؤثر نہیں، انتہی قولہ الشریف اور مخاطب ومکلف ہونے نہ ہونے کو اس میں دخل نہیں؛ کیوں کہ مراہق کی خلوت صحیح ہے، حالانکہ وہ مکلف نہیں اور نائم کی خلوت صحیح ہونے میں جو اختلاف ہے یہ مضر نہیں، جو اس کی صحت کا قائل ہے اس کے قول پر قیاس ہو جائے گا، اور اختلاف تو مجنون کے مانع خلوت ہونے میں بھی ہے۔ کما قال الشامي تحت قول الدر: (أو مجنوناً أو مغمى عليه) وقيل: يمنعان فتح، قلت: يظهر الى المنع في المجنون؛ لأنه أقوى حالا من الكلب العقور تأمل. دراصل صحت وعدم صحت خلوت کا اس پر ہے کہ یمنع ال...... ہے یا نہیں؟ سو صغر مانع ہے لعدم الشہوۃ اور جنون مانع نہیں اور نوم گو بظاہر مانع ہے، مگر بوجہ سریع الزوال ہونے کے اس کو قول امام پر غیر مانع قرار دیا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرات نوم کو مانع کہتے ہیں ان کے قول پر بھی جنون کو مانع قرار دینا لازم نہیں؛ کیوں کہ نوم ظاہراً تو مانع ہے، جنون ظاہراً بھی مانع نہیں، گو عدم شعور میں ایک گونہ مشابہ نوم ہے۔ هذا ماعندنا، والله أعلم.﴾ کی خلوتِ صحیحہ کے متعلق جو حاشیہ ۴۵ میں مذکور ہے، قدرے خلجان ہے، اس لئے ادب سے استفادۃً عرض ہے کہ فقہاء کرام نے صغیر غیر قادر علی الجماع کے متعلق تصریح فرمائی ہے کہ اس کی خلوت صحیح نہیں ہے۔ في الشامية: وفي خلوة الصغير الذي لايقدر على الجماع قولان: وجزم قاضي خان بعدم الصحة، فكان هو المعتمد ولذا قيد في الذخيرة بالمراق وكذا في مجمع الأنهر اسی طرح وجودِ ثالث کے مانع خلوت ہونے سے صغیر لایعقل کو مستثنیٰ کردیا۔ في الدر المنتقى على حاشية، مجمع الأنهر

بخلاف صغير لايعقل الخ. رہا مجنون سو اس کو دوسرے کی خلوت صحیحہ متحقق نہ ہونے کے لئے یا ہونے کے لئے ملحق اور مشابہ بالصغیر کیا گیا ہے۔ فی العالمگیریۃ مطبوعة كلكته، والمجنون والمعتوه كالصبي فان كانا يعقلان فليست بخلوة وان كانا لا يعقلان فهي خلوة كذا في السراج الوهاج. اور جنون صغر نوم ہر چند کہ عوارضِ سماویہ ہونے میں متساوی ہیں؛ لیکن نوم مؤخر خطابیہ ہے نہ مسقط اور صغر اور جنون مسقط خطاب ہیں، اس لئے جنون صغر کے ساتھ اشبہ اور الصق ہے، اور عبارت عالمگیریہ بھی اسی کی طرف قریب قریب تصریح کر رہی ہے، پس جب جنون دوسری کے خلوت کے مانع ہونے یا نہ ہونے میں مشابہ صغیر ہوگا۔ فكان شبه الجنون مايصغر أجلى وأولى 'فلم تكن خلوته صحيحة۔ ونیز تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے جنون کو کہیں مشابہ نوم نہیں فرمایا ہے، اور پھر نائم کے خلوت کو صحیح قرار دینا یہ بھی متفق علیہ نہیں ہے۔ كما يفهم من العالمگيرية : ولو دخلت على زوجها وهو نائم وحده صحت الخلوة علم بدخولها أولم يعلم وهٰذا الجواب محمول على قول أبي حنيفةؒ؛ لأن عنده للنائم حكم اليقظان كذا في الظهيرية.

حضرت والا کی خدمت میں پیش کر دیا، اب جو مرضی ہو۔

ان صح فمن الله والافمن هٰذا العبد الضعيف الخويدم.

محمد اسحٰق عفی عنہ

کارکن باڑی ڈھاکہ (۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ)

آراء حضرات علماء بہار

ازامارتِ شرعیہ بہار

محترم المقام جناب مولانا محمد اشرف علی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب کا مرسلہ رسالہ "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" میری غیبت میں پہنچا، میں سفر میں تھا اس لئے آج تک دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، جناب کا نہایت شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس ناچیز کے پاس بھیج دیا۔

اس وقت جزو دوم کا مقدمہ سرسری طور پر دیکھا دارالکفر میں، قضا بین المسلمین کی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ نے جو صورت تجویز فرمائی ہیں، وہ نہ معلوم کیوں اس رسالہ میں مذکور نہ ہوئیں۔ یعنی "یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین" اور "أن ینفقوا علی واحد یجعلونہ والیاً فیولی قاضیاً الخ" اور جب یہ صورت موجود ہے تو پنچایت کی صورت اختیار کرنا بلا ضرورت مسئلہ غیر کا اختیار کرنا ہوگا، اس مسئلہ کی بابت شامی، بحر، نہر، فتح القدیر وغیرہ میں جو عبارتیں ہیں، وہ آپ سے پوشیدہ نہ ہوں گی، مگر سہولت کے لئے مولانا محمد علی صاحب مونگیری کا خطبہ روانہ خدمت کرتا ہوں، جس میں وہ تمام عبارتیں مذکور ہیں؛ تاکہ جناب آسانی سے ان سب پر پھر غور کرسکیں۔

افسوس ہے کہ آج ہی چند گھنٹے کے بعد پھر باہر سفر میں جارہا ہوں، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اچھی طرح ﴿اس کے بعد ایک خط میں قضا من الکافر پر اشکال لکھ کر بھیجا کہ یہ

خلاف ہے نص قرآنی: ﴿لن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا﴾ کے، اس کا جواب یہاں سے لکھا گیا۔ تقلد قضا من الکافر و لایت سلطانیہ کی بناء پر نہیں؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نصب قاضی کا فریضہ جو مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے وہ اس کو قوتِ تنفیذ ہاتھ میں نہ ہونے کے سبب ادا نہیں کر سکتے، مگر جب حکومت کافرہ نے کسی کو قاضی یا والی بنا دیا تو عدم قدرت کا مانع مرتفع ہو گیا؛ لہٰذا اس کی تعبیر یوں کی جاوے گی کہ سلطان یا والی کافر نے جو کسی کو عہدۂ قضا وغیرہ سپرد کیا ہے، دراصل وہ سپردگی اہل اسلام کی جانب سے ہے (جس پر عامۃ المسلمین کا سکوت بھی دال ہو سکتا ہے مولانا) اور حکومت کافرہ صرف پیام رساں ہے، اور اس منظوری و پیام رسانی کی شرط رفع مانع یعنی قوت تنفیذ حاصل ہونے کے واسطے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حکومت کافرہ کی طرف سے جو تقرر قاضی کا ہوا ہو وہ تولیت قضا نہیں؛ بلکہ تولیت قضا کی شرط ہے، پس اس تقریر سے اہل اسلام پر کفار کی ولایت کا شبہ بحمد اللہ بالکل رفع ہو گیا۔ فتد برو تشکر۔ نیز یہاں کے جواب میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ اس کی نظیر تقلد قضا من الباغي المتغلب ہے، اور اس میں شمس الائمہ نے یہی توجیہ کی ہے جو ابھی مذکور ہوئی، عبارت شمس الائمہ کی تتمہ رقاق کے حاشیہ میں مذکور ہے۔ ختم پر من قوله والمعنى فيه۔ الى قوله۔ وقد حصل۔ ملاحظہ فرما لیا جاوے، بعد ازاں مولانا سجاد صاحب غالباً جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ میں تھانہ بھون تشریف لائے، مولانا کفایت اللہ صاحب وغیرہ بھی ہمراہ تھے، اس وقت بھی مولانا سجاد صاحب نے نصب القاضی من العامۃ کو صحیح قرار دینے کی بہت سعی فرمائی، اور تقلد قضا من الکافر پر اشکال مذکور کا اہتمام سے اعادہ فرمایا کہ حضرت حکیم الامت مدظلہم نے احقر سے ارشاد فرمایا کہ غالباً یہاں سے کچھ جواب بھی تو لکھا گیا تھا، احقر نے تتمہ امداد الاحکام جلد دوم میں تلاش کر کے وہ جواب سنایا، جس میں وہ ہر دو مسئلہ یعنی ''نصب القاضی ابن العامۃ'' کی عدم صحت اور تقلد قضا من الکافر کی صحت پر کافی تقریر ہے، اس کو سنتے ہی مولانا حسین احمد

صاحب نے فرمایا کہ اس باب میں اب کوئی اشکال نہیں رہا، مولانا کفایت اللہ صاحب نے اول تو اس فرمانے پر حیرت سے سوال کیا، پھر مختصر مکالمت کے بعد خود بھی تسلیم کرلیا، اس کے بعد احقر کو نکان ہوگیا، ان دنوں احقر بیمار تھا، اس لئے حضرت اقدس مدظلہم سے اجازت کے لئے عرض کیا، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ وقت بھی کافی گزر چکا ہے، اور ضروری گفتگو بھی ہو چکی، اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو اشکالات ہوں ان کو قلم بند فرمادیا جائے، ان میں اطمینان سے غور کیا جائے گا، اس پر ان حضرات نے چند سوالات تحریر فرمادیئے، ان میں سے بعض کا جواب تو ہو چکا تھا اور بعض کو مدینہ منورہ بھیجنا مناسب خیال کیا گیا اور وہاں سے جواب آنے پر تتمہ کی شکل میں شائع کردیا گیا۔ ملاحظہ ہو: فتاویٰ مالکیہ کے ختم پر عنوان "الاستفتاء بالمرۃ الخامسۃ" احقر عبدالکریم عفی عنہ۔﴾ مطالعہ کے بعد جو کچھ عرض کروں گا۔

اس وقت جو بات نہایت اہم معلوم ہوئی اس کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوا، اگر جناب کے متبرک قلم سے حنفیہ کے اس مسلک کا بیان بھی اب بطور ضمیمہ اس رسالہ میں شامل ہوجائے تو بہتر ہوگا، اس مسئلہ کی ضرورت واہمیت کے علاوہ پنچایت ﴿ان عملی دقتوں کا ان سوالات میں تذکرہ تھا جن کا ابھی گزشتہ حاشیہ میں ذکر ہوا ہے، مگر مدینہ منورہ سے جواب آنے پر سب کا حل ہوگیا، اس لئے اس جواب کو شائع کردینا کافی سمجھا۔ واللہ الموفق۔ (احقر عبدالکریم عفی عنہ)﴾ کی عملی دقتیں بہت زیادہ ہیں، اوران شرائط کی نگہداشت بھی بہت مشکل ہوگی۔ فقط والسلام

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ

(۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ)

أحكام المساجد

مَسَائِلُ أَهْلِ الْخِلَّةِ فِي مَسْئَلَةِ الظِّلَّةِ

یعنی حکم سائبان در مسجد

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ، راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَولانا مُحَمَّد اَشرَف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

مسجد پیر محمد صاحب والی (واقع خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون) میں ایک ٹین کا سائبان دری شریف کے آگے ڈالا گیا تھا تو اس کے متعلق دریافت کیا گیا تھا کہ یہ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس میں سوال و جواب دونوں درج ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

سوال: بعد الحمد والصلوٰۃ اس احقر نے مسجد پیر محمد والی کی چار سہ دریوں کے سامنے ٹین کا سائبان ڈلوایا تھا ان میں ایک سہ دری جنوبی شمالی رویہ مسجد کے متصل ہے اس کے سائبان کے متعلق بعض حضرات اکابر سے بطور تحقیق کچھ خط وکتابت ہوئی اس کو اس غرض (اور اس لئے بھی کہ اس مکاتبت میں متعدد اُصول وفروع فقہیہ مفیدہ اہل علم ہیں اور واقعات میں کام آسکتے ہیں اور ایک غرض اس اُمر کا بھی دکھلانا ہے کہ اظہارِ حق کے لئے مناظرہ کا کیا رنگ ہوتا ہے۔۱۲) سے نقل کرتا ہوں کہ اہل علم سے اس باب میں مزید تحقیق کر لی جاوے اور میرے قول وفعل کو حجت نہ سمجھا جاوے میں نے اپنی فہم کے موافق کہا ہے اور کیا ہے۔ **و سمیتھا بما سمیتھا اشارۃ الی الاسم السمی نواث الکابر نخبۃ الاکابر۔**

مکتوب اوّل آں بزرگ

مکرم ومحترم سندی ادام اللہ تعالیٰ فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

(ایک اور مضمون کے بعد) آپ کی سہ دری کے سائبان کے متعلق مجھ کو خلجان ہے میں اس کو ناجائز سمجھ رہا ہوں اور آپ جائز۔ مولوی...... کی تقریر کچھ فہم میں نہیں آئی اس لئے مکلف خدمت ہوں کہ مفصل کیفیت اس کی تحریر فرماویں کہ وہ جنوبی سہ دری داخل مسجد

ہے یا خارج۔ اور مسجد کے ساتھ اس کی تعمیر ہے یا بعد تعمیر کی گئی یا اس کا کوئی حصہ داخل مسجد ہے بعد تفصیلی علم کے اگر خلجان رہا تو عرض کروں گا۔ (پھر ایک اور مضمون ہے) والسلام

(۳۰ رشوال ۱۳۳۱ھ)

معروض احقر بجواب مکتوب اوّل

(بعد القاب (یہاں جو کاغذ رہ گیا اس میں القاب و آداب منقول نہ تھا صرف خط جو گیا تھا اس میں لکھا گیا۔ ۱۲ منہ) و آداب و دیگر مضامین مولوی...... سے جو مضمون ذکر کیا تھا وہ مطول تھا اس لئے بوجہ عدم انضباط کے ادا نہیں کر سکتے ملخص اس کا یہ ہے کہ یہ دیوار جس پر سائبان رکھا گیا ہے جزو مسجد ہے اور سائبان بھی بقصد مصلحت مسجد ڈالا گیا ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اکثر ایام میں ظہر کی جماعت باہر کے درجہ میں ہوتی ہے تو صف اوّل پر تو سائبان قدیم کا سایہ ہوتا ہے لیکن دوسری صف جو بچوں کی ہوتی ہے زیادہ بچے دھوپ میں ہوتے تھے گو بضرورت وہ اس دیوار کے سایہ میں کھڑے ہوتے تھے مگر وہ سایہ کافی نہ ہوتا تھا۔ اب وہ اس سائبان کے سایہ میں آرام سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ البتہ اس دیوار میں ایک پرانی غلطی اکابر کے وقت کی ہے کہ اس سہ دری کی کڑیاں اس پر رکھی ہیں سو اس غلطی کے تدارک کا بھی خیال ہے اس طرح کی شرقی غربی دیوار پر ایک گاڈر رکھ کر کڑیوں کو اس پر ٹکا دیا جاوے۔ والسلام (تاریخ نقل کرنا یاد نہیں رہا)

مکتوب دوم بجواب معروض بالا

مکرم و محترم دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

(بعد ایک مضمون کے) سائبان مسجد کے متعلق جناب نے دو مقدمے تحریر فرمائے ہیں۔ اوّل یہ کہ جس پر سائبان رکھا ہوا ہے جزو مسجد ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ سائبان بھی بقصد مسجد ڈالا گیا ہے۔ ان دونوں مقدموں میں زیادہ اہم پہلا مقدمہ ہے یہ مقدمہ تاوقتیکہ دلیل سے ثابت نہ ہو تصفیہ نہیں ہو سکتا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خلاف اقویٰ ہے کیونکہ یہ دیوار جس پر سائبان رکھا گیا ہے یہ جزو مجموعہ سہ دری ہے جو

خارج ہے اور جزو خارج (فی هذه المقدمة کلام لان بعض اقسام الخارج ما یکون مرکباً من الداخل والخارج فکیف یحکم علی جمیع اجزائه التی بعضها داخل بکونها خارجاً ۱۲) علاوہ اس کے اس کا جزو مسجد ہونا غیر معقول ہے کیونکہ اگر یہ دیوار مسجد کی ہوتی تو اس میں تین در ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

پھر سہ در خود شہادت دے رہے ہیں کہ اس دیوار کو جس میں در ہیں مسجد سے کوئی علاقہ نہیں اور اس کے ساتھ جب یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس دیوار کا سلسلہ بلا انقطاع شرقی جانب میں دُور تک (یہ دیوار تک نہ تھی صرف حد مسجد تک تھی بہت بعد میں ایک نئی دیوار بنا کر اس سے متصل کردی گئی ۱۲ منہ) چلا گیا ہے جو یقیناً خارج مسجد ہے تو یہ حصہ بھی داخل مسجد نہیں ہوسکتا ماوراء اس کے میں نے یہ عرض کیا تھا کہ یہ دیوار مسجد کے ساتھ تعمیر ہوئی ہے یا بعد میں۔ پس اگر یہ دیوار اَب فرش مسجد پر بنائی گئی ہو تو بھی داخل نہیں ہوسکتی ہاں اگر یہ اَمر ثابت ہوجاوے کہ اوّل یہ دیوار لب فرش مسجد پر احاطہ مسجد پر احاطہ مسجد کے لئے قائم کی گئی تھی اور بعد ازاں اس میں در بنائے گئے تو البتہ یہ دیوار دیوار مسجد ہوسکتی ہے لیکن اس صورت میں بھی شرعاً یہ اَمر ضروری ہوگا کہ اس کے در بند کئے جاویں اور اس کو سہ دری کی دیوار نہ قرار دی جاوے کہ جو خارج از مسجد ہے۔ بالجملہ حضرت غور فرماویں یہ کسی طرح معقول نہیں ہے کہ یہ دیوار جزو مسجد ہے اور درحقیقت یہ اکابر کی غلطی نہیں ہے انہوں نے اس دیوار کو خارج خیال فرما کر اس پر کڑیاں رکھی ہیں اور یہ خیال ان کا صحیح تھا کہ یہ دیوار خارج مسجد ہے کیونکہ خارجی سہ دری کی دیوار ہے اس پر سائبان کا ڈالنا ہی غلطی ہے۔ دوسرا مقدمہ جو تحریر فرمایا اس میں کلام کی چنداں ضرورت نہیں اور نہ اس سے اشکال رفع ہوسکے۔ فقط والسلام (تاریخ نہ تھی)

معروض احقر بجواب مکتوب دوم

(بعد آداب والقاب کے) دیوار کو جو میں نے جزو مسجد لکھا وہ اس بناء پر کہ وہ فرش مسجد پر بنی ہوئی ہے جیسا حدود متقابلہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے گو بعد میں بنائی

گئی۔ چنانچہ ایک بار میں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی یہی شبہ پیش کیا تھا کہ صورت مسجد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوار حدود مسجد کے اندر داخل ہے پھر خارج مسجد کی کڑیاں اس پر کیسے رکھی گئی ہوں گی۔

حضرت نے فرمایا ہاں اب غور سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کسی کو بھی خیال نہیں ہوا۔ اس ارشاد سے وہ خیال دل میں متمکن ہوگیا تھا پس اگر اس بناء پر یہ دیوار جزو مسجد ہو تو کڑیوں کا اس پر رکھا جانا پرانی غلطی ہوگی جس کو میں نے عریضۂ سابقہ میں عرض کیا تھا مگر اس صورت میں سائبان مسجد کا رکھا جانا کچھ بھی حرج نہ ہوگا اور اگر اس سے قطع نظر کر کے دیوار کو خارج مسجد کہا جاوے (بناء علیٰ القرائن المذکورۃ فی المکتوب السامی) تو اس وقت پھر سائبان کا بہ مصلحت مسجد اس پر رکھا جانا اور اور بھی سہل ہوگا۔ کیونکہ غیر مسجد کو مسجد کے لئے مشغول کرنے میں کوئی وجہ منع کی نہیں معلوم ہوتی اور کڑیوں کا رکھا جانا بھی غلطی نہ ہوگی۔ البتہ اس تقدیر پر صرف یہ اشکال باقی رہے گا کہ جو دیوار جزو مسجد نہیں ہے اس کو فرش مسجد پر بنانے سے غیر مسجد کے ساتھ مسجد کو مشغول کیا جس کا احداث گزشتہ غلطی ہے اور ابقاء حالی غلطی ہے تو اس کی تلافی میرے خیال میں یہ آتی ہے کہ اس وقت سب اہل محلہ مل کر اس دیوار کو مسجد کا جزو قرار دے دیں اور سہ دری کی کڑیوں کے لئے ایک گاڈر شرقی و غربی دیوار پر رکھ دیا جاوے کیونکہ دیوار کے ہدم میں وقف کا حرج عظیم ہے۔ اسی طرح در بند کر کے سہ دری کی تعطیل میں بھی یہی اضرار بالوقف ہے۔ والسلام (۶/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ)

مکتوب سوم بجواب معروض مذکور

مکرم و محترم مصدر مکارم دام فضلکم ..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

گرامی نامہ موجب برکت ہوا۔ کئی روز تک تو یہ خیال رہا کہ مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کروں یا نہ کروں مبادا تکرار موجب بار ہو۔ بالآخر یہ خیال ہوا کہ اپنا خیال ایک دفعہ اور عرض کر دوں۔ اس وقت مجھ کو دو امر عرض کرنے ہیں۔ ایک تو دیوار کے متعلق

کہ مسجد ہے یا نہیں۔ دوسرے سائبان کے متعلق کہ اگر دیوار کو دیوار مسجد قرار دیا جاوے تو سائبان اس پر ڈالنا جائز ہے یا ناجائز۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دیوار کے متعلق جو تذکرہ ہوا اس سے اتنا معلوم ہوا کہ بظاہر دیوار بعد میں فرش مسجد پر بنائی گئی ہے جس کا اس وقت کسی کو بھی خیال نہیں ہوا اور اب بظاہر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ مسجد پر خارجی دیوار کا بنانا قدیم غلطی ہے پس واقعی سہ دری کی دیوار جب مسجد پر بنائی گئی تو وہ بوجہ اس کے کہ خارجی سہ دری کی دیوار ہے مسجد پر اس کا ہونا ناجائز تھا تو صرف کڑیوں کا اس پر رکھا جانا یہ پرانی غلطی نہیں بلکہ غلطی تو یہ ہوئی کہ خارجی دیوار مسجد پر بنائی گئی۔ اب یہ بات کہ اگر اس دیوار کو اہل محلہ متفق ہو کر مسجد میں داخل کرنا چاہیں تو جزو مسجد ہو سکتی ہے یا نہیں مجھ کو اس پر شرح صدر نہیں ہوا مگر ہاں اس قدر خیال ضرور ہے کہ محض گارڈر ڈال کر اور کڑیوں کو اس پر ٹھہرا کر جدا کر دینے سے داخل مسجد نہ ہو سکے گی تاوقتیکہ اس دیوار کا اتصال تربیع جو دونوں جانبوں شرق وغرب (غرب میں تو اس کی اس لئے حاجت نہیں کہ اس جانب اتصال مسجد ہی سے ہے البتہ شرق میں جدید دیوار سے اتصال اس کا حادث ہو گیا جیسا کہ حاشیہ مکتوب دوم میں مذکور ہے۔۱۲ منہ) میں ہے وہ غیر مسجد سے منفصل نہ ہو جاوے۔ ہاں اگر گارڈر ڈال کر کڑیاں اس پر رکھ دی جائیں اور اتصال تربیع بھی منفک کر دیا جائے تو اس وقت کیا عجب ہے کہ وہ دیوار باتفاق اہل محلہ دیوار مسجد قرار پا سکے۔ اب رہی دوسری بات کہ جب یہ دیوار دیوار مسجد ہو جاوے تو اس پر سائبان ڈالنا جائز ہو گا یا نہیں۔ میرے نزدیک سائبان ڈالنا اس وقت بھی جائز نہ ہو گا کیونکہ عرفاً سائبان محض دیوار کیلئے نہیں ڈالا جاتا نہ تابع دیوار ہوتا ہے بلکہ تابع مجموعہ مکان ہوتا ہے جس مکان پر سائبان ڈالا جاتا ہے۔

پس صورت موجودہ میں سائبان سہ دری کا تابع ہے نہ کہ دیوارِ مسجد کا۔ لہٰذا ناجائز ہونا چاہئے اور اگر منفعت پر نظر کی جائے تو بہ نسبت منفعت مسجد منفعت سہ دری اقویٰ

اوراہم ہے کیونکہ سہ دری کے بیٹھنے والوں کی بھی راحت مدنظر ہے اور مسجد کے نمازی بچوں کی بھی راحت کا خیال ہے لیکن اس غرض کے حصول میں مقصود اہم جماعت یعنی توسط امام کی مخالفت لازم آتی ہے لہٰذا یہ مقصود بھی اس قابل ہے کہ ملحوظ نظر نہ ہو۔ اور اصل یہ ہے کہ اغراض کو اس میں دخل نہیں کیونکہ مسجد کو غیر مسجد کے استعمال میں لانا کو کسی غرض مسجد ہی کے لئے ہو جائز نہیں ہے۔ فقط والسلام خیر ختام (تاریخ نہ تھی)

معروض احقر بجواب مکتوب سوم

(بعد القاب وآداب) والا نامہ نے مشرف فرمایا اظہارِ حق کا تکرار حاشا وکلا کہ قلب پر بار ہو۔ اور بحمد اللہ مجھ کو تو عادت ہے کہ جب کسی اَمر کا حق ہونا واضح ہو جاتا ہے پھر اپنی رائے پر اصرار نہیں ہوتا۔ سواَب تک اس کا انتظار ہے جو نہیں ہوا اور مجھ کو بھی تکرار فی الجواب خلاف اَدب معلوم ہوتا ہے مگر تحقیق نے اس پر جری کیا۔ قبل سائبان بننے کے تو وجدان سامی کو بجائے دلیل سمجھ کر اس کا اتباع کرتا مگر مجھ تک اس مضمون کا زبانی پیام صرف بدیں عنوان پہنچا کہ خارج مسجد کا پانی مسجد میں لینے کا محذور لازم آوے گا۔ چونکہ یہ بناء مقصود تھی کیونکہ سائبان کہ جس کا پانی مسجد میں گرتا مسجد کا جزو بنایا جاتا تھا سو اس کا پانی مسجد ہی کا پانی تھا اس لئے وہ بنالیا گیا اب بعد بننے کے اس کی تفکیک میں خود شبہ تصرف فی المسجد بالہدم والخراب کی وجہ سے عدم جواز کا احتمال ہو گیا سو اس احتمال کے رفع کے لئے نہایت صریح دلیل کی جو کافی شافی ہو ضرورت ہے جو اَب تک نہیں ملی دیوار کے متعلق جو کچھ میں نے عرض کیا تھا وہ محض تبرعاً تھا جس کے لکھنے کی اصل وجہ تو استفسار گرامی کا جواب تھا اور ساتھ ہی یہ خیال بھی شامل ہو گیا تھا کہ اس کی بھی تحقیق ہو جاوے گی شاید کوئی صورت اس پرانی غلطی کی اصلاح کی نکل آئے۔ باقی نفس مسئلہ واقعہ میں اس کو کوئی دخل نہیں اور سائبان کا جواز اس پر موقوف نہیں کیونکہ اگر وہ جزو مسجد نہ ہو تو اس کو مسجد کے کام میں لانا بدرجہ اَولیٰ جائز ہو گا جیسا کہ عریضہ سابقہ (یعنی مکتوب دوم کے جواب میں بقولہ اور اگر اس سے قطع نظر کر

کے الی قولہ اور بھی سہل ہوگا۔۱۲ منہ) میں عرض کیا ہے۔

اور ظاہر بھی ہے کہ اگر مسجد میں شامیانہ کھڑا کیا جاوے اور اس کی طنابیں محلہ کے مکان میں باندھ دی جاویں تو بلاشبہ درست ہے یا فناء مسجد کی کسی عمارت میں باندھ دی جاویں تو اس کا جواز اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے اس لئے دیوار کے قصہ کو چھوڑ کر نفس مسئلہ کے متعلق عرض کرتا ہوں سو عرفاً اس کا تابع سہ دری ہونا اور تابع بہ حکم متبوع ہونا ہے سو میرے خیال میں اس عرف کی مزاحم نیت بانی کی ہوسکتی ہے اس کی نظیر یہ کہ اگر کوئی بانی مسجد فرش مسجد کے حصہ اخیرہ کو یہ سمجھ کر (کہ لوگ یہاں وضو کریں گے اور مسجد میں غسالہ کا گرانا جائز نہیں) مسجد سے خارج رکھنے کی نیت کرلے اور امتیاز کے لئے ہیئت تعمیر کی بھی کچھ بدل دے تو یقیناً جائز ہے اور مساجد قدیمہ میں وضو کرنے کی یہ تاویل ہو بھی سکتی ہے ورنہ عامۂ مسلمین کا بے حرمتی مساجد میں مبتلاء ہونا لازم آتا ہے حالانکہ حساً وصورۃً وحصہ تابع مسجد بلکہ جزو مسجد ہے اور تابع بحکم متبوع ہوتا ہے تو چاہئے کہ اس وضع عرفی کے اعتبار سے اس کو جزو مسجد کہہ کر اس پر وضو کو جائز نہ کہا جاوے پس حکم جواز سے صاف ثابت ہوا کہ نیت بانی کی اس عرف کی مزاحم ہوجاوے گی پس یہاں بھی بانی ظلہ نے اس کو سہ دری کا جزو بنانے کی نیت نہیں کی اور یہ امر کی منفعت جالسین سہ دری کو بھی ہوگی سو گو وقوعاً ایسا ہوگا مگر میرے نزدیک یہاں بھی اس وقوع پر نیت کو رجحان ہوگا اور نیت ہے منفعت مسجد کی۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ تقلیل نزو (نمی) کے لئے غرس اشجار کو مسجد میں جائز کہا گیا ہے اور دوسری اغراض کے لئے ناجائز حالانکہ وقوعاً دوسری اغراض بھی متحقق ہوں گی۔ رہا منفعت سہ دری کا اقویٰ اور اہم ہونا سو اس کا اندازہ پورا پورا حالت سابقہ کے تجربہ پر موقوف ہے کہ بچوں کو زیادہ تکلیف تھی یا جالسین سہ دری کو تو واقعہ سہ دری والوں کو کچھ بھی تکلیف نہ تھی، دھوپ تو وہاں آتی ہی نہ تھی برسات میں کبھی کبھی بوچھاڑ آتی تھی تو سالہا سال سے اس کے لئے پردوں کا کافی انتظام چلا آتا تھا اور میں نے ہمیشہ سے التزام کر رکھا ہے کہ مصالح سہ دری کے

لئے جو چیز بنی اس کے دام اپنے پاس سے دیتا ہوں چنانچہ پردے اور فرش یہ سب میرے ہی داموں کے ہیں اور اسی لئے باوجود ہزاروں روپیہ مسجد و مدرسہ میں صرف ہو جانے کے سہ دری میں کبھی لپائی نہیں کرائی باوجود ضرورت کے۔ پس اگر سائبان میں مصالح سہ دری کا قصد ہوتا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس سے بناتا بلکہ اس سائبان سے سہ دری میں روشنی کسی قدر کم ہو جانے سے بعض لکھنے (اور کبھی مجھ کو بھی سہ دری سے باہر بیٹھ کر لکھنا پڑھنا پڑا۔ ۱۲ منہ) پڑھنے والوں کو ان کے کام میں ایک گونہ تکلف ہو گیا اسی لئے بناء کے قبل سہ دری کے مصالح کا وسوسہ بھی نہیں بلکہ میں نے تو ان مصالح کے مشورہ پیش کئے جانے کے وقت تصریحاً ان کو رَد کر دیا کیونکہ بعض نے پیش بھی کیا تھا۔ البتہ اوّل مصلحت ذہن میں یہ آئی تھی کہ اس کے مقابل ﴿ (یہ سہ دری مسجد سے فصل پر ہے۔ ۱۲ منہ)....... **تنبیہ**: گو پھر اس معروض کا جواب نہیں آیا۔ مگر اس جواب نہ آنے کو حجت نہ سمجھا جاوے کیونکہ اس کا سبب کوئی عارض بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً وہی اَمر جو کہ مکتوب سوم کے شروع میں مذکور ہے۔ اس لئے اب بھی ضرورت ہے کہ اس باب میں اہل علم سے مزید تحقیق کر لی جاوے جیسا کہ تمہید میں عرض کیا گیا۔ فقط (ترجیح ثانی ص۱۸۲ تا ۱۹۰) ﴾ شمالی سہ دری کے سائبان کے بعد اگر یہ سائبان نہ ہوا تو تقابل کی خوش نمائی جاتی رہے گی لیکن اس کے ساتھ ہی اس مصلحت کو ناکافی سمجھ کر تردّد تھا کہ اس کے بعد یہ مصلحت ذکر کی اس کو البتہ معتد بہ مصلحت سمجھ کر کام جاری کر دیا۔ رہا توسیط امام کی مخالفت تو عذر حر و مطر میں عفو ہو سکتا ہے خصوص غیر مکلفین کے لئے اس کی نظیر یہ ہے کہ صلوٰۃ خلف الصف منفرداً مکروہ ہے مگر اب فقہاء نے احتمال تجاذب عوام کے سبب اجازت دی ہے کہ اوّل صف میں سے کسی کو نہ کھینچے تنہا کھڑا ہو جائے تو اس عذر کو رافع کراہت قرار دیا۔ رہا یہ کہ مسجد کو غیر مسجد کے استعمال میں لانا گو کسی غرض مسجد کے لئے ہو جائز نہیں واقعی اگر ایسا قصداً کرے تو یہ حکم سمجھ میں آتا ہے لیکن اگر اس کا قصد نہ ہو گو کوئی خاص نفع حاصل ہو جاوے تو اس صورت میں اس کا عدم

جواز سمجھ میں نہیں آتا اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص مسجد کی پشت پر مکان بناوے اور وہ جانب شرق میں اس لئے اپنی دیوار نہ بناوے کہ مسجد کی دیوار غربی پردہ کے لئے کافی ہے تو کیا اس کو ناجائز کہا جائے گا حالانکہ مسجد کا جز و غیر مسجد کے کام میں آیا۔

یا اگر ایسے ہی مکان کی دیوار شرقی بھی ہو لیکن ذرہ پست ہو کے کہ محلے کے بعض ایسے مکانات کی چھت سے سامنا ہوتا ہو جن میں اور اس مکان میں مسجد مذکور حائل ہو اور فرض کیا جاوے کہ بہ مصلحت راحت نمازیان اس مسجد کی چھت اُونچی کرنے کی رائے قرار پاوے اور اس وجہ سے دیواریں بھی اُونچی کرنے کی ضرورت پڑے اور پھر اس اُونچائی کے بعد اس مکان کا پورا پورا پردہ ہو جاوے اور پھر اس کی دیوار اُونچی نہ کرنی پڑے اور اتفاق سے وہ مکان والا ہی اس مسجد کا بھی متولی ہو تو کیا اس کو یہ جائز نہ ہوگا کہ اس مسجد کے اُونچی کرنے پر کفایت کرے اور اپنی دیوار کو اُونچا نہ کرے حالانکہ یہاں خود اپنی دیوار کو بھی اُونچا کرے مکان کو اس منفعت دیوار مسجد کے اثر سے بچا سکتا ہے مگر پھر بھی تنگی نہیں کی جاوے گی اور صورت واقعہ میں تو کوئی ایسی تدبیر بھی نہیں کہ سہ دری کو اس سائبان کے اثر سے بچایا جا سکے تو ایسے تعذر میں تو بدرجۂ اولیٰ تنگی نہ ہوگی۔ والسلام خیر ختام۔ (۱۲رذیقعدہ ۱۳۳۱ھ)

تمت المکاتبة

دابُ المساجد علیٰ آدابِ المساجد

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ، راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منھا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

رسالہ ''آداب المساجد'' مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے طبع ثانی کے وقت حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اس میں جو عبارت بڑھائی ہے یہ اس کا لقب ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سوال: بعد الحمد و الصلوٰۃ آداب المساجد ایک رسالہ ہے مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی سلمہٗ کا اس کے طبع مکرر کے وقت مولوی صاحب نے رسالہ کے بعض مقامات پر نشان بنا کر مجھ سے نظر ثانی کی استدعا فرمائی، ان مقامات پر میں نے جو لکھا ہے اس کا نام داب المساجد (**بمعنی الشان کما فی القاموس با بدال الھمزۃ کما قرأہ السوسی**) رکھ دیا اوّل مقام کے عنوان کا حوالہ دے کر قولہ سے رسالہ کی نشان کردہ عبارت نقل کی گئی اور جہاں کچھ استفساری عبارت تھی اس کے بعد وہ لکھ دی پھر اقول سے اپنا مشورہ لکھ دیا اور دو مقام پر بلا درخواست کچھ مضمون ضروری سمجھ کر لکھ دیا اور اسی زمانہ میں دو سوال دوسری جگہ سے آ گئے تھے اس کا جواب بھی بمناسبت رسالہ بطور ضمیمہ کے اس کے ساتھ ملحق کر دیا **وباللّٰہ الا ستعانۃ و الیہ الا لتجاء والاستکانۃ۔** کتبہ اشرف علی (۱۳؍رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ)

عنوان: ان کاموں کا بیان جو مسجد میں ناجائز یا مکروہ ہیں۔

قولہ مسئلہ: کسی مصیبت کی وجہ سے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے۔(اشباہ)

اقول: فقہاء کے اقوال سے اس باب میں جو احقر سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ طاعت کی تو مطلقاً مسجد میں اجازت ہے الالعارض اور معصیت کی مطلقاً ممانعت ہے خواہ خاص اس طاعت و معصیت ہی کی نیت سے مسجد میں گیا ہو خواہ پہلے سے مسجد میں موجود ہو اور اتفاقاً اس طاعت و معصیت کا صدور ہو گیا ہو اور جو اَمر نہ طاعت ہو نہ معصیت بلکہ مباح ہو اس کے لئے خاص مسجد میں جانا تو مکروہ ہے اور اگر پہلے سے مسجد میں حاضر

ہے اور اتفاقاً اس مباح کی حاجت پیش آ گئی یا حاجت پہلے سے پیش آئی لیکن اس کی نیت سے مسجد میں نہیں گیا بلکہ کسی طاعت کے لئے گیا اور وہاں اس مباح میں بھی اشتغال ہو گیا تو بشرط عدم اکثار جائز ہے۔ پس اس مسئلہ کا محل وہ صورت ہے کہ خاص اسی غرض سے مسجد میں جا کر بیٹھا کہ اہل تعزیت آ کر مجھ کو میت کی تعزیت دیں گے اور بعض روایات میں جو ایسے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں تشریف رکھنا منقول ہے اس کا محمل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نشر احکام و فصل خصومات کے لئے مسجد میں تشریف رکھنے کا معمول پہلے سے تھا اس روز بھی اسی غرض سے بیٹھے۔ چونکہ وہی جگہ بیٹھنے کی تھی اہل تعزیت وہاں ہی حاضر ہوتے رہے۔

قولہ مسئلہ: مسجد میں عقد نکاح مستحب ہے۔

استفسار: موجودہ زمانہ میں شور و شغب کی وجہ سے منع کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

اقول: لعب حبشہ بالحراب سے زیادہ اس میں عادۃً شور و شغب نہیں ہوتا۔ اس عارض کا وہاں اعتبار نہیں کیا گیا تو یہاں کیوں کیا جاوے البتہ جس مندوب مطلوب میں ایسا مفسدہ محتمل ہو وہاں خود مفسدہ کا انسداد کر دینا ضروری ہے بخلاف ایسے اَمر مباح یا مندوب کے جو خود شرعاً مطلوب نہ ہو وہاں خود اس مندوب و مباح ہی کو روکیں گے اور مطلوبیت نکاح فی المساجد کی خود منقول ہے۔

قولہ مسئلہ: اگر جنازہ مسجد سے باہر ہو اور جماعت مسجد کے اندر پڑھی جاوے تو یہ بھی مکروہ ہے لیکن بہ ضرورت کیا جاوے تو جائز ہے۔

استفسار: یہ فتویٰ علیٰ احد القولین عند الضرورت قابل غور ہے تصویب یا تردید تحریر فرمائی جاوے۔ اقول: قواعد سے بحالت عذر اس پر عمل جائز معلوم ہوتا ہے۔ کما فی ردالمحتار انما تکرہ فی المسجد بلا عذر فان کان فلا الی قولہ و اذا ضاق الامر اتسع (قلت و ھذا ھو مرادی بالقاعدۃ)....(ج ا ص ۹۲۶)

قولہ مسئلہ: مسجد میں ذکر جہر کرنا اور آواز سے تلاوت قرآن کرنا وغیرہ سب ناجائز ہیں۔ (خلاصۃ الفتاویٰ) الیٰ قولہ ناجائز فرمایا ہے۔

اقول: اس میں اقوال بہت مختلف ہیں فیصلہ وہ ہے جو شامی نے حاشیہ حموی سے

امام شعرانی کا قول نقل کیا ہے:

اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا ان یشوش جهرهم علی نائم او مصل او قاری الخ (ج۱،ص۲۹۱)

اس فیصلہ سے سب اقوال جمع ہو جاتے ہیں اور جنہوں نے علی الاطلاق منع کیا ہے غالب یہ ہے کہ سد باب کے طور پر ہے یہ تو کلام ہے خصوصیت مسجد کے اعتبار سے اور ایک کلام نفس جہر بالذکر اور انصات القراءۃ القرآن میں ہے اس میں ارجح یہ ہے کہ اگر جہر مفرط نہ ہو تو جائز ہے اور وجوب انصات خارج صلوٰۃ اس وقت ہے جب قرأت تبلیغ کے لئے ہو اور اس میں قرآن کی بھی تخصیص نہیں مطلق تذکیر کا بھی یہی حکم ہے۔ واللہ اعلم

قوله مسئله: اگر مسجد کی چھت یا دیوار میں چمگادڑ یا کوئی جانور گھونسلہ بنائے تو اس کا گرا دینا جائز ہے لیکن مسجد کے علاوہ اور جگہ میں نہ گرایا جاوے۔ کیونکہ حدیث میں ہے: **اقروا الطیر علی مکناتها الخ**

اقول: اس حدیث سے استدلال مشکل ہے۔ اس میں دوسرے محمل کا بھی احتمال ہے وہ یہ کہ جاہلیت میں پرندے کو اُڑا کر دیکھتے تھے کس سمت کو گیا اور اس سے شگون لیتے تھے۔ آپ نے اس سے منع فرمایا باقی گھونسلوں کا گرانا ظاہراً اگر کسی جانور کے رہنے سے مکان گندہ ہوتا ہو اس کا گرا دینا جائز معلوم ہوتا ہے البتہ اگر ان کے بچوں کے زمانہ میں کچھ انتظار کرے تو اقرب الی الترحم ہے۔ **و هذا زدته و لم یستفسر منی**

عنوان: مساجد کے چند مخصوص احکام۔

قوله مسئله: فاحشہ عورت نے اگر اپنی حرام آمدنی سے مسجد بنا دی تو وہ مسجد نہیں ہے اور نہ اس کو اس کا کوئی ثواب ہوگا۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ)

اقول: اس میں دو حکم ہیں ایک ثواب نہ ملنا اس کی دلیل تو نص حدیث ہے۔ **ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب او کما قال۔** دوسرا حکم اس کا مسجد نہ ہونا۔ اس میں دلیل کی حاجت ہے صرف مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ کا قول حجت نہیں۔ مسجد کے احکام میں مسجد کا ہونا مسئلہ فقہیہ ہے۔ سو کتب فقہ میں تحقق مسجدیت کے لئے مال کا حلال ہونا کہیں مذکور نہیں جیسے کوئی شخص بہ نیت ریاء وقف کرے تو گو وہ مقبول نہ ہو بلکہ

خوف معصیت ہے لیکن وقف صحیح ہو جاتا ہے اسی طرح یہ مسجد گو مقبول نہ ہو۔ بلکہ خوف معصیت ہے لیکن احکام میں مسجد ہو جاوے گی مثلاً اس کی بیع جائز نہیں اس میں حائض وجنب کا داخل ہونا جائز نہیں۔ اس میں بول وتغوط درست نہیں۔

اب صرف یہ سوال باقی ہے کہ اس کو کیا کیا جاوے سو اس کا حکم کہیں منقول نظر سے نہیں گذرا لیکن قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بند کر کے محفوظ کر دیا جاوے نہ اس میں نماز پڑھیں نہ اس کی بے حرمتی کریں البتہ اگر زمین حلال ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے اور صرف ملبہ حرام ہے تو بجائے اس کے دوسرے ملبہ سے اس کی تعمیر کرا دینا جواز انتفاع کے لئے کافی ہو جاوے گا اور ایسی مسجد مذکور کی جو کہ حرام مال سے بنائی ہوئی ہے۔ ایسی مثال ہے جیسے نعوذ باللہ کوئی شخص ناپاک سیاہی سے قرآن مجید لکھ لے اس میں نہ تلاوت جائز ہے اور نہ اس کی بے ادبی جائز ہے بلکہ دفن کر دیا جاوے باقی مسئلہ نازک ہے دوسرے علماء سے بھی اس میں نظر کرالی جاوے۔

قولہ مسئلہ: اگر کوئی مسجد ایسی بنائی جاوے کہ نیچے دکانیں یا تہ خانہ وغیرہ بنا کرالی آخر المسئلة التی تلیها۔

اقول: اس باب میں بعد تتبع وتفحص بالغ روایات فقہیہ کے جو میں سمجھا ہوں وہ معروض ہے.............(نمبر ۱)....ماخذ اس مسئلہ کا بیت المقدس کے سرادیپ ہیں جن پر خیر القرون میں کسی نے نکیر نہیں کی اس سے سمجھا گیا کہ مصالح مسجد کے لئے دوسرا درجہ جو بناء میں مسجد کے تابع ہو مشروع ہے۔

(نمبر ۲)...یہ حکم تعبدی نہیں بلکہ باشتراک علت تبعیت قیاساً متعدی ہو سکتا ہے۔

(نمبر ۳)...اگر مصالح ویسے ہی ہوں جو سرادیپ مذکورہ سے متعلق ہیں اور تبعیت کی وہی ہیئت ہو جو ان سرادیپ میں ہے تب تو قیاس جلی ہے اور اگر مصالح دوسری قسم کے ہوں جیسے وقف لاستغلال المسجد یا ہیئت تبعیت دوسرے طور کی ہو جیسے مسجد کا علو پر ہونا یا مسجد پر علو کا ہونا اس کا الحاق خفی ہے چنانچہ بہت روز تک مجھ کو اس میں تردد رہا۔ لیکن شامی نے کتاب الوقف میں اسعاف سے ایک عبارت نقل کی ہے اذ کان السرداب او العلو لمصالح المسجد او کان وقفا علیه صار مسجدا آھ

شرنبلالیۃ اس میں او کان وقفا علیہ کا عطف کان لمصالح المسجد پر ہے اس سے ظاہر ہے کہ استغلال للمسجد کا حکم بھی یہی ہے خواہ اس کا نام مصالح مسجد رکھا جاوے خواہ فی حکم مصالح المسجد رکھا جاوے بہرحال حکم مشترک ہے اور ہدایہ میں ہے:

"وروی الحسن عنه (ای عن ابی حنیفة) انه قال اذا جعل السفل مسجدا و علٰی ظهره مسكن فهو مسجد و عن محمد عكس هذا (ای جعل العلو مسجدا يصح ۱۲ ب) و عن ابی يوسف انه جوز فی الوجهين و عن محمد رحمة اللّٰه عليه انه حين دخل الریّ اجاز ذلك كله لما قلنا(من الضرورة) ملخصاً"

اس سے ظاہر ہے کہ سب ہیئتیں تبعیت کی مقیس علیہ کے ساتھ ملحق ہیں۔

(نمبر۴)... یہ الحاق بالقیاس بضرورت ہے چنانچہ ہدایہ کی مذکورۂ عبارت میں ضرورت کا بناء الحاق ہونا مصرح ہے۔

(نمبر۵)...اس دوسرے درجہ کی بناء مشروط ہے اس کے ساتھ کہ مسجد کی مسجدیت کے قبل بانی نیت اس بناء کی ہو اور بعد تمامیت مسجد کے اب کوئی تصرف جائز نہیں۔

(نمبر۶)...فقہاء نے جو مسجد کو عنان السماء و تحت الثریٰ تک مسجد کہا ہے یہ مقید ہے اس صورت کے ساتھ جبکہ بناء مسجد کے وقت دوسرے درجہ فوقانی یا تحتانی کے بنانے کی نیت نہ ہو۔

(نمبر۷)... ونبهت عليه لغفلة كثير من الناس عن حتّٰى المنسوبين الی العلم۔ ان سب احکام میں فناء مسجد بھی یعنی حصہ متعلقہ مسجد مسجد ہی کے حکم میں ہے۔ فی البحر الرائق فی المجتبیٰ. لا يجوز لقيم المسجد ان يبنی حوانيت فی حد المسجد او فنائه۔ (ج۵ ص۲۶۹) از تتمۂ ثانیہ امداد الفتاویٰ ص۹۱ قلت لعل وجهه ان فيه مخالفة نية الواقف۔

عنوان: مسجد ضرار کی تعریف اور اس کا حکم۔ قولہ مسجد ضرار اصل میں وہ مسجد تھی الیٰ قولہ مسجد ضرار کے مشابہ ہوگی۔

اقول: ماشاء اللہ مؤلف سلمہ نے اس تعبیر میں کہ مسجد ضرار کے مشابہ ہوگی نہایت

احتیاط کا استعمال کیا ہے ورنہ اکثر اہل جرأت ایسی مسجد کو جس کی بناء ریاء یا مراء پر ہو مسجد ضرار ہی کہہ دیتے ہیں جس سے ایہام ہوتا ہے کہ وہ مسجد ہی نہیں جیسے مسجد ضرار مسجد ہی نہ تھی اور ایہام ہوتا ہے کہ اس کا ہدم یا بے حرمتی بھی جائز ہے جیسے مسجد ضرار کے ساتھ یہی عمل کیا گیا تو مشابہ لفظ بڑھا کر ان سب محذورات کو دفع کر دیا یعنی انتفاء ثواب وفساد غرض میں اس کے مشابہ ہے نہ کہ انتفاء مسجدیت میں بھی۔ کیونکہ منافقین کی تو نیت ہی مسجد بنانے کی نہ تھی تلبیس وتدسیس کے لئے اس کا نام مسجد رکھ دیا تھا اور مسلمان خواہ کسی غرض سے مسجد بناوے نیت اس کی مسجد ہی بنانے کی ہوتی ہے اس لئے اس کے سب احکام مثل صحت صلوٰۃ ووجوب احترام وغیرہما مسجد کے ہوں گے پس عدم قبول میں اس کے لئے حکم وہی ہوگا جیسا ابھی مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کا مذکور ہوا البتہ اتنا تفاوت ہوگا کہ اس کی اصلاح کی کوئی صورت ہی نہیں اور اس کی اصلاح توبہ سے ہو سکتی ہے یعنی بعد توبہ کے وہ بناء مقبول بھی ہو جاوے گی۔ وھذا ایضاً زدتہ و لم یستفسر منی

عنوان: عیدگاہ کا حکم۔ قولہ اکثر احکام میں عیدگاہ کا حکم مسجد کے خلاف ہے مثلاً غسل کی حاجت والا آدمی اور حیض ونفاس والی عورت اس میں داخل ہو سکتی ہے۔

اقول: اس کے خلاف کوئی قول نظر سے نہیں گزرا پس یہ حکم صحیح ہے البتہ اس کی بھی تنظیف وتطییب کا اہتمام رکھنا اولیٰ ہے اور یہی محمل ہے۔

حدیث امر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان تبنی المساجد فی الدورو ان تطیب و تطهر او کما قال اذا ارید بالدار ما یسکنون فیها لا المحلة لان مسجد المحلة مسجد حقیقی.

اور اگر اصل مسئلہ پر کسی کو مخالفت حدیث کا شبہ ہو کہ یعتزلن الحیض المصلی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس اعتزال کی وجہ سے حرمت دخول مصلی نہیں بلکہ قطع صف مصلیات بالتخلل بینہن ہے خوب سمجھ لو۔

(۱۳؍رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ)....(تتمۂ خامس ص ۵۸۵)

سد الغلط والمفاسد فی حکم اللغط عند المساجد

حضرت حکیمُ الامّت مُجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العُلوم القرآنیۃ، واقف الاُسرار الفرقانیۃ
رئیس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاُسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

ہندو مسلم فسادات عام طور پر اس وجہ سے شروع ہوتے تھے کہ ہندو مساجد کے قریب گانا بجانا شروع کر دیتے تھے۔ پھر حمیت دین کی بناء پر مسلمان ان کو منع کرتے تھے، اس پر لڑائی شروع ہو جاتی تھی۔ ان فسادات کے بارے میں بعض حضرات نے حضرت رحمہ اللہ سے سوال کیا۔

حضرت رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے خون خرابہ کو روکنے کیلئے اس کا تفصیلی جواب تحریر فرمایا کہ ایسے وقت میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: یہاں کے ایسوسی ایشن کے چند مقتدر لیڈروں کی طرف سے ایک استفسار خدمت عالیہ میں روانہ ہے اُمید ہے کہ جناب رائے گرامی سے مطلع فرما کر ممنون فرماویں...... جناب پر روشن ہے کہ آئے دن مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان مساجد کے سامنے باجہ بجانے کے متعلق کس قدر کشت وخون ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ بمبئی کے خونی ہنگامہ سے یہاں کے ایسوسی ایشن کے چند لیڈر بہت متاثر ہوئے اور اب وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے معزز علماء عوام کو سمجھاویں کہ ان باتوں پر لڑنا خواہ مخواہ کے جانی ومالی نقصانات کا شکار ہونا ہے؟

الجواب: اس میں تو کچھ شک ہی نہیں کہ گانا بجانا مطلقاً اور مسجد کے قریب خصوصاً فی نفسہ امر منکر ہے واجب الانسداد ہے جزو اول کی دلیل نصوص عامہ ہیں۔ اور جزو ثانی کی دلیل یہ آیت ہے **وما کان صلاتهم عندالبیت الامکاء وتصدیة الخ (انفال) فی روح المعانی مکاء ای صغیر او تصدیة ای تصفیقا وهو ضرب الید بالید بحیث یسمع له صوت. یروی انهم کانوا اذا اراد النبی صلی الله علیه واله وسلم ان یصلی یخلطون علیه بالصغیر و التصفیق الی قوله والماثور عن ابن عباس و جمع من السلف ما ذکرناه الخ ملخصاً.** اور ظاہر ہے کہ سیٹی بجانا اور تالی بجانا ڈھول وغیرہ بجانے اور مجمع کے مل کر گانے سے بدرجہا اہون اورادون ہے۔

جب اخف واہون پر نکیر کیا گیا تو اثقل واشد پر تو بدرجہ اولیٰ نکیر ہوگا۔ اگر چہ اُس میں بجز تلہی وتلعب کے اور کوئی غرض ونیۃ فاسد معارض مقاصد اسلامیہ کے بھی نہ ہو **لا طلاق النصوص وللزوم التخلیط و التشویش علی المصلین فی فعلها عند المساجد** اور بعلت تلہی مطلقا اور بعلت تخلیط و تلبیس خصوصاً مسلمانوں کو بھی

اس سے روکا جائے گا گو اُس میں کوئی اور غرض فاسد بھی نہ ہو اور اگر کوئی غرض فاسد بھی منافی مقاصد اسلام کے ہو جیسے مشرکین مکہ کی نیت تھی یعنی اہانت واستخفاف اسلام و اغاظت اہل اسلام اور جیسے اب بھی بعض مقامات پر قرائن قویہ سے کفار کی ایسی ہی اغراض معلوم ہوتی ہیں تو اس حالت میں اس فعل کی شناعت اور بڑھ جائے گی۔

حتیٰ کہ ایسے اُمور سے جن کا اثر اس قسم کا ہو ذمیوں کو بھی باوجود اس کے کہ اُن کے ساتھ قانون اسلامی میں بہت رواداری برتی جاتی ہے روکا جاتا ہے اگرچہ وہ اثر اس کی نیت میں بھی نہ ہو منع کیلئے لزوم کافی ہے التزام شرط نہیں چنانچہ اہل ذمہ کے احکام میں سے یہ بھی ہے **الاحق ان لا یترکوا ان یرکبوا الاللضرورۃ واذا رکبوا للضرورۃ فلینزلوا فی جامع المسلمین وفی نسخۃ فی مجامع المسلمین (ھدایہ فصل فیما ینبغی الذمی)** اور یہ فعل مبحوث عنہ تو اعزاز و تنویہ کفر واستخفاف واخماد اسلام میں اُس سے بھی اشد ہے تو اُس سے کیوں نہ روکا جائے گا لیکن یہ سب وجوب منع وغیرہ اُس وقت ہے جب منع پر قدرت ہو خواہ بلا واسطہ جیسے اسلامی حکومت کی حالت ہوتی ہے خواہ بواسطہ جیسے اسلامی حکومت نہ ہونے کی حالت میں حاکم وقت سے استعانت کی صورت میں ہوتی ہے اور قدرت سے مراد قدرت حسیہ نہیں۔ بلکہ قدرت شرعیہ ہے یعنی جس کا شریعت نے احکام میں اعتبار کیا ہے اور وہ قدرت وہ ہے کہ اُس کے استعمال کے بعد کوئی ضرر ایسا لاحق نہ ہو جو نا قابل تحمل ہو نہ وجوباً یا استحباباً مامور بہ ہو دلیل اس کی یہ حدیث ہے۔

من رای منکم منکر افلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ الحدیث ظاہر ہے اگر قدرت حسیہ مراد ہوتی تو ید سے اکثر حالات میں اور لسان سے جمیع حالات میں استطاعت حاصل ہے پھر فان لم یستطع کے کیا معنے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ عدم استطاعت کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے استعمال سے کوئی ایسا ضرر لاحق ہو جائے جو نہ قابل تحمل ہو اور نہ وجوباً یا استحباباً مامور بہ ہو کما ذکر۔

اسی قدرت کی دو قسمیں ہیں جو مذکور ہوئیں ایک بلاواسطہ ایک بواسطہ اور اگر دونوں قسموں میں سے ایک قسم کی بھی قدرت نہ ہو تو وجوب تو یقیناً ساقط ہے باقی جواز سو فقہاء نے اباحۃ جہاد میں یہ شرط بھی لگائی ہے ان یرجو الشوكة والقوة باجتهاده او باجتهاد من يعتقد فى اجتهاده او رأيه وان كان لا يرجو القوة والشوكة للمسلمين فى القتال فانه لا يحل له القتال لما فيه من القاء نفسه فى التهلكة اھ (الباب الاول من كتاب السير من العالمگیریه. اسی طرح دوسری روایت ہے قال محمد لا باس بان يحمل الرجل وحده على المشركين وان كان غالب رأيه انه يقتل اذا كان فى غالب رايه انه ينكى فيهم نكاية بقتل اوجرح او هزيمة وان كان غالب رايه انه لاينكى فيهم اصلالا يقتل ولا يجرح ولا هزيمة و يقتل هو فانه لا يباح له ان يحمل وحده اھ (الباب السابع عشر كتاب الكراهية من العالمگیریة) اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت ایسے منکرات کے روکنے کی قدرت مسلمانوں کو بلاواسطہ تو حاصل نہیں پس اگر حاکم سے مدد حاصل ہو جاوے ایسا کریں ورنہ صبر کریں باقی جن کو یہ تفصیل معلوم نہ ہو اور وہ مقابلہ و مقاتلہ میں ہلاک ہو جائیں تو وہ معذور اور گناہ سے بری ہیں۔ كما فى كتاب الاكراه السلطان اذا اخذر جلا وقال لاقتلنک اولتشربن هذا الخمر او تأكل هذه الميتة اولتا كلن لحم هذا الخنزير كان فى سعة من تناوله بل يفترض عليه التناول اذا كان فى غالب رأية انه لو لم يتناول يقتل فان لم يتناول حتى قتل كان اثما فى ظاهر الرواية عن اصحابنا و ذكر شيخ الاسلام انه اثم ما خوذ فيه الا ان يكون جاهلا بالا باحة حالة الضرورة فلم شاول حتى قتل يرجى ان يكون فى سعة من ذلک فاما اذا كان عالما بالا باحة كان ماخوذا كذا قال محمد رحمة الله عليه

(الباب الثانى من كتاب الاكراه من العالمگیریة) ۲۴ شعبان ۵۵ ہجری

اِستحبابُ الدّعواتِ عقیبُ الصّلواتِ

حضرت حکیمُ الاُمت مُجدد المِلت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العُلوم القرآنیۃ، واقف الاُسرار الفرقانیۃ،
الفریٖن مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاُسرار الخفی منجا والجلی اعنی بہ
مولانا محمّد اشرف علی التّھانوی
نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

یہ رسالہ مفتی مالکیہ شیخ محمد علی مکی رحمہ اللہ کے رسالہ ''مسلک السادات'' سے انتخاب وتلخیص کر کے تالیف فرمایا ہے جس میں نماز کے بعد دُعا کی تحقیق اور بالخصوص دُعا کا مستحب ہونا ہر منفرد امام اور جماعت کے لیے احادیث معتبرہ اور مذاہب اربعہ کی روایات فقہیہ سے ثابت فرمایا ہے تاکہ بے باک لوگوں کی زبان بند ہو جو دُعا بعد نماز پر بدعت ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔

اِسْتِحبَاب الدّعواتِ عَقِیب الصَّلوات

رسالہ دربارۂ دُعاء بعد الصلوٰۃ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده و نصلى على رسوله الكريم، و بعد فهذا بعض من اجزاء كتاب مسلک السادات الى سبيل الدعوات ، الذى الفه الفاضل الشيخ محمد على بن المرحوم الشيخ حسين مفتى المالكية بمكة المحمية سابقا فى تحقيق احكا م الدعاء عموما واستحبابه اثر الصلوات للفذو لائمة المساجد والجماعات خصوصا فى عام الالف والثلاث مائة والاحدى والعشرين من الهجرة كما صرح فى اخر الكتاب لخصتها منه سدًا لنكير بعض المتهورين و حكمهم بالبدعة عليه والقبتها باستحباب الدعوات، عقيب الصلوات نفع الله تعالىٰ بها المسلمين وجعلها الى ذخر اليوم الدين و انا اشرف على التهانوى عفى عنه وحررتها فى اوائل رجب الاصم سنہ ۱۳۵۴ھ من الهجرة النبوية على صاحبها الف الف سلام وتحية.

دعاء ونیاز بعد انواع نماز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی۔

امابعد...... یہ رسالہ ترجمہ ہے رسالہ استحباب الدعوات عقیب الصلٰوت کا جس کو بقیۃ السلف حجۃ الخلف ایۃ من ایات اللہ من الذین اذا رؤ ذکر اللّٰہ مجدد الملۃ حکیم الامۃ سیدی و سندی کھفی و معتمدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی متعنا اللّٰہ تعالٰی سائر المسلمین بطول بقائہ بالخیر نے مفتی مالکیہ علامہ شیخ محمد علی مکی کے رسالہ ''مسلک السادات'' سے انتخاب و تلخیص کر کے تالیف فرمایا ہے مکرمی مولوی محمد شفیع صاحب دیو بندی نے حسب ایماء حضرت والا اس کا اُردو ترجمہ نفع عوام کے لئے لکھ دیا ترجمہ میں بغرض سہولت عوام تحت اللفظ کی رعایت چھوڑ کر خلاصۂ مطلب لیا گیا ہے۔حق تعالٰی اس کو بھی مسلمانوں کے لئے مفید اور سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔واللّٰہ ولی التوفیق و ھو حسبی و نعم الوکیل۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ یہ رسالہ کتاب ''مسلک السادات الی سبیل الدعوات'' کا خلاصہ ہے جس کو علامہ فاضل شیخ محمد علی بن شیخ حسین مرحوم مفتی مالکیہ مقیم مکہ مکرمہ نے ۱۳۲۱ھ میں تالیف فرمایا ہے اور اس میں عموماً احکام دعا کی تحقیق اور بالخصوص دُعا کا مستحب ہونا ہر منفرد اور امام اور جماعت کے لئے (احادیث معتبرہ اور مذاہب اربعہ کی روایات فقہیہ سے) ثابت فرمایا ہے میں نے اس رسالہ کا خلاصہ لکھ دیا تاکہ ان بے باک لوگوں کی زبان بند ہو جو دُعاء بعد نماز پر بدعت ہونے کا حکم کرتے ہیں

اوراس تلخیص کا نام ''استحباب الدعوات عقیب الصلوات'' رکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے نفع دے اور میرے لئے اس کو روز قیامت کے واسطے ذخیرہ بنادے اور میرا نام اشرف علی تھانوی ہے اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور میں نے یہ رسالہ اوائل رجب ۱۳۵۴ھ میں تحریر کیا ہے و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہٖ و اصحابہ اجمعین الف الف سلام و تحیۃ۔

الجزء الاوّل

روی الحافظ ابوبکر احمد بن اسحق المعروف بابن السنی فی کتابه عمل الیوم واللّیلة (حدثنا) احمد بن الحسن (حدثنا) ابو اسحاق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی(حدثنا) عبدالعزیز بن عبدالرحمن القرشی (عن) خصیف (عن) اَنس رضی اللّٰه عنه ان النبی قال ما من عبد یبسط کفیه فی دبر کل صلٰوة یقول اللهم الهی و اله ابراهیم و اسحاق و یعقوب واله جبرئیل و میکائیل و اسرافیل اسألک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر و تعصمنی فی دینی فانی مبتلی و تنالنی برحمتک فانی مذنب و تنفی عن الفقر فانی متمکسن الا کان حقا علی اللّٰه ان لا یرد یدیه خائبتین و فی اسناده عبدالعزیز بن عبدالرحمن فیه مقال و صرح فی میزان الاعتدال و غیره بانه حدیث ضعیف لکنه یعمل به فی الفضائل کما عرفت و یقویه ما اخرجه الحافظ ابوبکر بن ابی شیبة فی مصنفه عن الاسود العامری عن ابیه قال صلیت مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیه و دعا، الحدیث ولا یخفی ان ائمة الحدیث ذکروا ان روایة الضعیف مع الضعیف توجب الا رتفاع من درجة السقوط الی درجة الاعتبار وقال الحافظ السیوطی

فی فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء اخرج ابن ابی شیبة قال حدثنا محمد یحیٰ الاسلمی قال رایت عبداللّٰہ بن الزبیر و رای رجلا رافعا یدیه یدعو قبل ان یفرغ من صلاته فلما فرغ منها قال له ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلوته رجاله ثقات اھ۔ ھکذا فی الاصل ۱۲.

افاده العلامة السیدمحمد بن عبدالرحمٰن بن سلیمان یحی بن عمر بن مقبول الاھدل الزبیدی رحمة اللّٰہ علیه و فی المعیار اخرج عبدالرزاق عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ای الدعاء اسمع ای اقرب الی الاجابة قال شطراللیل الاخیر وادبار المکتوبة و صححه عبدالحق و ابن القطان و ذکر الامام المحدث ابوالربیع فی کتاب مصباح الظلام عن النبی علیه الصلوٰۃ والسلام انه قال من کانت له الی اللّٰہ حاجة فلیسأ لهادبر صلاۃ مکتوبة اھ۔

الجزء الثانی

(۲) وروی ابن السنی ایضا عن ابی امامة ما دنوت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی دبر صلاۃ مکتوبة ولا تطوع الا سمعته یقول اللھم اغفرلی ذنوبی و خطایای کلھا اللھم انعشنی و اجبرنی واھدنی لصالح الاعمال والاخلاق انه لا یھدی لصالحھا ولا یصرف سیئھا الا انت وروی النسائی وغیره اللھم اصلح لی دینی الذی جعلته لی عصمة واصلح لی دنیای التی جعلت فیھا معاشی اعوذ برضاک من سخطک واعوذ بعفوک من نقمتک واعوذبک منک لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجدمنک الجد، وابوداؤد اذا انصرف من المغرف فقل اللھم اجرنی من النار سبع مرات اذا

اقلت ذلک ثم مت من لیلتک کتب لک جواز منها واذا اصلیت الصبح فقل کذلک ان مت من یومک کتب لک جواز منها.

ف: قال الجامع و حدیث النسائی اخرجه فی کتاب الصلوة باب نوع اخر من الدعاء عند الانصراف من الصلوة وتمامه عن عطا بن مروان عن ابیه ان کعبا حلف له بالله الذی فلق البحر لموسی انا لنجد فی التوراة ان داؤد نبی الله صلی الله علیه وسلم کان اذا انصرف من صلوته قال اللهم اصلح لی دینی الذی جعلته لی عصمة واصلح لی دنیای التی جعلت فیها معاشی اللهم انی اعوذ برضاک من سخطک واعوذ بعفوک من نقمتک واعوذ بک منک لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد قال وحدثنی کعب ان صهیبا حدثه ان محمد صلی الله علیه وسلم کان یقولهن عند انصرافه من صلاته قال الجامع واخرج الحاکم فی باب الدعاء بعد الصلوة عن معاذ بن جبل رضی الله انه قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اخذ بیدی یوما ثم قال یا معاذ والله انی لا حبک فقال معاز بابی انت وامی یا رسول الله صلی الله علیه وسلم وانا والله احبک فقال اوصیک یا معاذ لا تدعن فی دبر کل صلٰوة ان تقول اللهم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک قال و واوصی بذلک معاذ الصنابحی واوصی الصنابحی ابا عبدالرحمن الحبلی واوصی ابو عبدالرحمن عقبة بن مسلم هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه (وقال الذهبی فی التلخیص علی شرطهما)

(مستدرک ص ۲۷۳ ج ۱)

تحقیق: اس کا مضائقہ نہیں مگر طریق اس کا دعا ہے نہ کہ سعی واکتساب۔ (النور ص 406)

نماز میں حضور قلبی نہ ہونے کا علاج

حال: نماز میں حضور قلبی کچھ جاتا رہا ہے خدا جانے کیا بات ہے اصلاح کی ضرورت ہے۔
تحقیق: تدبیر کا استعمال اختیار میں ہے اگر ثمرہ نہ ہو کچھ ضرر نہیں۔ (النور ص 406)

تمنائے استحضار تام حق تعالیٰ

حال: شروع میں حدیث النفس کا بہت غلبہ رہا جس سے بہت الجھن رہتی تھی بلکہ یاس ہو چلی تھی مگر الحمد للہ اب قدرے کمی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ سکون قلب میسر ہوتا جاتا ہو۔ احقر کو اس کی ہمیشہ تمنا رہتی ہے کہ حق تعالیٰ کا استحضار تام ہر وقت میسر رہے اور اس کی جس حد تک زنی مطلوب ہو اس حد تک پہنچ جائے۔ اس کے فقدان یا کمی سے قلب متوحش رہتا ہے اور جب بزعم خود ذرا بھی میسر ہوا بس تسلی اور راحت قلب نصیب ہوجاتی ہے۔ آیا اس کیفیت کا منتظر یا کوشاں رہنا تو کیفیات غیر مقصودہ کے درپے ہونے کی قبیل سے نہیں ہے۔
تحقیق: نفس کیفیت تو مقصود ہے اور اختیاری بھی ہے مگر اس میں مبالغہ غیر مقصود ہے اور غیر اختیاری ہے۔ پس اول کیلئے سرسری توجہ کافی ہے سو کیجئے اور ثانی کیلئے کاوش نہ کیجئے اس تقریر سے امید ہے کہ سب اجزاء سوال کے حل ہوگئے۔ (النور ص 408)

حال: غرض احقر کی دلی آرزو ہے کہ ہر وقت حق تعالیٰ کے ساتھ قلب کو ایک قرب خاص حاصل رہے اور اس کی یاد کسی وقت کسی حال میں دور بلکہ مضمحل تک نہ ہو اور حلاوت ایمان قلب کو نصیب ہوجائے اور جملہ رذائل نفس سے نجات حاصل ہو۔
تحقیق: ہاں آرزو کے درجہ میں یہ مطلوب ہے اور اس کا طریقہ دعا ہے دعا کیا کیجئے۔

حال: اللہ تعالیٰ حضور کی دعا وتوجہ کی برکت سے اس چلہ میں جملہ مرادات حسنہ برلائے

بے عنایات حق وخاصان حق　　　　مگر ملک باشد سیہ ہستش ورق

الحمد للہ اب امید ہو چلی ہے کہ انشاء اللہ کثرت کلام سے نفرت حاصل ہوجائے دعا فرمائیں۔ تحقیق۔ ہاں دل وجان سے۔ (النور ص 409)

العلماء لائمة المساجد والجماعات الدعاء عقيب الصلوات المكتوبة جهر اللحاضرين فيجتمع لهذا الامام التقدم و شرف كونه نصب نفسه واسطة بين الله تعالى وعباده في تحصيل مصالحهم على يديه في الدعاء فيوشک ان تعظم نفسه و يفسد قلبه ويعصى ربه في هذه الحالة اكثر مما يطيعه. ف. قال الجامع الكراهة لوجود العارض الغير الغالب لا ينفى الإباحة اذا انعدم العارض.

الجزء الرابع

(۴) وقد اكثر الناس في هذه المسئلة اعنى دعاء الامام عقب الصلاة و تامين الحاضرين على دعائه و حاصل ما انفصل عنه الإمام ابن عرفه والغبريني ان ذلک ان كان على نية انه من سنن الصلاة و فضائلها فهو غير جائز وان كان مع السلامة من ذلک فهو باق على حكم اصل الدعاء والدعاء عبادة شرعية فضلها من الشرعية معلوم عظمه.

الجزء الخامس

(۵) واما نصوص الشافعية ففي فتح المعين مع المتن وسُن ذكر و دعاء سرا عقبها اى الصلاة اى يسن الاسرار بهما لمنفرد ومأموم وامام لم يرد تعليم الحاضرين ولا تامينهم لدعائه بسماعه اهـ و في شرح العباب لابن حجر وفتاويه الكبرى و يسن للمصلى اذا كان منفرداً مأ موماً كما في المجموع عن النص بعد السلام عن الصلوٰة اكثار ذكر الله تعالى والدعاء سرا للاحبار الصحيحة لكن قال الاسنوى الحق انه يسن للامام ان يختصر في الذكر والدعاء بحضرة المامون فاذا انصرفوا طول.

الجزء السادس

(٦) بعد قوله واما نص الحنابلة باسطر فيوخذ من محموع ذلك ان الدعاء اثر الصلوات مسنون عند الحابلة لانه من ساعات الاجابة كما دلت عليه الاحاديث المارة بل قال الشيخ منصور بن ادريس الحنبلى فى شرح الاقناع مع المتن يسن ذكرالله والدعاء والاستغفار عقب الصلوٰة المكتوبة الى ان قال ويدعو الامام بعد فجر و عصر لحضور الملٰئكة فيهما فيؤمنون على الدعاناً فيكون اقرب للاجابة وكذا يدعو بعد غيرهما من الصلوٰة لان من اوقات الاجابة ادبار المكتوبات ويبدأ الدعاء بالحمد لله والثناء عليه ويختم به ويصلى على النبى صلى الله عليه وسلم اوله واٰخره ووسطه.

ويستقبل الداعى غير الامام هنا القبلة لان خير المجالس ما استقبل به القبلة ويكره للامام استقبال القبلة بل بستقبل المامومين لما تقدم انه ينحرف اليهم اذا سلم ويلح الداعى فى الدعاء ويكرره ثلاثا لانه نوع من الالحاح والدعاء سرا افضل منه جهر القوله تعالیٰ ادعوار بكم تضرعا و خفيةة لانه اقرب الى الاخلاصس قال سيكره رفع الصوت به فى الصلاة وغيرها الالحاج فان رفع الصوت له افضل لحديث افضل الحج العج والثج اهـ المراد والظاهر انهم لا يكرهون الجهر بالدعاء لقصد التعليم والتامين فتدبر.

الجزء السابع

(٧) واما نص الاحناف ففى شرح نور الايضاح للشيخ حسن الشرنبلانبى الحنفى مع المتن يستحب للامام بعده اى بعد التطوع

وعقب الفرض ان لم يكن بعده نافلة ان يستقبل الناس ان شاء وان لم يكن في مقابله مصل لما في الصحيحين كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا صلى اقبل علينا بوجهه وان شاء الامام انحرف عن يساره وجعل القبلة عن يمينه وان شاء انحرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره وهذا اولى لما في مسلم كذا ، اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم احببنا ان نكون عن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه وان ذهب لحوائجه قال تعالى فاذا قضيت الصلوة فانتشر وافى الارض وابتغوا من فضل الله والامر لاباحة الى قوله رافعي ايديهم حذاء الصدور وبطونها ممايلى الوجه بخشوع وسكون الخ.

الجزء الثامن

(۸) فتحصل من هذا كله ان الدعاء دبر الصلوات مسنون و مشروع في المذاهب الاربعة لم ينكره الا ناعق مجنون قد ضل في سبيل هواه ووسوس له الشيطان فاغواه.

الجزء التاسع

(۹) فيما يتعلق برفع اليدين عند الدعاء قال السيد محمد بن عبدالرحمن الاهدل اعلم و فقنى الله واياك لمرضاته ان رفع اليدين في الدعاء اى دعاء كان في اى وقت كان بعد الصلوات الخمس وغيرها دلت عليه الاحاديث خصوصا وعموماً فمن العموم مااخرجه ابو داؤد والترمذى حسنه وابن ماجه وابن حبان في صحيحه والحاكم وقال صحيح على شرط الشيخين من حديث سلمان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله حيى كريم يستحيى اذا رفع الرجل اليه يديه ان يردهما صفرا خائبتين واخرج الحاكم وقال صحيح

السناد من حديث انس رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله رحيم كريم يستحيى من عبدن يرفع اليه يديه لم لا يضع فيهما خيرا و اخراج احمد وابو داؤد من حديث مالك بن يسار قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اذا سالتم اللّٰه فاسالوه ببطون اكفكم ولاتسالوه بظهورها واخرج ايضا من حديث ابن عباس نحوه وزاد فيه فاذا فرغتم فامسحوا بها وجوهكم و اخرج الترمذى من حديث عمر بن الخطاب رضى اللّٰه عنه قال كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اذا رفع يديه فى الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه وقال فى فتح البارى فى كتاب الدعوات فى باب رفع اليدين فى الدعاء و قد وردت الاخبار فى مشروعية الرفع وقد اخرج ابوداؤد والترمذى وحسنه و غيرهما من حديث سلمان رفعه ان ربكم حيى كريم يستحى من عبده اذا رفع يديه ان يردهما صفر ابكسر المهملة و سكون الفاء اى خالية و سنده جيد اھ و من الخصوص مامر فى الفصل الاوّل.

ف : (۱) قال جامع اى من اصل الكتاب و هو ما سابق فى الجزء الاوّل من هذا الا نتخاب.

ف: (۲) قال الجامع اما استحباب رفع الايدى للدعاء على كل حال فمراده اذا قراء الفاظ الدعاء و بنية الدعاء و طلب الحاجة كما هو داب الداعى واما اذا ذكر بعض الادعية الماثورة بنية الذكر والاستنان بسنة النبى صلى اللّٰه عليه وسلم كما فى ادعية الصباح والمسأ والنوم واليقظة و دخول الخلاء والخروج عنه ودخول المسجد والخروج عنه والدعاء عند الوضوء والقيام من المجلس و

دخول السوق و امثال ذلک علی ما بسطه علماء هذا الفن کما فی عمل الیوم واللیلة لابن السنی والاذکار للنووی والحصن الحصین و غیرها فلم یسمع بمن قال بسنیة رفع الیدین فی هذه المواضع و لم یسمع فی السلف والخلف بمن یفعل ذلک کیف و لو کان کذلک لرأیت الناس فی عامة احیانهم واحوالهم رافعی ایدیهم وهذا الفرق فی ذکر الفاظ الادعیة قدرعاه الفقهاء حق الرعایة حیث قالوا فی الجنب انه لا یجوز له قرائة الادعیة اذا کان بنیة التلاوة و اما اذا ذکرها بنیة الدعاء فیجوز کما فی عامة کتب الحنفیة انتهی۔

الجزء العاشر

(۱۰) فی حکم رفع الیدین علی المذاهب الاربعة ، اما عند المالکیة ففی عتبیة قال مالک رأیت عامر بن عبداللّٰه یرفع یدیه و هو جالس بعدالصلاة یدعو فقیل لمالک اتری بهذا بأسا قال لا اری به بأسا ولا یرفعهما جداو قال ایضا رفع الیدین الی اللّٰه تعالٰی عند الرغبة علی وجه الاستکانة والطلب محمود. وقال القاضی ابو محمد ابن العربی اختلفوا فی الرفع الی این یکون فقیل الی الصدر وقیل الی الوجه وجاء عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انه کان یرفع یدیه فی الدعاء حتی یبدو بیاض ابطه.

الجزء الحادی عشر

(۱۱) و اما عند الشافعیة ففی فتح المبین علی الاربعین لابن حجر ورفع الیدین فی الدعاء سنة فی غیر الصلوٰة و فیها فی القنوت اتباعاله صلی اللّٰه علیه وسلم.

الجزء الثانی عشر

(۱۲) واما عند الاحناف فقد مرعن الشرنبلالی طلب رفعهما فی الدعاء دبر الصلوٰة حذاء الصدر و بطونهما مما یلی الوجه بخشوع و سکون۔

ف: قال الجامع و سبق ما عن الشرنبلالی فی الجزء السادس۔

الجزء الثالث عشر

(۱۳) و اما عند الحنابلة فمقتضی قول الشیخ البهوتی فی شرح المقنع فی باب الاستسقاء و یرفع یدیه استحبابا فی الدعاء لقول اَنس کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لا یرفع یدیه فی شیٔ من دعائه الا فی الاستسقاء و کان یرفع حتی یری بیاض ابطه متفق علیه و ظهورهما نحو السماٗ لحدیث رواه مسلم اھ۔ ان رفعهما مکروه فی غیر الاستسقاء لکن مرعنه رفعهما فی القنوت بل قال الشیخ منصوربن ادریس الحنبلی فی شرح الاقناع مع المتن و من اداب الدعاء بسط یدیه ورفعهما الی صدره لحدیث مالک بن یسار مرفوعاً اذا سألتم اللّٰه فاسئلوه ببطون اکفکم ولا تسألوها بظهورها رواه ابو داؤد باسناد حسن و تکون یده (هکذا فی الاصل والظاهر یداه ۱۲) مضموتین لما روی الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اذا دعا ضم کفیه وجعل بطونهما یلی وجهه و ضعفه فی المواهب.

الجزء الرابع عشر

(۱۴) فیما یتعلق بمسح الوجه بالیدین بعد الدعاء قدمر ما یدل علی طلبه من الاحادیث واما حکمه علی المذاهب الا ربعة فعند المالکیة قال فی المعیار قال ابن زرقون ورد الخبر بمسح الوجه بالیدین عند انقضاء

الدعاء واتصل به عمل الناس والعلماء وقال ابن رشد انکر مالک مسح الوجه بالکفین لکونه لم یرد به اثر وانما اخذ من فعله الصلوٰة والسلام للحدیث الذی جاء عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قلت قال بجواز مسح الوجه بالیدین عند ختم الدعاء الامام الاستاذ ابو سعید بن لب وابو عبدالله ابن علاق و ابوالقاسم بن سراج من متاخری ائمة غرناطة وابن عرفة البرزلی والعنبر ینی من ائمة تونس والسید ابو یحییٰ الشریف و ابو الفضل العقبانی من ائمة تلمسان و علیه مضی عمل ائمة فارس اھ۔ والمراد بالحدیث الذی جاء عن عمر رضی الله عنه ما اخرجه الترمذی عنه قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا رفع یدیه فی الدعاء لم یحطهما حتی یمسح بهما وجهه اھ۔ نقل ذلک النمارزی وغیره کذا فی شرح الشیخ محمد بن ابی القاسم المالکی علی نظمه للمسائل التی جری بها عمل الائمة قال الشیخ ابوالقاسم البرزلی وهذا یرد انکار عزالدین بن عبدالسلام المسح اھ۔ وعند الشافعیة والاحناف انه سنة فی کل دعاء الا فی القنوت کما فی کتبهم، و مر عن الحنابلة انه سنة فی کل دعاء حتی فی القنوت وقد عده ابن حجر فی شرح العباب کما مر من آداب الدعاء وقال قال الحلیمی والمعنی فیه التفاؤل بان کفیه قد ملئتا خیراً فیفیض منه علی وجهه والله اعلم.

ف: قال الجامع و هذا القول من مسح الوجه فی القنوت مذکور فی اصل الکتاب فی اخر المطلب الثانی من الفصل الاوّل تحت عنوان نص الحنابلة بهذه العبارة و فیه ایضاً فی مبحث صلوٰة الوتر ویقنت فیها ای فی الثالثة الی قوله ویمسح و جهه بیدیه اذا فرغ من دعائه هنا و خارج الصلوٰة اھ۔

اُردو ترجمہ

پہلا جز

(۱)...(امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد) ابن سنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''عمل الیوم واللیلۃ'' میں اسناد مندرجہ متن کے ساتھ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی اللہ کا بندہ ہر نماز کے بعد ہاتھ پھیلا کر یہ دُعا مانگتا ہے تو حق تعالیٰ اپنے ذمہ لازم کر لیتے ہیں کہ اس کے ہاتھوں کو محروم کر کے نہ لوٹائیں (بلکہ اس کی دُعا قبول فرماتے ہیں اور ترجمہ دُعا کا یہ ہے) یا اللہ! اے میرے معبود اور حضرت ابراہیم واسحٰق ویعقوب کے معبود اور جبرئیل ومیکائیل واسرافیل کے معبود میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری دُعا قبول فرما اس لئے کہ میں مضطر (مجبور) ہوں اور دین کے معاملہ میں میری حفاظت فرما کیونکہ مبتلاء معاصی ہوں اور مجھے اپنی رحمت کے اندر لے لیجئے کیونکہ میں گناہگار ہوں اور مجھ سے فقر ومحتاجی کو دُور کر دیجئے کیونکہ میں مسکین ہوں اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی عبدالعزیز عبدالرحمٰن بھی ہیں جن کے بارے میں علماء کو کلام (اختلاف) ہے اور میزان الاعتدال وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاوے گا جیسا کہ ہر اہل علم جانتا ہے اور اس حدیث کی تقویت اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں بروایت اسود عامری عن ابیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو جانب قبلہ سے ہٹ کر دونوں ہاتھ اُٹھائے اور دُعا کی (آگے دُعا وہی ذکر کی ہے جو اُوپر والی حدیث میں گزری) اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ائمہ حدیث نے ذکر فرمایا ہے کہ ایک ضعیف روایت کے ساتھ جب دوسری ضعیف روایت (اس کی مؤید) مل جاتی

ہے تو وہ ساقط وغیرہ معتبر ہونے کی درجہ سے ترقی کر کے درجۂ اعتبار و اعتماد پر پہنچ جاتی ہے اور حافظ (جلال الدین) سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء میں بحوالہ ابن ابی شیبہ محمد یحییٰ اسلمی سے نقل کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کو اس طرح دیکھا کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگ رہا ہے جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک نماز سے فارغ نہ ہو جاتے تھے دُعا کے لئے ہاتھ نہ اُٹھاتے اور سب راوی اس روایت کے ثقہ ہیں اھ۔

یہ تحقیق علامہ سید محمد عبدالرحمٰن بن سلیمان بن یحییٰ بن عمر بن مقبول اہدل زبیدی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے اور کتاب المعیار میں ہے کہ (امام حدیث) عبدالرزاق نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کہ کون سی دُعا زیادہ سُنی جاتی ہے (یعنی زیادہ قبولیت کے قریب ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری نصف رات کے وقت اور فرض نمازوں کے بعد اس حدیث کو محدث عبدالحق اور ابن قطان نے صحیح کہا ہے اور امام محدث ابوالربیع نے اپنی کتاب ''مصباح الظلام'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت مانگنا ہو وہ نماز فرض کے بعد مانگے اھ۔

جزو دوم

(۲)...امام ابن سنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں جب کبھی نماز فرض یا نفل کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوا تو ہمیشہ یہ دُعا کرتے ہوئے سنا کہ یا اللہ! میرے سب گناہ اور خطائیں معاف فرما دیجئے یا اللہ! مجھے بلند کیجئے اور میرا اجر نقصان کر دیجئے اور مجھے عمدہ اخلاق و اعمال کی طرف ہدایت فرمایئے کیونکہ اچھے اعمال و اخلاق کی طرف آپ کے سوا کوئی ہدایت نہیں کر سکتا اور نہ بُرے اعمال و اخلاق سے آپ کے سوا کوئی ہٹا سکتا ہے اور امام نسائی

(اصل رسالہ میں چونکہ نسائی کی حدیث ناتمام لکھی تھی جس کو تلخیص میں بعنوان فائدہ مکمل لکھا گیا ہے، اس لئے ترجمہ میں مکمل حدیث کا ترجمہ لیا گیا ہے، پھر اصل رسالہ میں جس قدر جزو لیا ہے اس کے ترجمہ کی حاجت نہ رہی ۱۲ منہ) نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ قسم ہے اس اللہ کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا کو شق کر دیا تھا کہ ہم تورات میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ نبی اللہ حضرت داؤد علیہ السلام جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو یہ دُعا کرتے تھے اے اللہ میرے دین کو درست فرما دے جس کو آپ نے میرے لئے پناہ بنایا ہے اور میری دنیا کو درست کر دیجئے جس میں آپ کے عذاب سے آپ کی معافی کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اور میں آپ سے آپ ہی کے ساتھ پناہ لیتا ہوں جو کچھ آپ عطاء فرما دیں اور اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو آپ روکیں اس کو کوئی عطا کرنے والا نہیں اور آپ کے مقابلہ میں کسی کوشش کرنے والے کی کوشش نہیں چلتی، راوی کہتا ہے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز ختم کرنے کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے تھے، اور تلخیص رسالہ میں بضمن فائدہ مستدرک حاکم باب الدعا بعد الصلوٰۃ سے اس روایت کا بھی اضافہ کیا گیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اے معاذ اللہ کی قسم! میں تم سے محبت رکھتا ہوں، معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان اللہ کی قسم میں بھی آپ سے محبت رکھتا ہوں، پھر فرمایا: اے معاذ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد اس دُعا کو کبھی نہ چھوڑنا (دُعا یہ ہے) یا اللہ اپنے ذکر و شکر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔

راوی کہتا ہے کہ پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہی وصیت صنابحی کو فرمائی اور صنابحی نے ابوعبدالرحمٰن کو اور عبدالرحمٰن نے عقبہ بن مسلم کو حاکم نے اس حدیث کو علی شرط البخاری و مسلم صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے بھی تلخیص میں اس کو تسلیم کیا ہے (

تمت الفائدہ) اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جب تم مغرب کی نماز سے فارغ ہوتو سات مرتبہ یہ دُعا پڑھو یا اللہ مجھے آگ سے نجات دیجئے اگر تم نے یہ دُعا پڑھ لی اور پھر اسی رات میں تمہیں موت آگئی تو تمہارے لئے جہنم کی آگ سے نجات لکھ دی جاوے گی اور جب صبح کی نماز پڑھ چکو تب بھی یہی دُعا اسی طرح پڑھو اگر اس دن میں تمہیں موت آگئی تو تمہارے لئے جہنم سے نجات لکھ دی جاوے گی۔

تیسرا جزو

(۳)...خوب سمجھ لیجئے کہ مذاہب اربعہ (یعنی حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ) میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ (نماز کے بعد آہستہ دُعا مانگنا امام اور منفرد کے لئے مستحب ہے اور مالکیہ اور شافعیہ امام کے لئے اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ دُعا جہراً پڑھے تاکہ مقتدیوں کو تعلیم ہو یا وہ اس کی دعا پر آمین کہہ سکیں، مالکیہ کی روایات فقہیہ اس بارے میں یہ ہیں: (۱) معیار میں ہے کہ ابن عرفہ نے کہا ہے کہ علم اور دین میں جن ائمہ کی اقتداء کی جاتی ہے ان کا عمل اس پر رہا ہے کہ نماز ختم کرنے کے بعد ادعیۂ ماثورہ پڑھتے تھے اور میں نے کسی کو نہیں سنا جو اس سے انکار کرتا ہو بجز اس جاہل کے جس کا اتباع نہیں کیا جاسکتا اور اللہ تعالیٰ رحم فرمائے بعض علماء اُندلس پر کہ جب انہوں نے یہ سنا کہ بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں تو ایک رسالہ اس کی تردید میں تصنیف فرمایا اھ۔

اور (کتاب معیار کے) نوازل الصلوٰۃ میں مرقوم ہے ان اُمور میں سے جن کا ثبوت مثل ضروریات و بدیہیات کے ہے تمام اطراف دنیا میں ائمہ کرام کا یہ عمل بھی ہے کہ نمازوں کے بعد مساجد اور جماعات میں دُعا مانگتے تھے اور استصحاب حال ایک حجت شرعیہ ہے اور مشرق و مغرب میں تمام مسلمانوں کا اس پر قدیم زمانہ سے مجتمع اور متفق ہو جانا اور کسی کا انکار نہ کرنا اس عمل کے جائز اور اس کو اختیار کرنے کے مستحب و مستحسن ہونے اور علماء مذہب کے نزدیک اس کے مؤکد ہونے کے

دلائل میں سے ہے۔ انتہی باختصار، اور (۳) قاضی محمد ابن العربی فرماتے ہیں کہ دُعا بعد نماز فرض کے افضل ہے دعاء بعد النفل سے، اور (۴) اکمال میں ہے کہ عبدالحق نے ان مواضع کو جمع کیا ہے جن میں دُعا قبول ہوتی ہے ان میں سے ایک دُعا بعد نماز بھی ہے اور امام ابن عرفہ نے اس بارے میں کسی کا خلاف ہونے کا انکار فرمایا ہے اور کہا ہے کہ میں اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں سمجھتا ہوں کہ امام ابن عرفہ نے اگر اپنے قول میں کسی قسم کی کراہت نہ سمجھنے سے یہ مراد لی ہے کہ کسی متقدم بزرگ نے اس کو مکروہ نہیں کہا تو صحیح ہے اور اگر مطلقاً مکروہ نہ کہنا مراد ہے تو اس میں ایک تردّد ہے وہ یہ ہے کہ شیخ شہاب الدین قرافی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قواعد کے آخر میں کراہت ذکر کی ہے اور علت کراہت کی یہ بیان کی ہے کہ امام کے نفس میں اس کی وجہ سے تعاظم و تکبر پیدا ہوتا ہے انتہی۔

اور میں کہتا ہوں کہ مقتضاء اس کا یہ ہے کہ قرافی نے اس کو مطلقاً مکروہ کہا ہے خواہ سراً ہو یا جہراً حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ابوالحسن کے حاشیہ رسالہ میں یہ الفاظ ہیں قرافی کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور علماء کی ایک جماعت نے ائمہ مساجد و جماعات کے لئے فرض نمازوں کے بعد حاضرین کو سنانے کے لئے جہراً دُعا مانگنا مکروہ سمجھا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کے لئے دو چیزیں بڑائی اور سیادت کی جمع ہو جائیں گی بوجہ امامت کے سب سے آگے ہونا دوسرے یہ کہ اس نے آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان دعا میں ایک واسطہ بنا کر قائم کر دیا ہے تو عجب نہیں کہ اس کے نفس میں تکبر پیدا ہو جائے اور اس کا قلب فاسد ہو جاوے اور اس حالت میں حق تعالیٰ کی جتنی عبادت کر رہا ہے اس سے زیادہ گناہ میں مبتلا ہو جاوے۔ ف۔ حضرت جامع (رسالہ استحباب الدعوات میں) فرماتے ہیں کہ جو کراہت کسی ایسے عارض کی وجہ سے ہو کہ اس کا وجود اکثر اور غالب نہ ہو وہ کراہت عارض کے معدوم ہونے کے وقت اباحت فی نفسہ کی معارض و مخالف نہیں۔

چوتھا جزو

(۴)...لوگوں نے اس مسئلہ میں بہت بحث وگفتگو کی ہے یعنی نماز کے بعد امام کا دعا کرنا اور حاضرین کا اس پر آمین کہتے رہنا اور خلاصہ اس تحقیق کا جو امام ابن عرفہ اور عبرینی نے فرمائی ہے یہ ہے کہ ایسی دعا اگر اس نیت سے ہو کہ یہ نماز کی سنتوں اور مستحبات میں سے ایک سنت ومستحب ہے تب تو ناجائز ہے اور اگر اس عقیدہ سے سلامتی کے ساتھ (محض ایک دعا مستجاب ہونے کی حیثیت سے) ہے تو وہ اصل دُعا کے حکم میں ہے اور دعاء ایک عبادت شرعیہ ہے جس کی فضیلت نصوص شریعت سے معروف ومشہور ہے اھ۔ یہاں تک عدوی کا کلام ختم ہوا کسی قدر تصرف وزیادت کے ساتھ۔

پانچواں جزو

(۵)...اور مذہب شافعیہ کی روایات فقہیہ (اس مسئلہ میں) یہ ہیں فتح المعین اور اس کے متن میں ہے اور مسنون ہے ذکر اور دعاء بعد نماز کے آہستہ یعنی دعا کا آہستہ پڑھنا مسنون ہے منفرد کے لئے بھی اور امام اور مقتدی کے لئے بھی اور اس امام کے لئے بھی جو اس کا ارادہ نہ رکھے کہ حاضرین کو تعلیم ہو یا حاضرین اس کی دُعا سُن کر پھر آمین کہیں اھ۔ اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی شرح عباب میں اور ان کے فتاویٰ کبریٰ میں ہے مسنون ہے نمازی کے لئے جبکہ وہ منفرد یا مقتدی ہو (جیسا کہ کتاب مجموع میں بحوالہ نص مذکور ہے) یہ کہ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کثرت سے ذکر اللہ کرے اور پست آواز سے دُعا مانگے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے لیکن امام اسنوی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ امام کے لئے مسنون یہ ہے کہ مقتدیوں کے ساتھ ذکر ودُعا میں اختصار کرے جب کرے جب وہ چلے جائیں (یا منتشر ہو جائیں) پھر طویل ذکر ودُعاء کر سکتا ہے۔

چھٹا جزو

(۶)...اور مذہب حنابلہ کی روایات فقہیہ کے متعلق کچھ عبارات صاحب رسالہ نے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ان عبارات کے مجموعہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ دُعا

بعد تمام نمازوں کے حنابلہ کے نزدیک مسنون ہے اس لئے کہ یہ وقت ساعات اجابت میں سے ہے جیسا کہ احادیث مذکورہ اس پر دلالت کرتی ہیں بلکہ شیخ منصور ابن ادریس حنبلی نے شرح اقناع میں فرمایا ہے کہ مسنون ہے ذکر اللہ اور دعاء واستغفار بعد نماز فرض کے یہاں تک فرمایا اور دعا کرے امام بعد نماز فجر وعصر کیونکہ ان دونوں نمازوں میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں تو وہ اس کی دعا پر آمین کہیں گے جس سے وہ اقرب الی القبول ہو جاوے گی اور اسی طرح ان دونوں نمازوں کے علاوہ اور نمازوں میں دعا کرے کیونکہ اوقات اجابت میں سے ایک وقت فرض نمازوں کے بعد بھی ہے اور چاہئے کہ دُعا کو حمد وثناء سے شروع کرے اور اسی پر ختم کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے دُعا کے اوّل وآخر میں بھی اور وسط میں بھی اور سب دعا کرنے والے اس وقت قبلہ کی طرف کو منہ کریں علاوہ امام کے کیونکہ بہترین مجلس وہ ہے جس میں استقبال قبلہ ہو لیکن امام کے لئے استقبال قبلہ (بعد نماز کے) مکروہ ہے بلکہ وہ مقتدیوں کی طرف توجہ کر کے بیٹھے کیونکہ اُوپر گزر چکا ہے کہ امام کو بعد سلام کے مقتدیوں کی طرف پھر جانا چاہئے اور چاہئے کہ دعا کرنے والا دعا میں الحاح واصرار کرے اور دُعا کو تین مرتبہ مکرر کرے کیونکہ مکرر کرنا بھی صورت الحاح کی ہے اور دُعاء پست آواز سے بہ نسبت جہر کے افضل ہے۔

کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ادعوا ربکم تضرعا و خفیة یعنی اپنے رب کو پکارو الحاح وزاری کے ساتھ خفی آواز سے کیونکہ خفیہ اور سراً دُعا کرنا اخلاص کی طرف اقرب ہے فرمایا (یعنی شیخ منصور نے) اور دُعا میں جہر اور بلند آوازی نماز اور غیر نماز میں مکروہ ہے مگر حج کرنے والا اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کے لئے آواز بلند کرنا ہی افضل ہے بوجہ اس حدیث کے کہ افضل حج کا وہ ہے جس میں آوازیں دُعا وتلبیہ کی بلند ہوں اور خون (قربانیوں کے) بہائے جائیں اھ۔ مراد بظاہر یہ ہے کہ اگر دُعا کا جہر تعلیم حاضرین اور ان کے آمین کہنے کے قصد سے ہو تو علماء اس کو مکروہ نہیں کہتے۔

ساتواں جزو

(۷)... اور مذہب حنفیہ کی روایات فقہیہ یہ ہیں علامہ شرنبلالی کی شرح "نور الایضاح" اور اس کے متن میں ہے مستحب ہے امام کے لئے بعد نفل کے اور بعد فرض کے اگر بعد اس فرض کے کوئی نفل ہو یہ کہ اگر چاہے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے بشرطیکہ اس کے مواجہہ میں کوئی شخص نماز نہ پڑھ رہا ہو، کیونکہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ لیتے تھے تو ہماری طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور اگر چاہے تو امام یہ بھی کر سکتا ہے کہ اپنی بائیں جانب کی طرف پھر جائے اور قبلہ کو اپنی داہنی جانب کرے اور اگر چاہے تو اپنی داہنی جانب پھر جائے اور قبلہ کو اپنی بائیں جانب کرے اور یہ اخیر صورت اَولیٰ و بہتر ہے اس لئے کہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو یہ چاہتے تھے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب کھڑے ہوں تا کہ آپ کا چہرہ مبارک ہماری طرف ہو اور امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ بعد نماز کے نہ بیٹھے بلکہ اپنی حاجات کے لئے اُٹھ کھڑا ہو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب نماز پوری ہو جائے تو اطراف زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے رزق و روزی کو طلب کرو اور یہ حکم (منتشر ہو جانے کا) اباحت و جواز کے لئے ہے (الیٰ قولہ) دُعا کے وقت ہاتھ اُٹھائے ہوئے ہوں اپنے سینوں کے برابر اور ہاتھ کے اندرونی جانب یعنی ہتھیلی کی طرف اپنے چہرہ کی جانب ہو اور یہ تمام افعال خشوع و سکون کے ساتھ ہونے چاہئیں۔

آٹھواں جزو

(۸)... پس ان تمام احادیث اور عبارات مذاہب سے یہ حاصل ہوا کہ تمام نمازوں کے بعد دُعا کرنا چاروں مذہبوں میں مسنون و مشروع ہے اس کا انکار سوا اس جاہل مجنون کے کسی نے نہیں کیا جو اپنی ہوائے نفسانی کے راستہ میں گمراہ ہو گیا اور شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈال کر اس کو بہکا دیا (ترجمہ نظم) جاہل نے یہ سمجھ

لیا کہ محض اس کی عقل کسی وقت اس کو سیدھے راستہ کی ہدایت کر دے گی، اس کے اس گمان نے اسے گمراہ کر دیا یہاں تک کہ شریعت پر محض بہتان اور اپنی انتہائی بے وقوفی سے رد کرنے لگا، اے ہمارے پروردگار ہمیں اور ہمارے دین کو سلامت رکھ اور اپنے بندوں کو صحیح اور سیدھے راستہ کی ہدایت فرما۔

نواں جزو

(۹)...دُعا کے وقت ہاتھ اُٹھانے کے متعلق سید محمد ابن عبدالرحمٰن اہدل فرماتے ہیں سمجھ لو حق تعالیٰ مجھے اور تمہیں اپنی رضا کی توفیق عطاء فرمائے کہ دُعا کے وقت خواہ وہ کوئی دُعا ہو اور کسی وقت ہو نمازوں کے بعد ہو یا ان کے سواء دوسرے اوقات میں ہاتھ اُٹھانے پر احادیث نبویہ دلالت کرتی ہیں خاص خاص اوقات کے لئے بھی اور عام اوقات کے لئے بھی الفاظ عموم کی روایات تو یہ ہیں ابوداؤ و ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے اور ابن حبان نے اس روایت کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور حاکم نے مستدرک میں اس کو صحیح علی شرط الشیخین لکھا ہے وہ حدیث یہ ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ بہت حیاء کرنے والے اور کریم ہیں اور اس سے حیاء کرتے ہیں کہ کوئی شخص اس کی طرف دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور وہ انہیں خالی اور محروم لوٹا دے اور حاکم نے حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح الاسناد کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اس بندہ سے حیا کرتا ہے جو اس کی طرف ہاتھ اُٹھائے کہ اس کے ہاتھوں پر کوئی خیر و عطا نہ رکھے اور امام احمد و ابوداؤد نے حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کے باطنی جانب سے سوال کرو ظاہری طرف سے نہ کرو (یعنی ہتھیلیاں چہرہ کی طرف ہوں اور پشت دست نیچے کی طرف)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ زیادہ کیا ہے کہ جب دُعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لو اور ترمذی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تھے تو ان کو نہ ڈالتے تھے جب تک کہ ان سے چہرہ مبارک پر مسح نہ فرمالیں اور فتح الباری کتاب الدعوات باب رفع الیدین فی الدعاء میں ہے کہ وارد ہوئی ہیں بہت ساری احادیث ہاتھ اُٹھانے کی مشروعیت میں اور حضرت ابو داؤد نے حضرت سلیمان سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے روایت کر کے حسن کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا رب حیا کرنے والا کریم ہے اپنے بندہ سے حیا کرتا ہے کہ جب وہ ہاتھ اُٹھائے ان کو خالی لوٹا دے اور سند اس حدیث کی عمدہ ہے اور وہ روایات جن میں خاص خاص اوقات کی دُعاؤں میں ہاتھ اُٹھانے کا ارشاد ہے وہ اس رسالہ کی فصل اوّل میں گزر گئی ہیں۔

ف: (۱) اس رسالہ کی تلخیص کرنے والے حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ فصل اوّل سے اصل رسالہ مسلک السادات کی فصل اوّل مراد ہے اور اس تلخیص رسالہ میں یہ روایات جز اوّل کے زیرِ عنوان گزری ہیں۔

ف: (۲) حضرت جامع فرماتے ہیں کہ مصنف کا یہ فرمانا کہ دُعا کے وقت ہاتھ اُٹھانا ہر حال اور ہر وقت میں بعد نماز ہو یا دوسرے اوقات میں بہر حال مستحب ہے یہ اس وقت ہے جبکہ الفاظ دُعا کو طلب حاجت کے قصد و نیت سے پڑھے لیکن جب یہ قصد نہ ہو بلکہ بطور ذکر مسنون کے پڑھنا ہو جیسے صبح و شام اور خواب و بیداری کے اوقات کی دُعائیں یا بیت الخلاء میں جانے اور نکلنے کی اور مسجد میں جانے اور نکلنے کی اور وضوء کی دعائیں اور مجلس سے اُٹھنے اور بازار میں داخل ہونے وغیرہ کی دعائیں جیسا کہ کتاب عمل الیوم واللیلۃ واذکار نووی اور حصن حصین میں دُعائیں مفصل مذکور ہیں تو ان دعاؤں میں ہاتھ اُٹھانا مسنون نہیں اور سلف وخلف میں کسی عالم یا فقیہ کو نہیں

سنا گیا کہ وہ ان میں ہاتھ اُٹھانے کے مستحب یا مسنون ہونے کا قائل ہو اور کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو مسلمان کا کوئی وقت بھی ہاتھ اُٹھانے سے خالی نہ رہتا کیونکہ یہ دُعائیں تو انسان کی ہر نقل و حرکت پر مسنون ہیں اور یہ فرق جو مذکور ہوا حضرات فقہاء نے اس کی رعایت دوسرے موقع پر بھی فرمائی ہے مثلاً جنب کے لئے حکم ہے کہ اگر تلاوت قرآن بہ نیت تلاوت کرے تو جائز نہیں اور اگر بہ نیت ذکر ماثور یا طلب حاجت کرے تو جائز ہے جیسا کہ عام کتب فقہ میں موجود ہے۔

دسواں جزو

(۱۰)...(رفع یدین فی الدعاء کے متعلق مذاہب اربعہ کی تصریحات) حضرات مالکیہ کی روایات تو یہ ہیں عتبیہ میں ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ نماز کے بعد بیٹھے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگ رہے ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ اس میں کچھ کراہت سمجھتے ہیں فرمایا کہ میں اس میں کوئی کراہت نہیں سمجھتا البتہ ہاتھوں کو بہت زیادہ نہ اٹھائے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ کی طرف ہاتھ اُٹھانا بوقت رغبت کے اظہار عاجزی و طلب کے طور پر محمود و مستحسن ہے اور قاضی ابو محمد ابن العربی فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ رفع یدین کس حد تک ہونا چاہئے بعض نے فرمایا ہے کہ سینہ تک اور بعض نے چہرہ تک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ دُعا میں اس حد تک ہاتھ اُٹھاتے تھے کہ آپ کی بغل مبارک کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔

گیارہواں جزو

(۱۱)...اور مذاہب شوافع کی روایت فقہی یہ ہے کہ فتح المبین حاشیہ اربعین ابن حجر میں ہے اور اُٹھانا ہاتھوں کا دُعا میں سنت ہے غیر نماز میں اور نماز میں صرف قنوت کے وقت حسب اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

بارہواں جزو

(۱۲)...اور مذہب حنفیہ کی روایات فقہی بحوالۂ شرح نور الایضاح شرنبلالی اُوپر گزر چکی ہے جس میں تمام نمازوں کے بعد خشوع و خضوع کے ساتھ سینہ تک ہاتھ اُٹھانے اور ان کے اندرونی حصہ کو چہرہ کی طرف کرنے کا مطلب و مستحب ہونا مذکور ہے۔ **فائدہ** :حضرت جامع مدظلہم فرماتے ہیں کہ شرنبلالی کی یہ عبارت ساتویں جزو میں مذکور ہوئی ہے۔

تیرہواں جزو

(۱۳)...اور حنابلہ کی روایات مذہب یہ ہیں شرح مقنع باب الاستسقاء میں شیخ بہوتی کا قول ہے کہ اُٹھائے اپنے دونوں ہاتھ دُعا میں استحبابا بوجہ ارشاد حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اُٹھاتے تھے ہاتھ کسی دُعا میں سوائے استسقاء کے اور آپ (استسقاء میں) اس حد تک ہاتھ اُٹھاتے تھے کہ بغل مبارک کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی، یہ روایت بخاری و مسلم میں ہے اور (استسقاء میں) پشت ہاتھوں کی آسمان کی طرف رہنا چاہئے روایت کیا اس کو مسلم نے اور مقتضی قول کا یہ ہے کہ اُٹھانا ہاتھوں کا نماز استسقاء کے سوا دوسرے مواقع میں مکروہ ہے لیکن خود شیخ بہوتی کا قول یہ بھی گزر چکا ہے کہ قنوت میں بھی ہاتھ اُٹھائے جاویں بلکہ شیخ منصور بن ادریس حنبلی شرح اقناع میں فرماتے ہیں کہ آداب دُعا میں سے ہے پھیلانا ہاتھوں کا اور اُٹھانا ان کا اپنے سینہ تک بوجہ حدیث حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کی باطنی جانب سے سوال کرو ظاہری جانب سے نہ کرو روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اسناد حسن سے اور ہاتھ ملے ہوئے ہونے چاہئیں اس لئے کہ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب

دُعا فرماتے تھے تو دونوں ہتھیلیوں کو ملاتے تھے اور ہاتھوں کو اندرونی جانب اپنے چہرہ کی طرف کرتے تھے اور مواہب میں اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

چودھواں جزو

(۱۴)...دُعا کے بعد چہرہ پر ہاتھ پھیرنے کے متعلق وہ احادیث وروایات اُوپر گزرچکی ہیں جن سے دُعا کے بعد چہرہ پر ہاتھ پھیرنے کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے اب رہا چاروں مذاہب میں اس کا حکم سو مالکیہ کے مذہب کی روایت تو یہ ہے کہ معیار میں ابن زرقون کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث میں آیا ہے مسح کرنا اپنے چہرہ کا دونوں ہاتھوں سے بوقت اختتام دعاء کے اور اس کے ساتھ تمام عوام وخواص اور علماء کا عمل مل گیا جس سے اس روایت کی تقویت ہوگئی اور ابن رشد فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں ہاتھوں کے چہرہ پر پھیرنے کا بایں وجہ انکار کیا ہے کہ اس کے لئے کوئی حدیث نہیں آئی البتہ اس حدیث سے اس کو لیا جاتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، میں کہتا ہوں کہ امام اُستاد ابوسعید بن لب اور ابوعبداللہ ابن علاق اور ابوالقاسم بن سراج جو متاخرین علماء غرناطہ میں سے ہیں۔

اور ابن عرفہ اور برزلی اور غبرینی جو ائمہ تونس میں سے ہیں اور سید ابویحییٰ شریف اور ابوالفضل عقبانی جو ائمہ تلمسان میں سے ہیں یہ سب حضرات دُعاء کے بعد چہرہ پر دونوں ہاتھ پھیرنے کے جواز کے قائل ہیں اور اسی پر ائمہ فارس کا عمل رہا ہے اور مراد اس حدیث سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہوئی ہے وہ ہے جو ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اُٹھاتے تھے اپنے ہاتھوں کو دُعاء میں تو نہ ڈالتے تھے جب تک کہ نہ پھیر لیتے تھے ان کو اپنے چہرہ مبارک پر۔ اھ۔ اس کو مارزی وغیرہ نے نقل کیا ہے ذکر کیا اس کو شیخ محمد بن ابی القاسم مالکی نے شرح نظم میں جس میں وہ مسائل جمع کیے ہیں جن پر ائمہ اُمت کا عمل

رہا ہے شیخ ابوالقاسم برزلی فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت عزالدین ابن عبدالسلام کے انکار مسح وجہ کی تغلیط ہوتی ہے اور مذہب شافعیہ کا اس میں یہ ہے کہ وہ سنت ہے ہر دُعا میں سوائے دُعا قنوت کے جیسا کہ شوافع کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے اور مذہب حنابلہ کی نقل گزر چکی ہے کہ وہ سنت ہے ہر دُعاء میں بجز دُعائے قنوت کے اور ابن حجر نے شرح عباب میں اس کو آداب دُعا میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ حلیمی فرماتے ہیں کہ راز اس فعل کے مستحب ہونے میں نیک فال لینا ہے کہ گویا اس کے ہاتھ خیر سے بھر گئے ہیں اس کو اپنے چہرہ پر ڈالتا ہے۔ اھ۔ واللہ اعلم۔

فائدہ: حضرت جامع دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ قول مسح وجہ فی القنوت کا اصل کتاب میں مطلب ثانی فصل اوّل میں زیر عنوان نص الحنابلہ اسی عبارت مذکورہ کے ساتھ منقول ہے اور اس میں صلوٰۃ وتر کی بحث میں یہ بھی مذکور ہے کہ تیسری رکعت میں دُعائے قنوت کرے (الی قولہ) اور مسح کرے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرہ پر جبکہ اپنی دُعا سے فارغ ہو اس موقع پر (قنوت) میں بھی اور خارج نماز میں بھی۔ اھ۔ تمام ہوا ترجمہ رسالہ استحباب الدعوات عقیب الصلوٰت کا والحمد للہ الذی لعزتہ وجلالہ تتم الصالحات۔

(النورص ۹ ربیع الثانی ۵۵ھ تا النورص ۴ شعبان ۵۵ھ)

اِصلاحُ المعتُوہ
فِی
تعرِیفُ الحرام والمکروہ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مَولانا مُحمّد اَشرف علی التھانوی
نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

اس رسالہ میں مسئلہ آلہ تقریب الصوت یعنی لاؤڈ اسپیکر جامع مسجد یا عیدگاہ میں نماز کے لیے یا قرأت اور خطبہ سننے کیلئے لگانے کا شرعی حکم تحریر فرمایا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سوال: بہشتی گوہر کے شروع میں تمہید کے بعد ایک صفحہ میں اصطلاحات ضروریہ کے عنوان سے اقسام احکام کی تعریفات لکھی ہیں ان میں حرام اور مکروہ تحریمی کی تعریف مختلف نسخوں میں مختلف لکھی ہے۔ چنانچہ ایک قدیم الطبع نسخہ میں اس طرح لکھا ہے، حرام وہ ہے جو دلیلِ قطعی سے ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے اور اس کا بے عذر چھوڑنے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہے۔ مکروہ تحریمی وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو اس کا انکار کرنے والا فاسق ہے جیسے کہ واجب کا منکر فاسق ہے اور اس کا بغیر عذر ترک کرنے والا گنہگار اور عذاب کا مستحق ہے اور جدید الطبع نسخہ میں اس طرح لکھا ہے:

''حرام وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اس کا منکر کافر اور اس کا بے عذر کرنے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہے''۔ (ص:۹۷، ج:۱، شامی)

مکروہ تحریمی وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو اس کا انکار کرنے والا فاسق ہے جیسے کہ واجب کا منکر فاسق ہے اور اس کا بغیر عذر کرنے والا گنہگار اور عذاب کا مستحق ہے۔

(ص ۳۳۰، ج ۵، درمختار و شامی)

محل اختلاف دونوں کی تعریفوں میں صرف یہ ہے کہ قدیم نسخہ میں بغیر عذر چھوڑنے والا اور بغیر عذر ترک کرنے والا لکھا ہے اور جدید نسخوں میں دونوں جگہ بغیر عذر کرنے والا لکھا ہے۔ مخالفین کے بعض رسائل میں دونوں تعریفوں کو مؤلف بہشتی گوہر کی طرف منسوب کر کے تعریف اوّل پر غایت درجہ کے سب وشتم وطعن وتبراء کے پیرایہ میں اعتراض کیا گیا ہے اور تعریف ثانی کو تعریف اوّل سے رجوع میں اس لئے کافی نہیں

سمجھا کہ تعریف اوّل کے غلط ہونے کا اعلان نہیں کیا گیا تو اس کے متعلق سوال یہ ہے کہ صحیح تعریف کونسی ہے اور غلط تعریف کے غلط ہونے کا منجانب مؤلف اعلان کیوں نہیں کیا گیا اور اس واقعۂ اختلاف کی حقیقت کیا ہے **افیدو نا وتم مفیدین**

الجواب

تعریف صحیح دوسری ہے پہلی تعریف اگر ماوَل نہ ہو غلط ہے اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ یہ تعریف مؤلف بہشتی گوہر کی لکھی ہوئی نہیں ہے کسی مہتمم طبع نے اس کا اضافہ کر دیا ہے عجب نہیں کہ مولوی انعام اللہ خان مرحوم نے لکھ دی ہو، جنہوں نے بہشتی گوہر غالباً سب سے اوّل ۱۳۲۵ھ میں یعنی تالیف سے نو دس ماہ بعد چھاپا ہے ان کو ایسے اضافات کا خاص شوق و اہتمام تھا البتہ ان سے دو کوتاہیاں ضرور ہوئیں۔ ایک یہ کہ اس اضافہ پر اپنے دستخط نہیں کئے۔ دوسرے یہ کہ ترتیب میں تمہید سے اس کو مؤخر کر دیا جس سے ناظر کو اوّل وہلہ میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی مؤلف ہی کی لکھی ہوئی ہے ان پر لازم تھا کہ اس پر اپنے دستخط کرتے اور اگر یہ بھی نہ کیا تو کم از کم ترتیب میں اس کو تمہید سے مقدم رکھتے۔ غرض یہ غلطی کسی طابع سے ہوگئی۔ پھر اس تنبیہ کے بعد طبع متاخرین میں کسی دوسرے طابع ہی نے اضافہ کے اصل مضمون کے بقاء کے ساتھ تعریف بھی بدل دی اور حاشیہ میں اس کی بھی تصریح کر دی کہ یہ مضمون اہل مطابع میں سے کسی نے بڑھا دیا ہے مؤلف کا نہیں ہے (اھ) بلکہ مؤلف کا مضمون ہونا تو درکنار مؤلف کو رسالہ اعتراضیہ کی اشاعت کے قبل خود اس تعریف اور اسی طرح اس کی تغیر تک کی خبر نہ تھی اور اوّل وہلہ کی قید اس لئے لگائی گئی کہ اگر تمہید کی عبارت کو غور سے دیکھا جاوے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اضافہ مؤلف، کا مضمون نہیں ہے۔ چنانچہ اس تمہید میں ایک عبارت یہ ہے کہ اس کے جمیع مسائل کو اصل کتب فقہیہ متداولہ سے نقل کرنے کی نوبت نہیں آئی بلکہ رسالہ علم الفقہ کو ایک طالب علمانہ (یعنی نہ کہ عالمانہ) نظر سے مطالعہ کر کے اس میں اس تتمہ کے مناسب یعنی ضروری مسائل ایک جگہ جمع کرنا مناسب سمجھا گیا

اور کہیں کہیں کمی بیشی یا تغیر عبارت یا مختصر اضافہ بھی کیا گیا (اھ) مختصراً۔

اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ بہشتی گوہر رسالہ علم الفقہ کے صرف مسائل کے اختصار کا نام ہے اور تغیر یا کمی بیشی یا مختصر اضافہ اگر کہیں ہوا ہے وہ بھی صرف مسائل ہی میں ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اضافہ تعریفات نہ تو مختصر ہے اور نہ مسائل میں ہے بلکہ ایک معتد بہ مقدار میں مستقل اضافہ غیر مسائل میں ہے تو اس کے بعد یہ احتمال ہی نہیں ہوسکتا کہ یہ اضافہ مؤلف کا لکھا ہوا ہے اس لئے میں نے اوّل وہلہ کی قید لگائی ہے۔ لیکن چونکہ ناظرین کو ہر وقت ایسے دلالات میں غور کا موقع نہیں ملتا خصوص جس کو پہلے سے بھی سوءِ ظن ہو اس لئے مؤلف کی طرف منسوب سمجھ جانے میں تو معذوری ہوسکتی ہے لیکن اس طرز سے اعتراض کرنا جیسا سائل نے نقل کیا ہے محض عناد سے ناشی ہے کیونکہ باوجود فرض انتساب کے کسی صاحب انصاف یا جویائے حق کو کسی طالب علم پر بلکہ کسی ناخواندہ مسلمان پر بھی یہ احتمال نہیں ہوسکتا کہ وہ ایسی غلط تعریف کا معتقد ہو جس سے حرام مرادف فرض کا اور مکروہ تحریمی مرادف واجب کا ہو جائے۔ جن کی تعریف مصرحاً اسی صفحہ پر مذکور ہے طالب علمی کے خلاف تو اس لئے ہے کہ مقسم واحد کے اقسام میں تباین لازم ہے اور یہاں تساوی ہوئی جاتی ہے اور اسلام کے خلاف اس لئے کہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ حرام اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب معصیت اور اس کا ترک واجب ہے۔ یہ کوئی مسئلہ اختلافی نہیں جس میں وہابیت اور بدعیت یا سنیت مؤثر ہو سو معترض میں اگر ذرا بھی تدین ہوتا تو کم از کم صاحب مضمون کے سبق قلم یا خلط ذہن (کما سیأتی فی تقریر التاویل) یا ناقل کے سہو کے احتمال پر محمول کر لیتا پھر تصحیح و مقابلہ کا بھی ہر وقت صاحب مضمون اہتمام نہیں کرسکتا یا نہیں کرتا۔ بسا اوقات مصححین و مقابلین جاہل بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسے واقعات ہزاروں کی تعداد میں شب و روز مشاہد ہیں۔ اسی بناء پر بزرگوں نے وصیت فرمائی ہے۔

اخا العلم لا تعجل بعیب مصنف ولم تتیقن زلۃ منہ تعرف

فکم افسد الراوی کلاماً بعقله و کم حرّف الاقوال قوم و صحّفوا
و کم ناسخ اضحی لمعنی مغیّراً وجاء بشیٔ لم یردہ المصنّف

تھوڑے ہی زمانہ کا ذکر ہے خود میرے ایک رسالہ میں باری تعالیٰ کی صفات میں عموم قدرت کا لفظ تھا، وہ رسالہ ایک محبِ مخلص نے بڑے شوق سے عمدہ لکھائی، عمدہ کاغذ پر چھپوا کر پیش کیا۔ کھول کر جو دیکھتا ہوں تو اس مقام پر بجائے عموم کے عدم لکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا بھائی تم لوگ اور گالیاں دِلواتے ہو۔ غالباً پھر انہوں نے غلط نامہ بھی لکھوایا۔ غرض ایسے احتمالات بھی تو واقع ہو سکتے ہیں۔ مگر ایسے احتمال تو اس کو ہوں جس میں انصاف ہو ورنہ معاند تو ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے اور جب کوئی ایسا موقع مل جاتا ہے گویا بندر کے ہاتھ اَدرک کی گرہ آجاتی ہے۔ اور اسی سے اس کی وجہ بھی معلوم ہوگئی کہ مؤلف کی طرف سے اس غلطی کا اعلان کیوں نہیں ہوا، وہ وجہ یہی ہے کہ نہ وہ مضمون مؤلف کا تھا اور نہ اس کو اب تک بھی اس کی اطلاع تھی۔ ورنہ بحمد اللہ تعالیٰ مؤلف کی عادت سب کو معلوم ہے کہ اپنی غلطی کی اشاعت ہی کے لئے ترجیح الراجح کا سلسلہ مدت سے جاری کر رکھا ہے۔ چنانچہ اب جو اطلاع ہوئی تو باوجود اپنا مضمون نہ ہونے کے تبرعاً اس پر متنبہ کر رہا ہے۔ اور یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ اس پہلی تعریف کو غلط مان لیا جائے اور یہی اظہر ہے پھر غلطی کا سبب خواہ زلّتِ قلمی یا ذہنی صاحب اضافہ کی ہو یا زیغِ نظر یا تحریف ناقل کی ہو۔ اور اگر یہ اضافہ احقر مؤلف کا ہوتا تو اسی جواب پر اکتفاء کرتا۔ کیونکہ احقر تاویلات و توجیہات کے استعمال کو اپنے نفس کے لئے پسند نہیں کرتا۔ مگر چونکہ وہ اضافہ کسی دوسرے شخص کا ہے اور یقیناً کسی صاحب علم کا ہے اور عاقل بالغ کے کلام کو مطلقاً محملِ صحیح پر محمول کرنا شرعاً مطلوب ہے چہ جائے کہ صاحب علم کے کلام کو اس لئے میں ایک دوسرا جواب بھی عرض کرتا ہوں۔ اس کا حاصل عبارت متکلم فیہا کا مأول ہونا ہے۔ وہ تاویل یہ ہے کہ حرام اور مکروہ کی تعریف میں جو یہ عبارت ہے کہ اس کا بغیر عذر چھوڑنے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہے۔ یا یہ عبارت ہے کہ اس کا بغیر عذر ترک

کرنے والا گنہگار اور عذاب کا مستحق ہے۔ تو ان دونوں عبارتوں میں لفظ اس کا (ضمیر یا اسم اشارہ ہے) مرجع یا مشارٌ الیہ خود فعل حرام اور فعلِ مکروہ تحریمی نہیں بلکہ اس کا حکم یعنی حرام ہونا اور مکروہ تحریمی ہونا یا بعنوانِ مختصر حرمت وکراہت ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ حُرمت وکراہت کا جو مقتضاء ہے کہ اس سے اجتناب رکھے اس مقتضاء کو ترک کرنے والا اور چھوڑنے والا فاسق وگنہگار ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اس مقتضاء کا ترک اس طرح ہوگا کہ اس فعل حرام ومکروہ تحریمی کا ارتکاب کرنے لگے اور ظاہر ہے کہ حرام اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب کرنے والا گنہگار اور فاسق ہے۔

تو کلام میں ایجاز ہوگا اور متکلم چونکہ صاحب علم ہے اس کا صاحب علم ہونا قرینہ ہو جائے گا تعیینِ مراد کا۔ اور اس قرینہ کے ہوتے ہوئے یہ ایجاز مخل نہ ہوگا، جیسے متکلم کا موحد ہونا انبت الربیع البقل کا مجاز پر محمول کرنے کے لئے قرینہ کافی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے نظائر محاورات میں بکثرت ہیں۔ چنانچہ اس وقت دو موقع خود قرآن مجید سے نقل کرتا ہوں جن میں بعض مفسرین اسی قبیل کی توجیہ کے قائل ہوئے ہیں۔

موقع اوّل ...... قال اللّٰه تعالٰی فی سورة الاعراف : مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ. فی جامع البیان لشیخ الاسلام والمسلمین الشیخ السید معین الدین المفروغ من تألیفه فی عام سبعین و ثمان مائة ما نصه منع بمعنی أحوج واضطر لأنّ الممنوع عن شیٔ مضطر إلٰی خلافه أی ما أحوجک إلی عدم السجدة.

موقع الثانی ...... قال اللّٰه تعالٰی فی سورة هود: اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَانَشٰٓؤُا۞ فی التفسیر المذکور قبل عطف علی ان نترک بتقدیر أصلوتک تأمرک بنهیک عن ان نفعل (اھ) واورد التفسیرین فی الکبیر الاوّل منطوقاً والثانی مفهوماً.

اور گو دونوں جگہ دوسری تفاسیر بھی منقول ہیں مگر ان تفسیروں کو بلا نکیر نقل کرنا ایسی

توجیہات کی صحت کی کافی دلیل ہے۔ دیکھئے آیت اُولیٰ میں جب لا کو غیر زائد مان لیا (لا تسجد بمعنی تترک السجدۃ ہوگیا اور ظاہر ہے کہ اس کا تعلق اس کے سباق یعنی منعک سے نہیں ہوسکتا بلکہ منعک کے بعد ان تسجد ہونا چاہئے جو بمعنی فعل سجدہ ہے، چنانچہ ظاہر ہے۔

اسی طرح آیت ثانیہ میں جب ان نفعل کا عطف ان نترک پر مان لیا تو ان نفعل تامرک کے تحت میں ہوگیا اور ظاہر ہے کہ اس کا تعلق اس کے سباق یعنی ما نترک سے نہیں ہوسکتا بلکہ تامرک کے بعد(اَنْ لَا نَفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَانَشٰٓؤُا) ہونا چاہئے جو بمعنی ترک ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے۔

غرض ایک آیت میں بجائے فعل کے ترک مذکور ہے اور ایک آیت میں بجائے ترک کے فعل مذکور ہے جو ظاہراً صحیح نہیں اور صحیح اس کا عکس تھا۔ اگر تصحیح کلام کی ضرورت سے آیت اُولیٰ میں (بجائے فعل کے) ترک کی تصحیح تعلق کے لئے اس ترک کے سباق یعنی منعک کی جانب میں تاویل کی گئی اور دوسری آیت میں (بجائے ترک کے) فعل کی تصحیح تعلق کے لئے اس فعل کے سباق یعنی تامرک کی جانب میں تاویل کی گئی اسی قیاس پر تعریفِ مذکور میں کہا جاسکتا ہے کہ جانب خبر میں جو لفظ ترک واقع ہے ظاہر ہے اس کا تعلق اس کے سباق یعنی حرام ومکروہ سے جو کہ مبتداء سے نہیں ہوسکتا بلکہ حرام ومکروہ کے بعد لفظ فعل ہونا چاہئے۔ مگر تصحیح تعلق کے لئے اس ترک کے سباق یعنی لفظ حرام ومکروہ کی جانب میں یہ تاویل کی جاوے گی کہ یہ مبتداء متضمن ہے معنی حرمت و کراہت کو۔ اب اس سے مفہوم ترک کا تعلق ہوسکتا ہے یعنی حرمت وکراہت کے حکم کو ترک کرنے والا الخ جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا اور اس تاویل میں زیادہ بُعد اس لئے نہیں کہ فعلِ حرام اور مکروہ تحریمی کی تعریف لکھتے ہوئے فعل سے حکم فعل کی طرف ذہن کا منتقل ہو جانا چنداں بعید نہیں۔ شارحین تو ایسے مواقع میں باوجود تعمد ماتن صرف محل کے صالح للتوہم ہونے کو بجائے وقوع توہم کے قرار دے کر احکام کے ترتب کو صحیح مان

لیتے ہیں۔ چنانچہ خطب کتب میں و بعد فھٰذہ ایسی تصریحات منقول ہیں و زیدت فیہ الفاء لتوھم اما اجراءً للتوھم مجری المحقق الخ۔

اور ایک دوسری تاویل اس سے بھی بے تکلف اور سہل ہو سکتی ہے وہ یہ کہ تعریفین مذکورین میں لفظ اوس کا مرجع مشارٌ الیہ دلیل کو قرار دیا جاوے۔ مطلب یہ کہ حرام یا مکروہ ہونے کی جو دلیل ہے اس دلیل کا منکر اور اس دلیل کا تارک ایسا ہے۔ اور دلیل کا انکار یہ ہے کہ اس کے خلاف اعتقاد رکھے اور دلیل کا ترک یہ ہے کہ اس کے خلاف عمل کرے۔ پس کلام بالکل بے غبار ہے۔

البتہ شارع اور غیر شارع کے کلام میں اتنا فرق ہے کہ شارع کے کلام کو توسع پر محمول کریں گے اور غیر شارع کے کلام کو تسامح پر۔ دوسرے شارع کے کلام میں تغیر ممکن نہیں اس لئے تاویل واجب ہے اور غیر شارع کے کلام میں تغیر ممکن ہے۔ اس لئے تغیر کو تاویل پر ترجیح ہوگی۔ اسی بناء پر تعریفات مذکورہ میں دوسرے اہل علم نے تغیر کردی تا کہ اغلاق (کما فی التاویل الاوّل) یا ابہام (کما فی التاویل الثانی) نہ رہے۔ اب جواب ختم کرتا ہوں اور چونکہ یہ جواب باوجود اختصار کے ایک مستقل تحقیق کو مفید ہے اس لئے معترض کے دماغ میں بھی تاویل کر کے اس جواب کو اصلاح المعتوہ فی تعریف الحرام والمکروہ سے ملقب کرتا ہوں۔

والسلام علی من اتبع الھدی واجتنب الھویٰ

❀❀❀

التحقیق الفرید
فی حکم آلۃ تقریب الصوت البعید

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ
رأس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی
نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

اس رسالہ میں مسئلہ آلہ تقریب الصوت یعنی لاؤڈ اسپیکر جامع مسجد یا عیدگاہ میں نماز کیلئے یا قرأت اور خطبہ سننے کیلئے لگانے کا شرعی حکم تحریر فرمایا ہے

حامدًا و مصلیًا!

حکم آلہ مکبر الصوت در صلوٰۃ وخطبہ

سوال: استغناء عالم واشیاء عالم اوران کے خالق اعظم کے علم ومعرفت کا آخری اور کامل ذریعہ خاتم الانبیاء حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن ذوات علیہ کو انبیاء بنی اسرائیل کا ہم سنگ رتبہ عطاء فرمایا ہے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے ایک غلبہ عبادت میں فیلسوف ارسطاطالیس نے جن نفوس قدسیہ کو اُولئک ھم الفلاسفۃ حقا کہا ہے ان کی خدمت عالیہ میں بلحاظ تحقیق حق واطمینان اہل دین ودیانت عرض ہے۔

اوّل: یہ کہ آپ اور کسی سے یہ اَمر پوشیدہ نہیں ہے کہ نماز عیدین میں عموماً ہر جگہ اور خصوصاً بڑے بڑے شہروں میں مصلیوں کی تعداد اوران کی جماعت کا سلسلہ اس قدر طویل طویل (یہ کوئی نئی چیز نہیں جو ابھی پیش آئی ہو عہدِ نبوت میں بھی عظیم الشان اجتماع ہوتے تھے اور مکبرین کے درمیان میں قائم کردینے کو کافی سمجھا جاتا تھا اوراس کے باوجود اگر کبھی کوئی غلطی ہوجائے تو اتفاقی غلطی کے لئے انتظام نہیں بدلا جاسکتا۔ ۱۲ محمد شفیع عنہ) ہوتا ہے کہ امام کی آواز تو کل مصلیوں تک پہنچتی ہی نہیں لیکن بسا اوقات مکبرین کے متعین ومقرر کرنے کے بعد ان کی آواز سے تمام مصلیوں کو صحیح طور پر اس کا علم نہیں ہوتا کہ امام نے نیت کب باندھی؟ رکوع وسجدہ کب کیا؟ اور امام کس وقت کیا

پڑھ رہا اور کیا کر رہا ہے؟ اور وہ محض اپنے آگے کے مصلیوں کی حرکات کو دیکھ کر یا اپنے خیال سے ایک اندازہ لگا کر ارکان نماز ادا کرتے ہیں۔

تاہم اس میں بھی غلطی ہوتی ہے اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ امام ابھی قرأت کر رہا ہے اور پچھلے مصلی رکوع میں چلے گئے یا امام رکوع میں گیا ہے اور آخری مصلی سجدہ میں چلے گئے اور اسی طرح اور غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ بالخصوص تکبیرات واجبۂ عیدین میں تو تقریباً ہمیشہ اور ہر جگہ دھوکہ ہوا ہی کرتا ہے، اور یہ حال بھی وہاں کا ہے، جہاں امام اور منتظمین مصلی عید گاہ) کو مسلمانوں کے اجتماع اور جماعت کی بڑائی کا پہلے سے اندازہ ہوتا ہے اور وہ اس لحاظ سے مکبرین کے تعیین وتقرر کا پیشتر سے انتظام کر سکتے ہیں اور جہاں آخر نماز تک مصلیوں کے آنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور نیت باندھنے کے بعد سے آخر نماز تک بمقابلہ ابتداء کے ہزاروں مصلیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور امام اور منتظمین مصلی ان کے خیال سے مکبروں کے مزید تعیین وتقرر کا انتظام پہلے سے کر نہیں کر سکتے وہاں کا حال تو قابل ذکر ہی نہیں وہاں کوئی نظام ﴿بعد میں مجمع کا بڑھ جانا اور پہلے سے اس کا اندازہ نہ ہونا بھی کوئی جدید واقعہ نہیں قرون سلف میں بھی ایسے واقعات پیش آتے تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے کسی جدید انتظام کی ضرورت محسوس نہ فرمائی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے زمانہ میں آلات مکبر الصوت نہ تھے اس لئے توجہ نہ ہوئی کیونکہ اوّل تو اس کے نظائر مثلاً مکبرین کا احتیاطی طور پر زیادہ مقرر کر دینا یا آخری صفوف میں دو چار آدمیوں کو اس کی ہدایت کر دینا کہ اگر صفوف بڑھ جاویں تو تم تکبیر باآواز بلند کہہ دینا وغیرہ۔ دوسرے اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اسلامی عبادات میں سے سب سے بڑی اور اہم عبادت اور اس کے انتظام کی تکمیل آلۂ مکبر الصوت کی ایجاد پر موقوف تھی اور تمام قرون اسلامیہ اسی بدنظمی و نقصان پر چلتے رہے تا آنکہ موجودہ زمانہ کے نصاریٰ یا دہریوں نے اسلام پر احسان کیا کہ ان کی عبادات کا انتظام صحیح کر دیا۔۱۲ محمد شفیع عفی عنہ﴾ اور باقاعدگی ممکن ہی

نہیں اسی طرح ایسے مواقع ومجامع میں اور بالخصوص ﴿اس کا بھی یہی جواب ہے کہ یہ کوئی نئی ضرورت نہیں اور یہ اعتقادرکھنا کہ ضرورت تو پہلے سے تھی اور بغیر اس آلہ کے ان عبادات کے انتظام میں نقص بھی تھا مگر وہ قرون خیر میں پوری نہ ہوسکی عہدِ حاضر کے نصاریٰ نے پوری کی کسی مسلمان سے متصور نہیں بلکہ اس سے کھلے طور پر یہ سمجھا جاوے گا کہ ضرورت ہی نہ تھی ورنہ حق تعالیٰ اس ایجاد کو اسی وقت ظاہر فرما دیتے۔۱۲۔محمد شفیع﴾ عیدین کے موقع پر خطیب کا خطبہ بھی بجز تھوڑے سے لوگوں کے کسی کو سنائی نہیں دیتا اور وہاں اس وقت لوگ اپنا بیٹھنا بیکار سمجھ کر وہاں سے اُٹھ جاتے ہیں اور خطبہ سننے کے فوائد اور خطبہ ہونے تک بیٹھے رہنے کے ثواب سے محروم رہتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ ایک اَمرِ شرعی مؤکداور ضروری کے ترک کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

دوم: یہ کہ علامہ شیخ محمد نجیب المطیعی رئیس مجلس علمی محکمہ شرعیہ اور مفتی دیار مصریہ کے قول کے مطابق افلاطون کے مخترعات قدیم میں سے اور مشاہدہ و رواج عام کے مطابق مخترعات جدیدہ میں سے ایک شے ایسی بھی موجود ہے جس کو آلۂ مکبر الصوت کہتے ہیں اور جس کا ہم معنی انگریزی نام لاؤڈ اسپیکر ہے اور جو علم البرق اور علم الصوت کے اختلاط وترکیب سے صوت وبرق کے فلسفہ کو پیشِ نظر رکھ کر اس لئے اختراع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ لاسلکی سے یا برقی تاروں سے وصول شدہ آواز کو دُور ونزدیک دونوں جگہ نہایت صاف اور واضح طریق سے بلا کسی تغیر وتبدل کے اصلی حالت میں سنا جاسکے اس کی ظاہری صورت وشکل متوسط درجہ کے اس ٹائم پیس (گھڑی) سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے جس کے ڈائل پر سوئیاں اور ہندسے نہ ہوں۔

اس کے نصب واستعمال کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو بولنے والے سے دو چار گز کے فاصلے پر بلا رعایت تقابل وتواجہ کے کسی جگہ رکھ دیا جاتا ہے کہ بولنے والے کے منہ سے الفاظ نکلتے وقت ہوا میں جو لہریں پیدا ہوں وہ اس آلہ کی بیرونی سطح تک (جس کو ڈائل کہتے ہیں) پہنچ کر اس سے ٹکرا سکیں۔

پھر دُور و نزدیک جہاں تک آواز کا پہنچانا مقصود ہوتا ہے اس کے وسط میں یا آخر میں یا کسی دوسرے مناسب مقام پر قد آدم سے تقریباً سہ چند بلند چند بلیاں حسب ضرورت نصب کی جاتی ہیں پھر اس آلہ کی پشت سے بجلی کے چند ایسے تار لگا دیئے جاتے ہیں جو متذکرہ بلیوں کے بالائی حصے سے بھی بندھے ہوئے ہیں گاؤدم یا سینگ کے ساخت کے کہیئے یا مخروطی شکل کے کہیئے ہر چہار جانب یا جس جانب آواز پہنچانا مقصود ہو تو نہایت چوڑے منہ کے ایسے چونگے لگا دیئے جاتے ہیں جن کو عربی میں انبوبہ اور انگریزی زبان میں ہارن کہتے ہیں جس کے لفظی معنی سینگ ہیں۔

اس کے بعد اگر مقام پر بجلی کا کوئی ایسا کارخانہ ہوتا ہے جس سے بجلی کے پنکھے چلتے اور روشنی وغیرہ ہوتی ہے تو اس آلہ کو وہاں کے کارخانہ کے بجلی کے رو یعنی کرنٹ سے ورنہ بجلی کی ایسی مشین سے جو اپنے اندر اسی وقت بجلی پیدا کرنے کی قوت رکھتی ہو وابستہ کر کے بجلی کو جاری کر دیا جاتا ہے اب یہ سب ہو چکنے کے بعد جب بولنے والا کچھ بولتا ہے اور اس کی زبان کی حرکت سے ہوا میں تموج پیدا ہوتا ہے تو وہ اس آلہ کو وہاں کے کارخانہ کے بجلی کے رو ہوا میں تموج پیدا ہوتا ہے تو وہ اس آلہ کے بیرونی حصے یعنی ڈائل سے ٹکراتا ہے اور چونکہ وہ ڈائل نہایت درجہ سبک اور نازک ہوتا ہے اس لئے وہ اسے زیادہ محسوس کرتا اور اس سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے اور اسی تاثر کی زیادتی و کمی پر اس میں قوت بلندی اور بڑائی پیدا ہوتی ہے مگر چونکہ واضع نے اس کی زیادتی و کمی کو بھی قانون فلسفہ کے ماتحت اختیاری بنا کر اس کے مدارج قائم کر دیئے ہیں اس لئے اس وقت آواز کو جس قدر بلند و بڑا کرنا منظور ہوتا ہے اس کے لحاظ سے اس کا ایک درجہ قائم کر دیا جاتا ہے۔

بالآخر یہ ٹکراہٹ مع فرط تاثر جس کا نام قرع قوی ہے جب برقی قوت کے ذریعہ اس ہوا تک منتقل ہوتی ہے جو متذکرہ مخروطی شکل کے چونگوں سے خارج فضاء میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ انسانی قوت سماعت تک پہنچتی ہے تو وہ زیادہ بلند اور زیادہ بڑی ہو کر سُنی جاتی ہے، اور یہ تمام باتیں کتب فلسفہ میں اپنی اپنی جگہ قدیم سے

ثابت ہیں اور تفسیر کبیر وشرح مواقف میں بھی صوت وسماعت کی بحث کے ماتحت ان میں سے حسب ذیل اُمور پر روشنی پڑسکتی ہے۔

(۱) قارع ومقروع کے درمیان کی رُکی ہوئی ہوا کی لہروں سے پیدا شدہ کیفیت کا نام آواز ہے۔(۲) قارع کے قرع میں جس قدر قوت زیادہ ہوگی اسی قدر زیادہ قوی اس سے تموج پیدا ہوگا اور اس تموج سے اس قدر زیادہ قوی وہ کیفیت بھی پیدا ہوگی جس کی حامل ہوا اور جس کا نام آواز ہے۔

(۳) اس تموج میں جس قدر زیادہ قوت ہوگی اسی قدر اس کی موجیں زیادہ ضخیم و عریض ہوں گی۔(۴) ان موجوں میں جس قدر زیادہ ضخامت وعرض ہوگا اسی قدر وہ زیادہ دُور تک پھیلیں گی۔(۵) جہاں تک پھیلیں گی چونکہ ان کے ساتھ وہ کیفیت جس کا نام آواز ہے وہ بھی ہوگی اس لئے وہاں تک وہ سُنی جائے گی۔

اور کتب فلسفہ کی اس تصریح سے یہ عیاں ہے کہ آلۂ زیر بحث یعنی مکبر الصوت کے ذریعے بولنے والے کی آواز کا بلند ہونا اور دُور تک سُنا جانا ایک فلسفی وقدرتی اَمر ہے جس میں بولنے والے کو کوئی تکلف ومشغولیت نہیں ہوتی اور اس کی طرف کسی قسم کی توجہ وتقابل کی بھی ضرورت نہیں پڑتی اور آلۂ زیر بحث نہ آلۂ سرودغنا ہے اور نہ آلہ لہولعب اِلا یہ کہ کوئی شخص اس کو اس کام میں استعمال کرے مگر اس سے اس کا آلۂ غناوسرود اور آلۂ لہوولعب ہونا لازم نہیں آتا۔

سوم...... یہ کہ موقع ومحل پر حسب ذیل چھ شرعی اصلیں بھی جاذب توجہ ہیں۔

اصل اوّل......آیت کریمہ: هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً، جس سے فقہائے اسلام نے اصلاً ہر شے کی اباحت (یہ استدلال یہاں بھی صحیح ہے کہ فی نفسہ اس کا استعمال مباح ہے مگر اس آیت سے یہ کس طرح لازم آیا کہ نماز میں بھی مباح ہو) پر استدلال کیا ہے۔

اصل دوم......اصل: کل شیء اباحة الا ان یرد علیه المنع۔ جو اصل فقہ

کا ایک مشہور کلیہ ہے ان دونوں اصلوں سے یہ مفہوم ہوسکتا ہے کہ آلۂ مکبر الصوت
﴿صحیح ہے مگر گفتگو مطلق اباحت میں نہیں بلکہ عبادت اصلیہ کے اندر اباحت میں بحث
ہے اوران دونوں اصلوں سے کسی طرح عبادات میں اباحت پر استدلال نہیں ہوسکتا۔
۱۲۔محمد شفیع عفی عنہ﴾ اصلاً مباح ہے کیونکہ اس کے حق میں نہ راساً کوئی منع وارد ہے
اور نہ ضمناً وہ کسی اَمر ممنوع کے تحت میں شمار کیا جاتا ہے۔

اصل سوم ......اذان دینا پھر اذان کا مینارہ پر چڑھ کر دینا امام کے پیچھے مکبرین
کا بآواز بلند تکبیرات کہنا مکبّرین کا بعض مواقع میں مکبرہ پر چڑھ کر تکبیرات کہنا،
میدانِ عرفات میں یوم النحر کو امیر الحج کا اُونٹنی پر چڑھ کر خطبہ دینا پھر اس اُونٹنی کا جبل
رحمت پر چڑھا کر خطبہ دینا جمعہ اور عیدین کے خطبہ کے وقت خطیب کا منبر پر چڑھ کر
خطبہ دینا، پھر قبلہ کی طرف رُخ پھیر کر قوم کی طرف منہ کر کے خطبہ دینا وغیرہ جیسے
احکام شریعت میں موجود ہیں اور ان سب کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ اس
وقت مصلیوں کو جو کچھ سنانا مطلوب ہے اس کو وہ سُن سکیں اور آواز میں اتنی رفعت
﴿مگر اس سے سادہ طریق پر آلات کے ذریعہ رفعت پیدا کرنے پر اس سے استدلال
نہیں ہوسکتا ہے﴾ پیدا ہو جائے کہ بلا تکلف وہ ان تک پہنچ سکے۔

اس سے یہ مستفاد ہوسکتا ہے کہ جہاں اللہ کے ذکر کی طرف دوسروں کو متوجہ کرنا
مقصود ہو وہاں اللہ کے ذکر کو بلند آواز سے کرنا چاہئے اور اس بلندی آواز میں سوائے ان
صورتوں کے جن کی ممانعت کی شریعت میں تصریح ﴿یہ صریح کی قید قابل غور ہے کیا وہ
احکام شرعیہ ماننے کے قابل نہیں جو قواعد شرعیہ سے مستنبط ہیں اور اگر وہ مانے جاسکتے
ہیں تو اس کی ممانعت بھی ان سے مستفاد ہے جیسا اصل رسالہ میں موجود ہے﴾ موجود
ہے ہر وہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے جس کی اصل کسی طرح بھی شریعت میں پائی ہو
جاتی ہو یا اس کی طرف سے سکوت کلی ہو۔(صحیح ہے مگر اس جگہ سکوت کلی نہیں)۔

اصل چہارم ...... تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۳۴۳ میں و اذا قرئ القرآن

فاستمعوا له وانصتوا کے ماتحت عبارت ذیل میں مرقوم ہے۔

اعلم ان قارياً يقرأ القران بصوت عاحتى يمكنهم استماع القران و معلوم ان ذلك القارى ليس الا الرّسول عليه الصلوٰة والسلام و كانت هذه الأية جارية مجرى امر الله محمداً صلى الله عليه وسلم بان يقرأ القران على القوم بصوت عال رفيع و انما امره بذلك ليحصل المقصود من تبليغ الوحى والرسالة.

اس سے مستخرج یہ ہوسکتا ہے کہ قرأت قرآن کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ دوسرے لے سنیں اور جہاں یہ غرض ہو وہاں اس کو بلند آواز سے ﴿صحیح ہے مگر اس میں کلام ہی نہیں کلام اس میں ہے کہ بلند آوازی کا اس قدر اہتمام مزید کیا جاوے کہ آلات استعمال کرنے پڑیں اس کے لئے دلیل مستقل کی ضرورت ہے جو موجود نہیں۔۱۲ محمد شفیع عفی عنہ﴾ ہی پڑھنا چاہئے تا کہ سامعین اس کو فہم کریں اور اس کے سنانے کی اصل غرض حاصل ہو۔

اصل پنجم...... فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل صفحہ ۵۷ مطبوعہ مصر میں عبارت ذیل مسطور ہے، لان الامام انما يجهر لاسيما للقوم ليدبروا فى قراته ليحصل احضار القلب۔ اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ امام کو مقتدیوں کی ضرورت کے مطابق ﴿یہ صحیح ہے مگر اپنی طاقت ومقدور کے مطابق اس سے زائد کے اہتمام کا مکلف نہیں بنایا گیا﴾ اپنی قرأت میں جہر کرنا چاہئے تا کہ قوم اس کی قرأت پر تدبر وتفکر کر سکے اور قوم کو حضور قلب حاصل ہو۔

اصل ششم...... آیت کریمہ ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلا سے قرأت میں جس اعتدال وتوسط کا حکم دیا گیا ہے اور مفسرین نے اس کی جو علت بتائی ہے یعنی نماز میں خشیت وتذلل ہونا چاہئے اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ قرأت میں کوئی تصنع وتکلف نہ پیدا ہو جو جرأت وعدم خشیت کی جانب منجر ہے۔

اس کے امتثال کے باوجود اس سے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اگر اصل نمبر ۳/اصل

نمبر ۴ اور اصل نمبر ۵ کے ماتحت مصلیوں تک قرأت کی آواز پہنچانا۔ اس طرح سے ممکن ہو کہ امام کو اپنی قرأت میں کوئی تکلف و تصنع نہ کرنا پڑے اور اس کو کسی جانب مشغولیت بھی نہ ہو تو وہ ﴿بشرطیکہ اس میں کوئی دوسرا محذور شرعی نہ ہو جیسا کہ مکبر الصوت میں ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ احقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ﴾ جائز ہوگا جیسا کہ نماز میں پنکھا جھلوانا ناجائز و مکروہ ہے مگر برقی پنکھوں کا چلانا جائز سمجھا گیا ہے کیونکہ اس میں مصلیوں کو کوئی تکلیف و مشغولیت نہیں ہوتی۔

بناء علیہ اگر نماز عیدین میں متذکرہ غلطیوں سے بچنے اور امام کی قرأت پورے طور پر سننے اور اس کے اعمال کی پوری پوری پیروی و اقتدا ہونے کے خیال سے موصوف الصدر آلۂ مکبر الصوت کو جو کسی نہج آلۂ غنا و سرود اور آلۂ لہو و لعب نہیں ہے نصب کیا جائے اور اس سے اس وقت فلسفی و قدرتی یہ فائدہ اُٹھایا جائے کہ امام کی آواز بلند ہو جائے اور اس کو ہر مصلی چاہے وہ کتنی ہی دُور کیوں نہ ہو اپنی جگہ پر بلا ادنیٰ تغیر کے سُن سکے تو تحقیق طلب اَمر یہ ہے کہ شریعت غراء مصطفوی کا اس کے متعلق کیا حکم ہے۔

بینوا توجروا۔ (١٢، ١۵/ ذیقعدہ ١٣۴٦ھ مطابق ٦ مئی ٢٨ء)

مکرمی و محترمی زاد مجدکم!

سلام مسنون! استفتاء ارسال خدمت شریف ہے جہاں تک ممکن ہو اس کے جواب سے جلد از جلد مشرف فرمایئے عید الاضحیٰ سے دو تین روز پہلے یہاں اس کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی ہے جواب کے لئے ٹکٹ بھی مرسل ہے۔

الجواب من اشرف علی

السلام علیکم! رمضان گزشتہ میں ایک ایسا ہی سوال آیا تھا، مگر مجمل تھا اس کا جو جواب لکھا گیا اس کا نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں جو درج ذیل ہے۔

جواب: اوّل ایک قاعدہ سمجھ لیا جاوے جو کہ عقلی بھی ہے اور نقلی بھی اور فقہاء حنفیہ نے اس قاعدہ پر بہت احکام کو متفرع کیا ہے وہ یہ کہ جو مباح یا مندوب درجۂ

ضرورت ومقصودیت فی الشرع تک نہ پہنچا ہو اور اس میں کوئی مفسدہ باحتمال قریب محتمل ہو تو اس مباح یا مندوب کا ترک اور اس سے منع کرنا لازم ہے عقلی ہونا تو اس کا ظاہر ہے اور قبول فقہاء کے بعد اس کے ماخذ نقلی کے نقل کی ضرورت نہ تھی مگر تبرعاً اس کو بھی نقل کرتا ہوں سو اس کے نقلی ہونے کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم

ظاہر ہے کہ سب آلہیہ باطلہ مباح تو ضرور ہی ہے اور بعض حالات میں مندوب بھی مگر مقصود مستقل نہیں کیونکہ اس کی غایت دوسرے طریق سے بھی حاصل ہو سکتی ہے یعنی حکمت وموعظت ومجادلۂ حسنہ سے اور اس میں مفسدہ تھا **سب مشركين للاله الحق** کا اس لئے اس سے نہی فرمادی گئی اب اس قاعدے کی تمہید کے بعد جواب ظاہر ہے کہ تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعہ سے تبلیغ ممکن ہے اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جاویں گے اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی لہٰذا ترک اور منع لازم ہوگا یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ و لیکچرار ہو اور اگر اس سے مراد خطیب جمعہ وعیدین کا ہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضرور ہونا اظہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت اور مفسدہ اقوی ہے کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ اس تشبہ کی بناء پر فقہاء نے غرس اشجار فی المسجد کو منع فرمایا ہے اور تشبہ بالبیعۃ والکنیسہ سے معلل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (۱۳ر رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ)

الزيادة على الجواب المذكور

حسب اقتضاء خصوصية السوال الحاضر (و هى هذه) باقی سوال میں جن احکام کی مطلوبیت سے اس کی تقویت وتائید کی گئی ہے وہ مفید مدعا نہیں، کیونکہ یہ احکام گو مطلوب ہیں مگر شریعت نے ان کی مطلوبیت کے درجات اور حدود

مقرر کیے ہیں جو کتب مذہب میں مضبوط ومبسوط ہیں ان سے تجاوز کرنا تعمق وغلو فی الدین ہے جو شارع کی نظر میں غیر مرضی ہے، چنانچہ حدیث میں ایک نظیر وارد ہے۔

فی جمع الفوائد قضاء الحاجة ابو وائل کان ابو موسیٰ یشدد فی البول ویبول فی قارورۃ و یقول ان بنی اسرائیل اذا اصاب جلد احدھم بول قرضه بالمقاریض فقال حذیفة لوددت ان صاحبکم لا یشدد ھذا التشدید فلقد رأیتنی انا و رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم نتماشی فاتی سباطة قوم خلف حائط الی قوله فبال الحدیث.

دیکھئے تنزہ عن البول شریعت میں اس درجہ مطلوب ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے پر وعید شدید بھی وارد ہے، اور ایسا مبالغہ فی التنزہ آسانی سے ممکن بھی ہے کیونکہ شیشی قارورہ کی ہر شخص کو میسر ہو سکتی ہے، مگر پھر بھی نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہتمام فرمایا نہ حضرات صحابہ نے، اور اگر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے غلبۂ حال سے اس کا اہتمام کیا بھی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان پر نکیر فرمایا اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نہ اس نکیر پر کچھ کلام فرمایا نہ دوسروں کو ایسا کرنے کی رائے دی، اور فروع مذکورہ فی السوال کی تکمیل انتظام میں تساہل پر اخفض صوت فی التکبیر یا فی القراءۃ پر نہ وعید ہے اور نہ اس تکمیل مخترع کا انتظام سہل ہے تو اس میں ایسا مبالغہ کرنا اور اس کی اشاعت کا اہتمام کرنا یسر فی الدین کے سراسر خلاف ہے وفی ھذا کفایة لمن طلب الحق"۔

(۲۰ر ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ)

جواب بالا پر ذیل کا خط آیا جو مع جواب منقول ہے

سوال...... بسم اللہ الرحمٰن الرحیم **حامداً و مصلیاً!**

مکرمی ومحترمی دام فضلکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

بجواب استفتاء مرسلہ ۱۸ر ذوالقعدۃ الحرام ۱۳۶۴ھ جناب کا گراں قدر فتویٰ مؤرخہ ۲۱ر ذوالقعدہ سنہ مذکورہ ۲۳ر ذوالقعدہ کو موصول ہوا۔

جناب اعلیٰ نے اپنے زرّین فتویٰ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ سروآنکھوں پر، لیکن جناب والا کے تبحر علمی ووسعت نظری سے اس تحریر کے ماتحت گیارہ اُمور کے متعلق جو پانچ دفعات کے ماتحت ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں مزید استفادہ مطلوب ہے لہٰذا وہ معروض ہیں۔

دفعہ اوّل...... جناب اقدس نے اپنے فتویٰ میں یہ عبارت جو تحریر فرمائی ہے۔

''تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعہ سے تبلیغ ممکن ہے، اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جائیں گے، اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی الخ۔

اس کے ماتحت یہ اُمور سمجھ میں نہیں آئے ضرورت ہے کہ ان کی بھی تشریح فرمادی جائے۔

(اُمر اوّل) دوسرے غیر مخدوش ذرائع تبلیغ کون سے ہیں۔

(اُمر دوم) جس عبارت پر خط کھینچا ہوا ہے اس کا مطلب کیا ہے۔

(اُمر سوم) خط کشیدہ عبارت میں اگر لفظ ''آلہ'' اور لفظ ''لہو'' کے درمیان لفظ ''کو'' غلط ہے اور لفظ ''لہو'' کے بعد لفظ ''کو'' ہونا چاہئے تھا اور اصل عبارت یوں ہے ''اس آلہ لہو کو استعمال کرنے کی الخ تو اس آلہ کے آلات ملاہی میں سے ہونے کی دلیل کیا ہے۔

دفعہ دوم...... جناب امجد نے اپنے فتویٰ میں یہ عبارت جو قلمبند فرمائی ہے:

''اگر اس سے مراد خطیب جمعہ وعیدین کا ہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا اظہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت اور مفسدہ اقوی ہے، کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے، نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ الخ۔

اس کے ماتحت: یہ خدشات پیدا ہیں، ضرورت ہے کہ جناب اعظم ان کو رفع فرماویں۔

(اُمر چہارم) اگر در حقیقت شریعت کا مقصود خطبہ میں حضور محض ہے تو جمعہ وعیدین کے خطبوں میں خطیب کے صعود علی المنبر و ادبار عن القبلہ و اقبال الی القوم اور میدانِ عرفات میں یوم النحر کے خطبہ کے وقت خطیب کے رکوب علی

الناقة و تطليعها على جبل الرحمة کا حکم کیوں ہے؟
کیونکہ ان تینوں اُمروں کے نہ ہونے کی حالت میں بھی خطیب کا خطبہ اور قوم کا حضور ممکن تھا، اور کیا اس سے یہ ظاہر ہونے میں کچھ شبہ ہے کہ اس وقت کے موجودہ اسباب کے ماتحت شریعت نے اپنی رخصت میں خطیب کی آواز کو قوم تک پہنچانے کی ہر ممکن طریق سے تعلیم دی ہے، اور حضور محض کو مقصد بنالینا اس لئے ہوا کہ اس وقت کی طرح کوئی ذریعہ سماعت کل قوم کے لئے پیش نظر نہ تھا۔
(اُمر پنجم) جب تک آلۂ زیر بحث کا آلات ملاہی میں سے ہونا ثابت نہ ہو جائے مسجد میں اس کے داخل کرنے سے کیا نقصان ہوگا، اور اس میں مفسدہ کیا ہے؟
(اُمر ششم) مجالس غیر مشروعہ سے وہ کون سی مجالس مراد ہیں؟ جن میں وہ آلہ نصب کیا جایا کرتا ہے اور ان سے تشبہ نہ ہونا ضروری ہے۔
دفعہ سوم ...... جناب محترم نے اپنے فتویٰ میں یہ عبارت جو حوالۂ قلم فرمائی ہے، "کیونکہ یہ احکام گو مطلوب ہیں مگر شریعت نے ان کی مطلوبیت کے درجات اور حدود مقرر کئے ہیں، جو کتب مذہب میں مضبوط و مبسوط ہیں ان سے تجاوز کرنا تعمق وغلو فی الدین ہے جو شارع کی نظر میں غیر مرضی ہے۔
اس کے ماتحت: مصرحۂ ذیل وجوہ سے خلجان لاحق ہے، ضرورت ہے کہ جناب مکرم اس کو رفع فرماویں۔
(اُمر ہفتم) اس مقصد خاص کے لئے شریعت متعینہ ومقررہ درجات وحدود میں سے کوئی درجہ وحد "آیت کریمہ" **ولا تجهر بصلاتک و لا تخافت بها وابتغ بين ذلک** سے زیادہ صریح بھی موجود ہے؟ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ اُمر بہت زیادہ قابل لحاظ ہے کہ مفسرین نے اس کی علت کے بیان میں جو یہ تصریح فرمادی ہے کہ عدم اعتدال جہر واخفاء کی صورت میں خشیت وتذلل کے رفع کا احتمال ہے جو رُوح صلوٰۃ ہے کیا یہ تصریح اس اُمر صریح کا اظہار نہیں ہے، کہ جس جہر فی

الصلوٰۃ میں یہ علت نہ پائی جاتی ہو وہ حدود معینہ شریعت سے باہر نہ ہوگا، اور وہ جائز ہوگا۔ اور یہ اَمر واقع ہے کہ اس آلہ کے ذریعہ جو جہر ہوتا ہے، اس میں علت ممنوعہ نہیں پائی جاتی، کیونکہ امام کا جہر بحالہ معتدل ہے، اور اس کا وصول ما مومین تک امام سے بالکل غیر متعلق ہے، اور امام کے عمل کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

(اَمر ہشتم) شریعت نے جو حدود و دَرجات مقرر کئے ہیں کیا وہ توقیفی ومبنی بر حصر عقلی ہیں؟ اگر نہیں! اور یقیناً نہیں! تو جس طرح جمعہ کی اذان ثانیہ اور مکبّرین کا مکبّرہ پر سے تکبیرات کہنا نظم وترتیب جماعت کے بقاء وتحفظ کی نیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری ہوا اور جائز سمجھا گیا اسی طرح اس آلہ کا استعمال صیانت عن خطاء المصلین فی اقتداء الامام اور حصول المقصد من خطبة الخطیب کے نیت وغرض سے کیوں نہ جاری ہو سکے؟ اور کیوں نہ جائز سمجھا جائے؟

دفعہ چہارم...... حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی جو نظیر جناب معظم نے اپنے فتویٰ میں پیش فرمائی ہے اس پر یہ اعتراضات دماغ میں پیدا ہوتے ہیں، ضرورت ہے کہ جناب مفخم ان کا سد باب فرمادیں۔

(اَمر نہم) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا فعل ایک جلیل المرتبہ صحابی کا فعل تھا جس سے یہ ہوسکتا تھا کہ آئندہ کے لئے وہ ایک اَساس بن جائے اور مسلمان اس کو ضروری قرار دے لیں اور دین میں بجائے یسر کے عسر پیدا ہو جائے، اور اسی خیال سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس پر بقول آپ کے نکیر فرمائی۔

مگر یہاں وہ صورت نہیں ہے، یہاں اگر کوئی شخص جہر صوت کے لئے آلہ مکبّر الصوت کا استعمال کرے گا اور وہ شخص بھی کیسا ہوگا؟ تو اس کا یہ فعل نہ تو کسی وقت اساس قرار پا سکتا ہے اور نہ اس کو مسلمان کبھی ضروری قرار دے سکتے ہیں، اور اس وجہ سے اس سے دین میں یسر وعسر کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اور اس موقع پر جو قیاس کیا گیا ہے وہ قیاس مع الفارق ہے۔

(امر دہم) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے فعل پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے "لوددت ان صاحبکم لا یشدد هذا التشدید" سے محض اپنی ذاتی رائے بیان فرمائی ہے نہ یہ کہ ان کو ان کا فعل ایک اَمر ممنوع قرار دے کر منع فرمایا ہو، مگر جناب مقدس یہاں میرے سوال کو ایک اَمر ممنوع دینی قرار دے کر مجھے منع فرما رہے ہیں۔

دفعہ پنجم...... جناب معلی نے بجواب استفتاء اپنے فتویٰ میں مجموعی حیثیت سے جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے اس کے متعلق یہ خیال پریشان کیے ہوئے ہے، ضرورت ہے کہ جناب عالی اپنے ارشادات کے ذریعہ اس سے بھی مطمئن فرمائیں۔

(اَمر یازدہم) جناب گرامی کا تمام فتویٰ محض قیاس واجتہاد پر مبنی ہے، اور اس میں کوئی بات بھی اوامر ونواہی صریحیہ ومستقیمہ میں سے نہیں ہے۔ اور جب جناب سامی خود اس کو جائز رکھتے ہیں تو کیا یہی قیاس واجتہاد کسی دوسرے کے لئے بھی اس کی عقل وفہم برعایت دین ودیانت کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو اس موقع پر استفتاء میں جن اُمور وقیاسات سے بقول آپ کے تقویت دی گئی اور تائید کی گئی ہے وہ مفید مدعا کیوں نہیں ہیں، اور ان میں کون سی قباحت ہے؟ اُمید کہ جناب مستغنی عن الالقاب بغیر کسی گرانی وانقباض طبع کے اپنے اخلاق عالیہ سے میرے ان معروضات و خدشات کا جواب باصواب مگر نمبروار اور جدا جدا ضرور اور جلد مرحمت فرمائیں گے تاکہ طبیعت مطمئن ہو اور اس مسئلہ زیر بحث کے متعلق مزید بصیرت وعلم حاصل ہو۔

میرے دل میں آپ کے اوصاف وعلوم رتبت کا عرصہ سے سکہ جما ہوا ہے، اور مجھے اس کا یقین ہے کہ اگر میرے معروضات کا کوئی لفظ بھی صحیح نکل آئے گا تو جناب فضیلت مآب نہایت فراخی قلب سے اس کا حق ہونا بھی تسلیم فرمالیں گے۔

شریعت مصطفویہ نے ہر چیز کے متعلق صاف وکھلے ہوئے احکام بتائے ہیں، حرام یا حلال جائز یا ناجائز اور میرے نزدیک کسی چیز کو بین بین حالت میں نہیں چھوڑا، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس آلہ کے متعلق صاف صاف حکم معلوم ہو جائے، حرام ہو تو وہ ظاہر

ہو جائے اور حلال ہو تو وہ معلوم ہو جائے، اور یہی اَمر مقتضائے زمانہ ہے، کیونکہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ یہ آلہ ہو یا اسی قسم کے دوسرے آلات وغیرہ وہ عام طور پر استعمال کئے جائیں گے، اور اگر علماء کے فتاویٰ اسی طرح مذبذب اور بین بین حالت میں رہے تو لوگ ان کی پروا کئے بغیر ان کو استعمال کریں گے، اور یہی وہ مواقع ہیں جن میں علماء کا احترام و وقار کھو رہا ہے ایسی صورت میں جو شرعی صورت ہو اس کو نہایت صاف صورت میں مگر بالدلائل والبراہین ظاہر کر دینا ناگزیر ہے۔ **وما علینا الا البلاغ وما ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللّٰہ العلی العظیم۔**

(۲۷/ذوالقعدہ ۱۳۴۵ھ ۱۸/مئی ۱۹۲۸ء)

مزید آنکہ...... مجھے اپنے مطبوعہ استفتاء کی ضرورت بالکل نہیں ہے اس کا خیال آپ نہ فرمائیے اور میرے پاس اس عریضہ کی نقل بھی موجود ہے اس لئے اس کو بھی رکھ لیجئے گا، اور جواب میں میری عبارات کی نقل کی بھی ضرورت نہیں حوالہ کافی ہے، میں نقل سے اس کا پتہ چلا لوں گا۔ فقط۔

جواب......مخدومی! السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ!

گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ گو بوجہ اس کے کہ سب اجزاء کا جواب میرے عریضہ سابقہ میں موجود ہے، احتیاج جواب نہیں سمجھتا مگر امتثالاً للامر توضیح کے طور پر کچھ مختصراً عرض کرتا ہوں۔

تمہید: میرے جواب سابق کے شروع میں تصریح ہے کہ یہ جواب مستقلاً ایک دوسرے سوال کا ہے تو ممکن ہے کہ اس جواب کے بعض اجزاء اس سوال کی خصوصیت کی بناء پر لکھے گئے ہوں مگر سوال جدید کے جواب میں اس کو نقل کرنا اس بناء پر تھا کہ جو اَجزاء دونوں سوالوں میں مشترک ہیں۔ ان کا جواب تو اس میں منقول ہو جاوے گا، اور جو اَجزاء سوال جدید کے ساتھ مختص ہیں ان کا جواب زیادت جدیدہ سے ہو جاوے گا اس تمہید کے بعد اجزاء مسئول عنہا کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

اَمراوّل: اس عبارت میں تبلیغ خطبہ وعیدین کی مراد نہیں بلکہ تبلیغ وعظ ولیکچر کی مراد ہے۔ چنانچہ آئندہ کی قریب ہی عبارت میں اس کی تصریح ہے فی قولی یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ ولیکچرار ہو الخ تو اس صورت میں وہ ذرائع دوسرے واعظین ہیں کہ بعیدین کو وہ سنا سکتے ہیں۔

اَمر دوم: مطلب یہ ہے کہ اس کے استعمال سے عوام یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس آلہ کا استعمال مطلقاً جائز ہے گو لہو ہی میں ہو یا یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس آلہ میں اور دوسرے آلات لہو میں مثلاً گراموفون میں کیا فرق ہے۔ جب اس کا استعمال جائز ہے بقیہ کا بھی جائز ہے۔

اَمر سوم: لفظ کو اپنے مقام میں ہے، غلط نہیں لکھا گیا۔

اَمر چہارم: میری عبارت میں تبلیغ صوت سے مراد مطلق تبلیغ نہیں بلکہ تبلیغ الی الکل ہے یعنی اگر مجموعہ حاضرین نہ سُنیں تو بعض کا سماع اور بقیہ کا حضور کافی ہے اسی لئے میری عبارت میں لفظ حضور کے ساتھ لفظ محض نہیں ہے، اور مطلق سماع کی مقصودیت کی نفی مقصود نہیں۔ پس سماع بھی ضرور مقصود ہوا، اس لئے شریعت نے اس کا اہتمام بھی فرمایا، مگر اسی حد تک جو یسر کے ساتھ ہو، اس کی دلیل قواعد کلیہ شرعیہ اور ایسے واقعات کے متعلق احکام جزئیہ ہیں، جو اس واقعہ کی نظیر ہیں، جس کی طرف میں نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اشارہ کیا ہے۔

اَمر پنجم: اس کا جواب جواب سابق کی اس عبارت میں مذکور ہے، اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی الخ اور افضاء الی المفسدہ حسب تصریح فقہاء مفسدہ میں داخل ہے۔

اَمر ششم: مثلاً مجلس رقص وسرود اس میں تبلیغ صوت الی البعید کے لئے اس کا استعمال کیا جاوے، اگر اس کا وقوع بھی نہ ہوا ہو تو قرب وقوع عادۃً یقینی ہے۔

اَمر ہفتم: ایک علت کے ارتفاع سے دوسرے علل مؤثرہ کا ارتفاع لازم نہیں، اور وہ علل مؤثرہ احقر کے فتویٰ میں مذکور ہیں اور جو ان کے مؤثر ہونے میں خدشات ہیں ان کو اس وقت رفع کر رہا ہوں۔

اَمر ہشتم: وہ حدود کمّاً تو توقیفی نہیں مثلاً اسماع کی کوئی مقدار معین ہوتی لیکن کیفاً توقیفی ہیں، یعنی یہ کہ تعمق وتکلف کی حد تک نہ پہنچے، اور اذان ثانی وغیرہ تعمق کی حد تک نہیں پہنچی اور یہ آلہ تعمق کی حد تک پہنچا ہے، اور مدار اس انطباق کا سلف کے ذوق واجتہاد پر ہے، پس ان کا اذان ثانی کو تجویز کرنا اور اس آلہ کے نظائر کو باوجود تیسران نظائر کے تجویز نہ کرنا اس فرق کی دلیل ہے، ان ہی نظائر میں سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ہے۔

اَمر نہم: اگر یہ بات ہوتی تو فقہاء یہ قاعدہ مطلقاً خواص کے لئے مقرر نہ فرماتے کہ خواص کا فعل اگر عوام کے لئے موہم ہو جاوے تو خواص کے لئے بھی اس کی اجازت نہیں نیز عوام کی حالت کا اب بھی مشاہدہ ہو رہا ہے کہ وہ اہل علم کے فعل کو متمسک قرار دے کر حدود سے نکل جاتے ہیں۔

اَمر دہم: رائے محض نہیں بلکہ رائے ماخوذ عن فعل الشارع ہونے کے سبب حکم شرعی ہے اور صحابی کا ایسا قول حنفیہ کے نزدیک حجت اور مجتہد تک کے لئے واجب التقلید ہے جس کے ہوتے ہوئے اس کو اپنے اجتہاد پر عمل جائز نہیں کما صرح بہ فی اُصول الفقہ باقی عنوان لوددت الخ کا اختیار کرنا یہ ادب فی التعبیر ہے، منافی فتویٰ ہونے کا نہیں جیسے خود ہمارے مجتہدین مذہب مکروہ کو لا احب اور حرام کو اکرہ سے تعبیر فرماتے ہیں غرض بقاعدہ القیاس مظہر لا مثبت یہ فتویٰ نبوی ہے، مگر بواسطہ اجتہاد صحابی کے اب تبرعاً ایک فتویٰ نبوی بلاواسطہ بھی نقل کرتا ہوں:

(ابن عمر) "قلت یا رسول اللّٰہ انتوضاء من جر جدید مخمر احب الیک الم من المطاھر قال لا بل من المطاھر ان دین اللّٰہ لیسر الحنفیة السمحاء قال وکان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یبعث الی المطاھر فیوتی بالماء یشربہ یرجو برکة ایدی المسلمین للاوسط کذا فی جمع الفوائد احکام المیاہ"

اوراس کے نظیر ہونے کی ویسی ہی تقریر ہے جیسی نظیر سابق میں لکھی گئی۔

امر یازدہم: مفید مدعا نہ ہونے کی دلیل خود قول میں مذکور ہے، باقی مقدمات نقل میں کلام یہ آپ کا اجتہاد ہے جس میں مجھ کو توافق نہیں، اور یہی فرمانے کا آپ کو بھی حق ہے، آگے اپنے اپنے عمل کے سب ذمہ دار ہیں، جواب ختم ہوا۔ اس کے بعد آپ نے جو کلمات محبت سے ارشاد فرمائے ہیں اس کا صلہ بجز اس دعا کے کیا کر سکتا ہوں کہ "احبکم الله کما تحبوننی" اس کے بعد آپ نے دینی خیر خواہی سے جو مشورہ دیا ہے گو مجھ کو اس کے اجزاء میں کلام ہے، مگر آپ کی صدق نیت پر نظر کر کے اتنا ہی عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ آپ اپنا حق ادا فرما چکے جزاء کم اللہ تعالیٰ آگے اپنے اور آپ کے لئے یہ دعا ہے اور اسی دُعاء کی آپ سے بھی استدعاء ہے۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه والباطل باطلا وارزقنا اجتنابه سب سے اخیر میں کاغذات رکھ لینے کی اجازت فرمانے پر خاص شکریہ عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو صعوبت نقل سے بچالیا۔

" فاللّٰہ تعالیٰ سھل صعبکم کما سھلتم صعبی والسلام خیر ختام"

نیاز مندانہ گزارش: چونکہ مسئلہ ہذا کے متعلق میرے معلومات ختم ہو چکے، آئندہ کے لئے مزید کلام سے معافی کی اور معافی کے ساتھ دُعاء کی درخواست کرتا ہوں۔

(فقط یکم ذی الحجہ ۱۳۶ھ)

اس کے بعد سوال بالا کا ایک جواب مدرسہ دارالعلوم دیو بند سے بغرض دریافت رائے آیا وہ مع رائے ذیل میں منقول ہے

الجواب: حواشی درمختار للعلامۃ ابن عابدین الدمشقی الشامی رحمۃ اللہ علیہ جلد اوّل مبحث سنن صلوٰۃ میں ہے:

"ثم اعلم ان الامام اذا کبر للافتتاح فلا بد لصحة صلوٰته من قصده بالتکبیر الا حرام والافلا صلوٰة له اذا قصد الاعلام فقط فان جمع بین الامرین بان قصد الاحرام والاعلان للاعلام فذلک هو

المطلوب منه شرعاً و کذلک المبلغ اذا قصد التبلیغ فقط خالیاً عن قصد الاحرام فلا صلوٰة له ولا لمن یصلی بتبلیغه فی هذه الحالة لانه اقتدی بمن لم یدخل فی الصلوة فان قصد بتکبیره الا حرام مع التبلیغ للمصلین فذلک هو المقصود منه شرعاً کذا فی فتاوی الشیخ محمد بن الغززی الملقب بشیخ الشیوخ اھ.

اور درمختار باب مفسدات نماز میں ہے وفتحه علی غیر امامه الا اذا اراد التلاوة وکذا الاخذ اھ۔ حواشی ابن عابدین میں ہے قوله و کذا الأخذ ای اخذ المصلی غیر الامام بفتح من فتح علیه مفسد ایضاً کما فی البحر عن الخلاصة لو اخذ الامام بفتح من لیس فی صلوٰته فیه عن القنیة.

اور درمختار باب سجود التلاوة میں لا یجب سماعه من الصدی والطیر، حواشی میں ہے قوله من الصدی هو ما یجیبک مثل صوتک فی الجبال والصحاری و نحوهما کما فی الصحاح۔

مذکورہ بالا نصوص سے ظاہر ہوگیا کہ چونکہ آلۂ مکبّر الصوت اور ابنو بون (ہارنز) آواز میں جو کہ ڈائل وغیرہ سے آواز کے ٹکرانے سے مثل صدی (گنبد وغیرہ میں گونجنے اور ٹکر کھانے سے پیدا ہونے (والی آواز) ایک یا چند واسطوں سے پیدا ہوتی ہیں، اور چونکہ یہ آلات اور بلیوں کے پر کے ابنوب (ہارنز) خود مکلّف ہیں اور نہ داخل نماز و جماعت بلکہ خارجی ایسی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے مقتدیوں کو تلقین اور تعلیم دی جاتی ہے اور چونکہ ان تکبیروں میں محض تبلیغ کا قصد ہوتا ہے یہ آلات نہ نمازی ہیں اور نہ ان سے نماز پڑھنے کا ارادہ رکھا جاسکتا ہے۔ اس لئے جو لوگ فقط ان آلات کے ذریعہ سے نمازیں ادا کریں گے، ان سبھوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور غیر مصلی سے تعلیم اور استفادہ کا زہریلا اثر ان کی تمام نمازوں کو معنوی موت کے گھاٹ اُتار دے گا لہٰذا اس سے بچنا لازم ہے، جو وجوہ سوال میں جواز یا استحباب کے لئے دکھلائے

گئے ہیں فقہی نقطۂ نظر سے ایک جو کے برابر بھی قدر و منزلت نہیں رکھتے ہیں۔

(ممکن اسلاف حسین احمد غفرلہ)

رائے الاحقر فی ہذا الجواب

اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ اس آلہ سے عین صوت بلند نہیں ہو جاتی، بلکہ گونجے اور ٹکرانے سے اس کی حکایت پہنچ جاتی ہے تو صواب منحصر فی الجواب ہے اور مظنون یہی ہے اور کسی ماہر سائنس ① کی تحقیق سے یہ ظن درجہ تیقن تک پہنچ سکتا ہے اور اگر ثابت ②

---

① بعد اس تحریر کے اس کے متعلق سوال ذیل متعدد ماہرین کے پاس بھیجا گیا۔ دو مقام سے جو جواب آیا وہ اس پر متفق ہیں کہ جو آواز دُور تک پہنچتی ہے عین صوت ہے جو بلند ہو جاتی ہے۔ صوت کی حکایت اور صدائے بازگشت نہیں ہے۔ چنانچہ ذیل میں وہ سوال اور جوابات منقول ہیں۔ ② ماہرین سائنس کی مکمل تحقیق جو حال میں مملکت پاکستان کے ماہرین فن سے حاصل ہوئی اس سے یہی ثابت ہوا کہ عین صوت دُور تک پہنچ جاتی ہے، بازگشت یا آواز کی صورت نہیں لہٰذا اس تحقیق کی بناء پر خود حضرت سیدی حکیم الامت کے جواب کا خلاصہ یہ ہوگا کہ اس کی آواز پر نماز میں نقل و حرکت کرنے سے حکم فساد نماز کا نہ دیا جائے گا، البتہ احتمال فاسد کی بناء پر اس کا ترک کرنا اور سادہ طریق پر نماز ادا کرنا بہتر ہوگا، اس مسئلہ پر ماہرین سائنس کی مکمل تحقیق اور اس سے متعلقہ مسئلہ زیر بحث پر دوسرے اکابر علماء خصوصاً حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سید زاہد کوثری مصری وغیرہم کے فتاویٰ اور ان کی تحقیق پھر مسئلہ کا مکمل فیصلہ احقر کے رسالہ مکبر الصوت میں شائع ہو چکا ہے، ضرورت ہو تو اس کو ملاحظہ فرمایا جاوے۔ (۱۲ محمد شفیع عفی عنہ)

تحقیقات اہل سائنس متعلقہ مکبر الصوت

سوال: لاؤڈ اسپیکر کے ڈائل پر سے مقرر کی جو آواز بلند ہوتی ہے، اور دُور تک کام کرتی ہے وہ عین آواز ہے یا حکایت آواز (یعنی صدائے بازگشت کی طرح ہے کہ آواز ڈائل پر آکر ختم ہو گئی اور صدائے بازگشت لوگوں تک پہنچی اسی طرح دوسرے ڈائل سے تیسرے پر صدائے بازگشت کی کاپی ہے اور تیسرے سے چوتھے پر صدائے بازگشت کی کاپی ہے (مطلب یہ ہے کہ ڈائل پر اصل آواز سنائی دیتی ہے یا نری کاپی ہے اس آواز کے مثل جو پہاڑوں، جنگلوں میں گونجتی ہے کہ اس کو یہاں پر (اس آلہ میں) برقی رو کی استعانت سے باقاعدہ اور اصل کے مشابہ کر لیا ہے، کیا اچھا ہو کہ مستند حوالے بھی جواب میں دو۔

جواب: از سید شبیر علی ایم اے پروفیسر محکمۂ سائنس علی گڑھ بمشورہ دیگر اصحاب محکمۂ مذکورہ معرفت منشی سراج الحق صاحب ماسٹر مسلم یونیورسٹی اسکول علی گڑھ۔

لاؤڈ اسپیکر کے ڈائل پر سے جو آواز بلند ہو کر دُور جاتی ہے، وہ بعینہ آواز متکلم یا خطیب ہوتی ہے، جو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ قوی ہو جاتی ہے، آواز دراصل ہوا میں لہروں کے پیدا ہونے کا نام ہے جو زبان کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے، اور کان کے پردہ پر جا کر اسی قسم کی کیفیت پیدا کرتی ہیں، کان کے پردہ تک پہنچنے سے پیشتر اگر وہ لہریں ضعیف ہو چکی ہیں جس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً بادِ مخالف یا شور و غل وغیرہ) اور پھر ان کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ قوی کر دیا گیا ہے تا کہ وہ زیادہ دُور تک جا سکیں تو ایسی صورت میں لاؤڈ اسپیکر کے بعد جو آواز نکل رہی ہے وہ فی الحقیقت اصلی ہی آواز ڈائل پر جا کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ضعیف قوی ہو جاتی ہے، لاؤڈ اسپیکر ان ضعیف لہروں میں ایک قسم کی نئی جان ڈال دیتا ہے، اور یہ فعل ان لہروں کے معدوم ہونے سے پیشتر ہوتا ہے، یعنی وہ لہریں (متکلم کے منہ سے نکلی ہوئی) بعینہ اپنی اصلی حالت پر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہو جائے کہ عین صوت بلند ہو جاتی ہے تو اس صورت میں حکم وہ ہے جو احقر نے اپنے جواب میں عرض کیا ہے، اور اگر دونوں احتمال ہوں تو پھر بھی جواب وہی ہے جو حضرت مصیب سلمہ اللہ الرقیب القریب نے تحریر فرمایا ہے، مگر توجیہ مختلف فیہ ہے، اور

(بقیہ گزشتہ صفحے) قائم ہوتی ہیں، صدائے بازگشت میں آواز کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ مخرج یا منبع سے آواز نکل کر کسی چیز سے ٹکراتی ہے اور واپس ہوتی ہے، چونکہ اس فاصلہ کو طے کرنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے، اور آواز کی رفتار زیادہ تیز نہیں ہے۔ اس لئے دوسری آواز سنائی دیتی ہے۔ صدائے بازگشت میں وہی آواز ٹکرا کر دوبارہ سنائی دیتی ہے اور لاؤڈ اسپیکر میں وہی آواز ضعیف سے قوی ہو جاتی ہے اس لئے اس میں دو آوازیں نہیں سنائی دیتیں۔ اھ۔

جواب دیگر: از برج نند لال صاحب بی، اے۔ بی ایس سی، ماسٹر سائنس الگزنڈر ہائی سکول بھوپال معرفت منشی مظہر صاحب ماسٹر۔ جب کسی شے میں حرکت ہوتی ہے تو اس عالم میں بیرونی ہوا پر اس کے صدمہ سے ایک صوت تموج پیدا ہوتی ہے جو اصل حرکت بجنسہ مطابق ہوتی ہے ان کو تموج اصوات کہتے ہیں، جب کوئی شے ان کے سدراہ ہوتی ہے تو ان میں بازگشت یا لہر ہوتی ہے، اور چند اُصول کے تحت ان لہروں کا اجتماع ایک مرکز پر ہوتا ہے، اور اس مرکز پر کان کو رکھا جاوے تو وہ آواز اگرچہ ابتداء میں نہایت آہستہ ہو بلند اور صاف سنائی دیتی ہے، دیگر درمیانی مقام پر وہ ہرگز سنائی نہیں دیتی، اگر جہاں سے آواز ہوتی ہے اور جہاں کہ یہ لہر ہوتی ہے دونوں مقامات کے درمیان ایک خاص معینہ فاصلہ سے کم نہ ہو تو اس میں گونج اور صدائے بازگشت پیدا ہوتی ہے، جو اصل آواز سے بلند ہوتی ہے، اور بعض اوقات میلوں تک سُنائی دیتی ہے، جب بھی آواز کسی تنگ نلکی میں ہو کر گزرتی ہے تو مشاہدہ میں آیا ہے کہ وہ بہت بلند ہو جاتی ہے اور دُور تک جاتی ہے، وجوہات کی تفصیل طویل ہے، ایک وجہ ماہرین نے یہ بیان کی ہے کہ نلکی کے اندر کی ہوا میں بکثرت تموج ہوتا ہے جو اصل آواز کے مطابق اور بجنسہ ہوتا ہے، اس سے اصل کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے اور سامعین کو وہ آواز بلند ہو کر سنائی دیتی ہے، جملہ لاؤڈ اسپیکر کی ساخت میں میرا خیال یہ ہے کہ ان ہی دونوں اُصول کو مدنظر رکھا گیا ہے کسی کسی میں ٹیلی فون کے اُصول کی مدد بھی لی جاتی ہے افسوس ہے کہ میرے پاس یا میرے علم میں کوئی کتاب سردست موجود نہیں ہے کہ جس میں اس جدید ایجاد کا ذکر کیا ہو، لیکن یقین ہے کہ اگر کوئی علم طبعیات جو حال ہی میں تیار ہوئی ہو اور جس میں جدید باتوں کا ذکر ہو تو اس میں اس کی تصدیق مل سکے گی، البتہ راقم کے بیان کی صداقت ناظر کی طبعیات یا کسی اور علم صوت کا بیان پڑھنے پر معلوم ہو جاوے گی۔

جواب دیگر: پھر بھوپال سے ماسٹر محمد مظہر کی یہ تحریر آئی جو ذیل میں منقول ہے: آج مدرسہ میں سائنس ماسٹر (یہ وہی صاحب جن کا نام اُوپر برج نندن لال آیا ہے) ملے تھے وہ کہتے تھے کہ آواز جو لاؤڈ اسپیکر سے پیدا ہوتی ہے وہ ہے تو بولنے والے کی آواز کا اثر، مگر وہ اس کے بازگشت کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ پہاڑ پر جو صدا سنائی دیتی ہے وہ غیر محسوس عرصہ کے بعد اس وجہ سے سنائی دیتی ہے کہ وہ آواز خود بخود لوٹتی ہے، لیکن یہاں برقی رو اس میں دیر نہیں ہونے دیتی، قائل کے زبان کی حرکت صرف ایک موج پیدا کرتی ہے، اور یہاں تو کئی ایک موجیں پیدا ہوتی ہیں اور ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے جس طرح ایک راگ گانے والے کی آواز ہوگی، اور اگر لوگ تال ملا دیں تو ہم یہ نہ بتا سکیں گے کہ کون سی کس کی آواز ہے برقی قوت یہی شکل پیدا کرتی ہے، غرض وہ یہ کہتے ہیں کہ برقی قوت کی وجہ سے میں تو کم از کم یہ ماننے میں تامل کرتا ہوں کہ یہ اصلی آواز ہے اور اس کا انکار بھی مجھ سے ممکن نہیں کہ ثبوت مشکل ہے۔ اھ۔

نوٹ: اس جواب کا حاصل تردد ہے، اور تردد کا حکم احقر نے مولانا حسین احمد صاحب کے جواب کے متعلق اپنی جو رائے لکھی ہے اس کے اخیر میں ذکر کیا ہے۔ (اشرف علی۔ ۲۳ محرم الحرام ۵۷ھ)

• جواب دیگر: پھر حیدرآباد سے مولوی عبدالحئی صاحب کی تحریر آئی جو ذیل میں منقول کی جارہی ہے:

وہ توجیہ یہ ہے کہ عین صوت کا عدم بلوغ الی البعید پہلے سے متیقن ہے اور اب اس میں شک واقع ہوگیا، اور الیقین لا یزول بالشک اس لئے عدم بلوغ کا حکم کر کے اس صوت کو مثل صدی کے حکم دیا جائے گا۔ (۵ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ)

❁❁❁

(بقیہ گزشتہ صفحے) **سوال:**۔ بخدمت علماء سائنس وحکمت معروض ہے کہ آج کل ایک آلہ (لاؤڈ اسپیکر) جس کو مکبّر الصوت بھی کہتے ہیں اس کی تحقیق کی ضرورت ہے کہ اس میں بولنے والے کی آواز عینہ بلند ہوکر مسموع ہوتی ہے یا مثل صدائے گنبد آواز کی حکایت کرتی ہے اس کا جواب مستند حوالوں اور وجوہ سے عنایت فرمایا جائے کیونکہ اس کی تحقیق پر چند مسائل فقہیہ کی تفریع موقوف ہے۔ (۲۸ محرم الحرام ۱۳۷۲ھ)

جواب: آواز کے متعلق علمائے سائنس کی یہ رائے ہے کہ جس جسم سے آواز نکلتی ہے وہ ایک خاص قسم کی ارتعاشی حرکت کرتا ہے، یہ ارتعاشی حرکت مادّی واسطہ میں بجنسہٖ منتقل ہوتی ہے، اور عام طور پر بالآخر ہوا میں منتقل ہوکر سننے والے کے کان تک پہنچتی ہے (مکبّر الصوت) مختلف قسم کے ہیں، برق کی نوعیت کے (مکبّر الصوت) میں بولنے والا بات کرتا ہے تو آواز کی موجیں براہِ راست منعکس ہوکر سننے والے تک منتقل ہوتی ہیں، بلندی آواز کی وجہ اس خاص صورت میں یہ ہے کہ موجوں کی توانائی ہوا کے وسیع رقبوں میں پھیل کر منتشر نہیں ہونے پاتی بلکہ ایک خاص سمت میں ان موجوں کی ہدایت ہونے سے آواز تقریباً اپنی کامل ابتدائی توانائی کے ساتھ سامع تک پہنچ جاتی ہے، اس آواز کو بلاشبہ بولنے والے ہی کی آواز سمجھ سکتے ہیں، اس مکبّر الصوت سے آواز کا انتقال بہت دُور تک نہیں ہوسکتا۔

اگر مکبّر الصوت برقی نوعیت کا ہے جیسا کہ معمولی لاسلکی ٹیلی فون کے ساتھ استعمال کرنے کا آلہ ہوتا ہے تو اس کی نوعیت بالکل جداگانہ ہے، یہاں آواز پیدا کرنے والے جسم کی ارتعاشی حرکت اپنی نوعیت بدل کر ایک دوسری قسم کی ارتعاشی صورت اختیار کرلیتی ہے، گویا کہ آواز کی نقل برقی رووں یا برقی موجوں میں تیار کرلی جاتی ہے اور وہ سننے والے کے آلۂ سماعت میں داخل ہوکر بالآخر آواز کے مادّی ارتعاش کی شکل میں تبدیل ہوجاتی ہے جو کہ آواز کے پیدا کرنے کے لئے لازمی ہے، اور اس طرح سننے والا نقل در نقل یا بالواسطہ طریقہ سے آواز سُن پاتا ہے، ایسے لاؤڈ اسپیکروں کی آواز ابتدائی آواز کی محض نقل یا حکایت ہی سمجھی جاسکتی ہے۔ (۳ صفر ۱۳۷۲ھ)

نوٹ: اس جواب کا حاصل اس کا حکم ہے کہ یہ آواز صدائے بازگشت ہے تو اس بناء پر مولانا حسین احمد صاحب کا جواب مذکورہ بالا متعین ہے۔ (اشرف علی ۱۰ صفر ۱۳۷۲ھ)

اغلاط العوام

حضرت حکیمُ الاُمت مُجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العُلوم القرآنیۃ، واقف الاُسرار الفرقانیۃ،
رأس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ، کاشف الأسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

روزمرہ کی زندگی میں جو غلط مسائل مشہور اور رائج ہو جاتے ہیں اس رسالہ میں حکیم الامت رحمہ اللہ نے اُن کی نشاندہی فرما کر اِصلاح فرمائی ہے تاکہ عوام الناس اِن اغلاط سے بچ سکیں اور شریعت مطہرہ رسوم و بدعات سے پاک صاف ہو کر عملی زندگی کیلئے نکھر کر سامنے آجائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ آغاز

بعد الحمد والصلوٰۃ مقصود بالاظہار یہ امر ہے کہ باوجود اس کے کہ اس وقت بفضلہٖ تعالیٰ علم دین کا سامان یعنی کتب مطبوعہ کی دستیابی اور ارزانی پھر ان کا اُردو ترجمہ ہو جانا اور علماء حقانی کا جا بجا وجود اور دین پر وعظ کہنا اور بعض حضرات کا حسب ضرورت از خود یا بلانے پر جانا بھی یہ سب جس کثرت سے ہے ظاہر ہے اور محل شکر ہے مگر باوجود اس کے پھر بھی اکثر عوام بلکہ بعض خواص کالعوام میں بھی بعضے ایسے غلط مسئلے مشہور ہیں جن کی کوئی اصل شرعی نہیں اور وہ ان کا ایسا یقین کیے ہوئے ہیں کہ ان کو ان میں شبہ بھی نہیں پڑتا تا کہ علماء سے تحقیق ہی کر لیں اور اکثر علماء کو بھی ان غلطیوں میں عوام کے مبتلا ہونے کی اطلاع نہیں تا کہ وہی وقتاً فوقتاً ان کا ازالہ کرتے رہیں۔ جب نہ عوام کی طرف سے تحقیق ہو اور نہ علماء کی جانب سے تنبیہ ہو تو ان غلطیوں کی اصلاح کی کوئی صورت ہی نہ رہی۔ اس لیے مدت سے خیال تھا جو بفضلہٖ تعالیٰ اب ظہور میں آیا کہ ایسی غلطیوں پر جہاں تک اطلاع ہو ان کو ضبط کر دیا جائے جس طرح علماء نے احادیث میں موضوعات کو مدون کیا ہے۔ یہ رسالہ فقہیات کا موضوعات ہے اور گو یا مسائل مختلف ابواب کے ہیں مگر ترتیب وار لکھنا دُشواری سے خالی نہ تھا۔ اس لیے مخلط طور پر لکھ دیا ہے۔ بعد ضبط ہو جانے کے اگر کوئی صاحب نظر ثانی کر کے اس کا مرتب کرنا چاہیں اس وقت سہل ہوگا۔ (الحمدللہ! اب یہ رسالہ جدید اضافات اور فقہی ترتیب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ ۱۲ ناشر)

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی
الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

عقیدے

مسئلہ۱: مشہور ہے کہ جو شخص نیا مسلمان ہو اس کو مسہل دینا چاہیے ورنہ وہ پاک نہیں ہوتا۔ سو یہ بات محض بے اصل ہے۔..... مسئلہ۲: مشہور ہے کہ گالی دینے سے چالیس روز تک ایمان سے دُور ہو جاتا ہے، اگر اس مدت میں مر جاوے تو بے ایمان مرتا ہے سو یہ محض غلط ہے۔ ہاں گالی دینے کا گناہ الگ بات ہے۔

مسئلہ۳: بعض عوام کا یہ اعتقاد ہے کہ جس کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے یہ بھی غلط ہے۔..... مسئلہ۴: بعض عوام یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ چوتھے آسمان پر ہے، جامع مسجد دہلی اس کی نقل ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں، مسجد اقصیٰ شام میں ہے اور جامع مسجد دہلی اس کی نقل نہیں ہے۔..... مسئلہ۵: اکثر عوام اور خصوصاً عورتیں مرض چیچک اور کنٹھی میں علاج کرنے کو برا سمجھتے ہیں اور بعض عوام اس مرض کو بھوت پریت کے اثر سے سمجھتے ہیں، یہ خیال بالکل غلط ہے۔

مسئلہ۶: بعض عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اگر نئی دُلہن اپنے گھر یا صندوق وغیرہ کو قفل لگا دے تو اس کے گھر کا تالا لگ جاتا ہے یعنی ویران ہو جاتا ہے، یہ خیال بالکل غلط ہے۔

مسئلہ۷: بعضے عوام سمجھتے ہیں کہ جو کوئی "قل اعوذ برب الناس" کا وظیفہ پڑھے اس کا ناس ہو جاتا ہے۔ یہ خیال محض غلط ہے بلکہ اس کی برکت سے تو وہ مصائب سے نجات پاتا ہے۔

مسئلہ۸: بعض عوام خصوصاً عورتیں کہتی ہیں کہ دروازہ کی چوکھٹ پر بیٹھ کر کھانا کھانے سے مقروض ہو جاتا ہے، یہ خیال غلط ہے۔

مسئلہ۹: بعض عوام کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر جمعرات کی شام کو مُردوں کی روحیں اپنے اپنے گھروں میں آتی ہیں اور ایک کونے میں کھڑے ہو کر دیکھتی ہیں کہ ہم کو کون ثواب بخشتا ہے، اگر کچھ ثواب ملے گا تو خیر ورنہ مایوس ہو کر لوٹ جاتی ہیں۔

مسئلہ۱۰: بعض عورتیں ایسی عورت کے پاس کہ جس کے بچے اکثر مر جاتے ہوں خود جانے اور بیٹھنے سے رُکتی ہیں اور اپنے بچوں کو بھی ایسی جگہ جانے سے روکتی ہیں اور یوں کہتی ہیں کہ مرت بیائی لگ جائے گی، یہ بہت بری بات ہے، ایسا کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔

مسئلہ۱۱: بعض عوام خصوصاً عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ ہر آدمی پر اس کی عمر کا تیسرا اور آٹھواں اور تیرہواں اور اٹھارہواں اور اکیسواں اور اڑتیسواں اور تینتالیسواں اور اڑتالیسواں سال بھاری ہوتا ہے، یہ خیال غلط ہے اور برا عقیدہ ہے۔

مسئلہ۱۲: اکثر عوام سمجھتے ہیں کہ کتے کے رونے سے کوئی وبا یا بیماری پھیلتی ہے۔ یہ بھی محض بے اصل ہے۔..... مسئلہ۱۳: مشہور ہے کہ اگر کسی گھر میں لڑائی کروانی منظور ہو تو اس گھر میں سہ (قنفذ) (قنفذ ایک جانور ہے جس کو سہ کہتے ہیں۔ اس کے بدن پر کانٹے ہوتے ہیں) کا کانٹا رکھ دو جب تک وہ کانٹا اس گھر میں رہے گا اہل خانہ لڑتے رہیں گے۔ سو یہ محض غلط بات ہے۔

مسئلہ۱۴: جہلا میں دستور ہے کہ جب کوئی سفر کو جاوے تو عورتیں کہتی ہیں کہ ابھی جھاڑو نہ دو کیوں کہ فلاں ابھی ابھی سفر کو گیا ہے سو یہ لغو بات ہے۔

مسئلہ۱۵: مشہور ہے کہ جب اولا پڑے تو موسل کو سیاہ کر کے باہر پھینک دیا جائے تو اولے بند ہو جاتے ہیں، سو یہ غلط ہے۔

مسئلہ۱۶: مشہور ہے کہ خرمن میں ہاتھ دھو کر کھانا نہ کھانا چاہیے اور اس سے اخذ کیا جاتا ہے کہ خرمن ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں سو یہ غلط ہے۔

مسئلہ۱۷: مشہور ہے کہ عورت حالتِ حیض یا حمل میں فوت ہو جائے اس کو سنگل ڈال کر دفن کیا جاوے کیونکہ وہ ڈائن ہو جاتی ہے اور جو اس سے ملے اسے کھاتی ہے، سو یہ شرک ہے۔

مسئلہ۱۸: مشہور ہے کہ جہاں میت کو غسل دیا جائے وہاں تین دن چراغ کیا جائے۔ سو یہ بات بے اصل ہے۔

کتاب الطہارۃ والنجاسۃ

مسئلہ ۱: بعض عورتوں میں مشہور ہے کہ کوا وغیرہ گھڑے میں چونچ ڈال دے تو اس میں اتنا پانی بھرے کہ باہر کو نکل جاوے، اس سے پاک ہو جاتا ہے تو اس کی کچھ اصل نہیں، جس جانور کا جھوٹا مکروہ یا ناپاک ہے، پانی تر جانے سے بھی ویسا ہی رہے گا اور اگر پاک ہے تو اس کی حاجت نہیں۔

مسئلہ ۲: بعض عوام کہتے ہیں کہ اگر پانی میں ناخن ڈوب جائے تو اس کا استعمال کرنا مکروہ ہے سو یہ محض غلط ہے۔ البتہ اگر ناخن میں میل مجتمع ہو تو ایسا کرنا لطافت کیخلاف ہے۔

مسئلہ ۳: عوام میں مشہور ہے کہ چراغ کا تیل ناپاک ہوتا ہے مگر یہ محض بے اصل ہے عجب نہیں کہ کسی نے اس سے احتیاط رکھنے کو اس بنا پر کہا ہو کہ لوگ چراغ کو جگہ بے جگہ رکھ دیتے ہیں اور اس وجہ سے ایسا بھی اتفاق ہو جاتا ہے کہ اس میں سے کتا چاٹ جاتا ہے اس لیے اس تیل سے احتیاط کا مشورہ کسی نے دیا ہوگا عوام نے اس کو یقینی ناپاک قرار دے دیا اور اس کی وجہ بھی بعض عوام سے سنی گئی ہے کہ وہ جلتا ہے اس لیے ناپاک ہو جاتا ہے حالانکہ جلنے کو ناپاک ہونے میں کوئی دخل نہیں، غرض دعویٰ اور دلیل دونوں مہمل ہیں۔

مسئلہ ۴: حقہ کے پانی کو بھی عوام ناپاک سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس سے بچنا لطافت کے لیے ضروری ہے لیکن اس سے نجس ہونا لازم نہیں آتا۔

مسئلہ ۵: بعض عوام سمجھتے ہیں کہ اگر کتے سے کوئی چیز، کپڑا، برتن وغیرہ چھو جائے تو وہ چیز ناپاک ہو جاتی ہے۔ یہ غلط ہے۔ البتہ رال لگنے سے ناپاک ہو جاوے گا۔

وضو وغسل

مسئلہ ۱: مشہور ہے کہ کسی کا ستر کھلا ہوا نظر پڑنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، سو یہ محض غلط ہے۔ مسئلہ ۲: مشہور ہے کہ سُور کے دیکھنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی کچھ اصل نہیں۔ مسئلہ ۳: مشہور ہے کہ استنجاء کے بچے ہوئے پانی سے وضو نہ کرنا

چاہیے۔ سو یہ محض غلط ہے۔ مسئلہ۴: بعض لوگ [illegible]
ہو اس سے پنجگانہ نمازوں میں سے کوئی نماز [illegible] غلط ہے۔
مسئلہ۵: بعض عورتیں سمجھتی ہیں کہ [illegible] ہے۔ [illegible]
محض غلط ہے۔ البتہ بے ضرورت باہر [illegible] ہے۔

تیمم ومسح

مسئلہ۱: بعضے آدمی کپڑے یا تکیہ پر تیمم کر لیتے ہیں۔ اگر چہ [illegible] ہو، سو یہ بالکل درست نہیں۔

حیض ونفاس

مسئلہ۱: مشہور ہے کہ زچہ جب تک غسل نہ کرے اس کے ہاتھ کی کوئی چیز کھانا درست نہیں، یہ بھی غلط ہے حیض اور نفاس میں ہاتھ ناپاک نہیں ہوتے۔
مسئلہ۲: بعض عوام کہتے ہیں کہ چلے کے اندر زچہ خانے میں خاوند کو نہ جانا چاہیے، سو اس کی کوئی اصل نہیں۔
مسئلہ۳: عوام کہتے ہیں کہ جو عورت حالت حیض میں ہو اور زچہ مر جائے اس کو دوبارہ غسل دینا چاہیے، یہ محض بے اصل ہے۔
مسئلہ۴: عام عورتیں زچہ خانہ میں چالیس روز تک نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتیں۔ اگر چہ پہلے ہی پاک ہو جائیں سو یہ بالکل دین کے خلاف بات ہے۔ چالیس دن نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔
باقی اقل مدت کی کوئی حد نہیں، جس وقت پاک ہو جائے غسل کر کے فوراً نماز شروع کرے۔ اسی طرح اگر چالیس دن میں بھی خون موقوف نہ ہو تو چالیس دن کے بعد پھر اپنے آپ کو پاک سمجھ کر نماز شروع کر دے۔

اذان واقامت وامامت

مسئلہ ۱: مشہور ہے کہ اذان نماز کے لیے مسجد میں بائیں طرف اور اقامت یعنی تکبیر داہنی طرف شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

مسئلہ ۲: مشہور ہے اگر مقتدی عمامہ باندھے ہو اور امام صرف ٹوپی پہنے ہو تو نماز مکروہ ہے۔ یہ محض بے اصل بات ہے۔ البتہ جو شخص خالی ٹوپی سے بازار اور مجمع احباب میں جاتا ہوا منقبض ہو، اس کو بدون عمامہ کے نماز پڑھنا مکروہ ہے خواہ وہ امام یا مقتدی ہو۔

مسئلہ ۳: بعض لوگ اذان کے سامنے سے یا دُعا کے سامنے سے جانا ناجائز سمجھتے ہیں۔ اس کی کچھ اصل نہیں۔

مسئلہ ۴: عوام متکبرین میں مشہور ہے کہ جس امام کے گھر میں پردہ نہ ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں، سو سمجھ لیا جاوے کہ معترضین کی بیبیاں اگر ایک نامحرم کے روبرو بھی آتی ہوں تو ان کو بھی بے پردہ کہا جاوے گا اور امام و مقتدی سب یکساں ہونگے۔

مسئلہ ۵: بعض کو طاعون میں اذانیں دیتے ہوئے دیکھا ہے اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

نماز وجماعت وخطبہ

مسئلہ ۱: مشہور ہے کہ چارپائی پر نماز پڑھنے سے بندر ہو جاتا ہے۔ سو یہ محض بے اصل ہے۔ مسئلہ ۲: مشہور ہے کہ چاند اور سورج کے گہنے کے وقت کھانا پینا منع ہے۔ سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں، البتہ وہ وقت توجہ الی اللہ کا ہے۔ اس وجہ سے کھانے پینے کا شغل ترک کر دینا اور بات ہے۔ رہا یہ کہ دُنیا کے تمام کاروبار بلکہ گناہ تک تو کرتا رہے اور صرف کھانا پینا چھوڑ دے یہ شریعت کو بدل ڈالنا اور بدعت ہے۔

مسئلہ ۳: بعضی عورتیں نماز پڑھ کر جانماز کا گوشہ یہ سمجھ کر اُلٹ دینا ضروری سمجھتی ہیں کہ شیطان اس پر نماز پڑھے گا، سو اس میں کسی بات کی بھی اصل نہیں۔

مسئلہ۴: عوام کا معمول ہے کہ مریض جب جماعت میں شریک ہوتا ہے تو تمام صف کے کنارے پر اور بائیں طرف بیٹھتا ہے۔ گویا درمیان میں کھڑے ہونے کو برا سمجھتے ہیں۔ سو یہ امر محض بے اصل ہے۔

مسئلہ۵: بعض کا خیال ہے کہ تہجد کے بعد سونا نہ چاہیے ورنہ تہجد جاتا رہتا ہے۔ سو اس کی کوئی اصل نہیں اور بہت آدمی اس وجہ سے تہجد سے محروم ہیں کہ صبح تک جاگنا مشکل ہے اور سونے کو ممنوع سمجھتے ہیں۔ سو جان لینا چاہیے کہ سو رہنا بعد تہجد کے درست ہے۔

مسئلہ۶: مشہور ہے کہ اندھیرے میں نماز پڑھنا ناجائز ہے، سو یہ محض غلط ہے۔ البتہ اتنی اٹکل ضرورر ہے کہ قبلہ سے بے رُخ نہ ہو۔

مسئلہ۷: بعضی عورتیں کہتی ہیں کہ اگر کئی عورتیں ایک جگہ کھڑی ہو کر نماز پڑھیں تو آگے پیچھے کھڑا ہونا درست نہیں محض غلط ہے۔..... مسئلہ۸: بعض لوگ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کر کے دونوں طرف سلام بھی پھیرے یہ بھی محض غلط ہے۔

مسئلہ۹: عوام میں مشہور ہے کہ نماز عشاء سے پہلے سو رہنے سے عشاء کی نماز قضا ہو جاتی ہے یعنی اگر پھر پڑھے تو قضا کی نیت کرے۔ سو یہ بالکل غلط ہے، البتہ بلا عذر سونا درست نہیں اور نصف شب کے بعد مکروہ وقت ہو جاتا ہے، اگرچہ سویا بھی نہ ہو۔

مسئلہ۱۰: عورتوں میں مشہور ہے کہ عورتیں مردوں سے پہلے نماز پڑھیں، سو یہ محض غلط ہے۔ مسئلہ۱۱: بعض عورتیں سمجھتی ہیں کہ تلاوت کے سجدہ دو ہونے چاہئیں، یعنی پہلے ایک آیت پڑھے تو دو سجدے واجب ہو جاتے ہیں، سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ۱۲: عوام میں مشہور ہے کہ نماز میں داہنا انگوٹھا سرک جانے سے نماز جاتی رہتی ہے سو یہ محض غلط ہے۔ البتہ بلا ضرورت اُٹھانا بہت عیب ہے۔

مسئلہ۱۳: بعض عوام کہتے ہیں کہ سنت کے بعد نہ بولے، اگرچہ گھوڑے کی ٹاپ میں دب گیا ہو اس کی کچھ اصل نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے میں علاوہ فساد عقائد کے بعض اوقات کوئی واجب شرعی بھی ترک ہو جاوے گا۔ مثلاً کسی نے مسئلہ پوچھا یا کسی امر میں اعانت چاہی۔

مسئلہ ۱۴: بعض کو دیکھا ہے کہ ریل میں سوار ہو کر بلا عذر بھی نماز بیٹھ کر یا بے رُخ پڑھ لینے سے جائز سمجھتے ہیں، سو ریل میں کوئی حکم نہیں بدلتا اور جاننا چاہیے کہ تھوڑی سی دُشواری بھی نہیں، معمولی دقتیں تو گھر میں بھی پیش آ جاتی ہیں۔ اسی طرح نماز ن بیبیاں بہلی میں بیٹھ کر نماز پڑھ لیتی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں بہلی کے ٹھہرانے میں خطرہ نہ ہو وہاں زمین پر اُتر کر نماز پڑھنی چاہیے، پردہ برقعہ کا کافی ہے۔

مسئلہ ۱۵: بعضے عوام ایسے مرض میں نماز چھوڑ دیتے ہیں جس میں بدن اور کپڑا پاک رہنا مشکل ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس حالت میں نماز جائز ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ سو یہ خیال محض غلط ہے کہ علماء سے مسائل پوچھ کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔ ایسی حالت میں بھی نماز دُرست ہو جاتی ہے۔ جب دھونے سے سخت تکلیف ہو یا مرض بڑھنے کا ڈر ہو اور کپڑے بدلنے کے لیے زیادہ نہ ہوں تو اسی طرح نماز درست ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۱۶: بعض عوام کو اس کا بھی پابند دیکھا ہے کہ جب جمعہ کے لیے آتے ہیں، اوّل مسجد میں تھوڑی دیر بیٹھ کر پھر سنتیں پڑھتے ہیں۔ گو نزدیک ہی سے آئے ہوں اور گو سانس درست کرنے کی بھی ضرورت نہ ہو۔ سو اس کی کوئی اصل نہیں اور سانس کی درستگی تھوڑی دیر کھڑے رہنے سے بھی ممکن ہے، یہ کیا ضرور ہے کہ بیٹھ ہی جاویں۔

مسئلہ ۱۷: مشہور ہے کہ جن کی سنتیں صبح کی رہ جاویں اس کے درست ہونے کی یہ شرط ہے کہ سورج نکلنے تک اسی جگہ بیٹھا رہے۔ سو یہ بھی غلط ہے بلکہ یہ جائز ہے کہ کسی کام میں لگ جاوے اور بعد آفتاب نکلنے کے ان کو پڑھ لے۔

مسئلہ ۱۸: بعض عوام کہتے ہیں کہ مسجد کا چراغ خود گل نہ کرے، سو یہ بات لغو ہے بلکہ جب حاجت نہ رہے گل کر دینا چاہیے ورنہ اسراف بھی ہے اور تنہائی میں چراغ جلتا چھوڑنا منع بھی ہے۔..... مسئلہ ۱۹: اکثر عوام کو دیکھا ہے کہ جماعت میں صف بندی کے وقت پاؤں کا انگوٹھا ملا کر سیدھی کیا کرتے ہیں حالانکہ کندھے اور ٹخنے کی سیدھ کرنے سے صف سیدھی کرنی چاہیے۔

مسئلہ ۲۰: اکثر عوام کو اس کا التزام کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ جمعہ کا پہلا خطبہ سننے کے وقت دونوں ہاتھ زانو پر رکھ لیتے ہیں، یہ بھی بے اصل بات ہے۔

مسئلہ ۲۱: اکثر عوام جمعہ کے خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر بلند آواز سے دُرود شریف پڑھتے ہیں یہ جائز نہیں، زبان سے دُرود شریف نہ پڑھے ہاں دل ہی دل میں پڑھ لینے کا مضائقہ نہیں۔

مسئلہ ۲۲: بعضے عوام نماز میں بائیں کہنی کھلے رہنے سے نماز میں خرابی آنا سمجھتے ہیں۔ یہ خاص بائیں کہنی کی تخصیص غلط ہے بلکہ دونوں میں سے خواہ دائیں ہو یا بائیں کھلی رہنے سے نماز مکروہ ضرور ہوگی۔

قرأت وتجوید

مسئلہ ۱: قرآن مجید میں بعضے مقامات پر بے موقع وصل کرنے سے کفر کا فتویٰ بعض نے لکھ دیا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ الحمد شریف میں بعضے حروف کے وصل سے شیطان کا نام پیدا ہونا لکھ دیا ہے، سوان دونوں امر کی کچھ اصل نہیں۔ البتہ قواعد قرأت کے اعتبار سے یہ دونوں وصل بے قاعدہ اور قبیح ہیں مگر کفر یا شیطان کے نام کا دعویٰ محض تصنیف ہے۔

مسئلہ ۲: حفاظ وغیرہم میں مشہور ہے کہ سورۂ براءت پر کسی حالت میں بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی۔ سو بات یہ ہے کہ صرف ایک حالت میں اس میں بسم اللہ نہیں ہے کہ اوپر سے پڑھتے پڑھتے سورۂ براءت شروع کرے باقی اگر تلاوت اسی سورۃ سے شروع کرے یا درمیان میں کچھ وقفہ کر کے بقیہ سورۃ پڑھے تو بسم اللہ کہے۔

دُعاء وذکر واذکار

مسئلہ ۱: عوام میں مشہور ہے کہ بے وضو دُرود شریف پڑھنا دُرست نہیں، سو یہ بالکل غلط ہے بلکہ قرآن بھی پڑھنا بلا وضو درست ہے۔ البتہ قرآن شریف کو ہاتھ لگانا بلا وضو درست نہیں۔..... مسئلہ ۲: مشہور ہے کہ دوپہر کے وقت قرآن پڑھنا ممنوع

ہے۔سو یہ محض غلط ہے۔البتہ نماز پڑھنا اس وقت ممنوع ہے۔

مسئلہ۳: اس طرف اکثر عامل بھی التفات نہیں کرتے کہ آیات قرآنیہ کو بے وضو لکھ دیتے ہیں، اسی طرح بے وضو آدمی کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں، اس کا لکھنا اور مس کرنا دونوں بلا وضو ناجائز ہیں۔..... مسئلہ۴: ذکرِ جہر کو بعض مشائخ بلا کسی شرط کے جائز سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے اس کے جواز کی ایک بہت ضروری شرط یہ ہے کہ اس سے کسی نماز پڑھنے والے کا دل پریشان نہ ہو اور سونے والے کی نیند خراب نہ ہو اور جہاں اس کا احتمال ہو آہستہ ذکر کرے، اگرچہ پکار کر کرنے کی تعلیم کی گئی ہو۔

مرض الموت وجنازہ

مسئلہ۱: مشہور ہے کہ خاوند بیوی کے جنازہ کا پایا بھی نہ پکڑے، سو یہ بھی محض غلط ہے۔اجنبی لوگوں سے وہ زیادہ مستحق ہے۔

مسئلہ۲: مشہور ہے کہ میت اگر گھر میں یا محلہ میں ہو اس کو لے جانے تک کھانا پینا گناہ ہے، یہ بات بھی محض بے اصل ہے۔..... مسئلہ۳: عوام کہتے ہیں کہ میت کے غسل کے پانی پر پاؤں رکھنا دُرست نہیں اور اسی خیال سے غسل دینے کے لیے ایک لحد کھودتے ہیں کہ سب پانی اسی میں رہے سو یہ بالکل غلط ہے۔

مسئلہ۴: بعضے عوام محرم میں قبروں پر تازہ مٹی ڈالنے کو ضروری سمجھتے ہیں سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔..... مسئلہ۵: بعضے عوام میں اس کا بڑا اہتمام ہے کہ مُردے کو گھر کے برتنوں سے غسل نہ دینا چاہیے بلکہ کورے منگا کر غسل دیویں اور پھر ان برتنوں کو گھر میں استعمال نہ کریں بلکہ مسجد میں بھیج دیں یا توڑ دیں یہ بھی محض بے اصل ہے۔

مسئلہ۶: عوام کو دیکھا ہے کہ نماز جنازہ کی تکبیرات کہتے وقت منہ آسمان کی طرف اُٹھایا کرتے ہیں، یہ بے اصل بات ہے۔..... مسئلہ۷: اکثر جگہ دستور ہے کہ جنازہ دفن کرتے وقت مُردہ کو قبر میں چت لٹا کر صرف اس کا منہ قبلہ کی طرف کر دیتے

ہیں، یہ ٹھیک نہیں بلکہ قبلہ کی طرف بالکل کروٹ دے دینا چاہیے۔
مسئلہ ۸: اکثر عوام نزع کی حالت میں شربت پلانے کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ پلانے والے کو ملامت کرتے ہیں حالانکہ نہ یہ ضروری ہے نہ قابل ملامت بلکہ ایسا سمجھنا خود برا ہے۔

روزہ

مسئلہ ۱: مشہور ہے کہ ایک روزہ رکھنا اچھا نہیں۔ اس مشہور کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔ مسئلہ ۲: بعض میں مشہور ہے کہ محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ نہ رکھے کیونکہ یزید کی ماں نے رکھا تھا، محض غلط ہے۔..... مسئلہ ۳: عوام میں مشہور ہے کہ جو شخص شش عید کے روزے رکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ ایک روزہ ضرور عید سے اگلے ہی دن رکھے ورنہ پھر وہ روزے نہ ہوں گے سو یہ بالکل بے اصل بات ہے۔
مسئلہ ۴: بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ نفل روزہ کی سحری نہیں ہوتی، سو یہ غلط ہے اس میں فرض اور نفل روزے سب برابر ہیں۔..... مسئلہ ۵: بعض عوام سے سنا گیا ہے کہ نفل روزہ بعد نماز مغرب کے افطار کرے، سو اس کی بھی کچھ اصل نہیں۔

زکوٰۃ وحج وقربانی وعقیقہ ونذر

مسئلہ ۱: بعض عوام کہتے ہیں کہ بقر عید کے روز قربانی کرنے تک روزہ سے رہے۔ یہ محض بے اصل ہے۔ البتہ قربانی سے اوّل کھانا کھانا مستحب ہے لیکن وہ روزہ نہیں ہے نہ تو کھانا فرض ہے نہ روزہ کا ثواب ہے نہ روزہ کی نیت ہے۔
مسئلہ ۲: بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ احرام میں دو پاٹ کی چادر جس کے درمیان میں سلائی ہو درست نہیں، یہ محض بے اصل ہے۔ مرد کو ممنوع وہ سلائی ہے جس سے کپڑے کو بدن کی ہیئت پر بنایا جاتا ہے جیسے کرتہ پاجامہ وغیرہ۔..... مسئلہ ۳: بعض لوگ بدھیا جانور کی قربانی درست نہیں سمجھتے، سو یہ خیال غلط ہے بلکہ بدھیا جانور کی تو اور زیادہ

فضیلت ہے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بدھیا دُنبہ کی قربانی فرمائی ہے۔

مسئلہ۴: بہت مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں باپ، نانا نانی، دادا دادی کو کھانا درست نہیں، سو اس کی کچھ اصل نہیں۔ اس کا حکم قربانی کا سا ہے۔

مسئلہ۵: بعض عوام کا خیال ہے کہ اگر کسی کو زکوٰۃ کی رقم دی جاوے اور کہا نہ جاوے کہ یہ زکوٰۃ ہے تو شاید زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، سو یہ خیال بالکل غلط ہے بدون کہے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے مگر دل میں ارادہ کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ۶: بعض عوام کا یہ خیال ہے کہ جو زیور چاندی سونے کا روز پہنا جاتا ہے، اس میں زکوٰۃ نہیں سو جان لینا چاہیے کہ رکھا ہوا زیور اور استعمال میں آنے والا زیور سب برابر ہیں۔ سب میں زکوٰۃ ہے۔..... مسئلہ۷: بعض عوام سے سنا گیا ہے کہ قسم کھاتے وقت بائیں ہاتھ کا انگوٹھا موڑ لیا جاوے تو قسم نہیں ہوتی، سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ۸: اکثر عوام کو دیکھا ہے کہ منت و نذر کی شیرینی مسجد میں لا کر عام طور پر تقسیم کر دیتے ہیں، وہاں ان میں بعض سید اور غنی بھی ہوتے ہیں۔ پس سید اور غنی کو دینے سے نذر ادا نہیں ہوتی ہے۔

نکاح وطلاق وخلع وظہار

مسئلہ۱: بعض جگہ عوام کا یہ گمان ہے کہ بلا گواہ بھی محض مرد وزن کی رضا مندی سے نکاح ہو جانے کو دُرست سمجھتے ہیں اور اس کا نام تن بخشی رکھا ہے، سو یہ گمان باطل محض ہے، اس طرح ہرگز نکاح نہیں ہوتا وہ زنا ہوگا۔

مسئلہ۲: مشہور ہے کہ پیر کو مریدنی سے نکاح درست نہیں یہ محض غلط ہے، ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سب بیبیوں کے پیر تھے۔..... مسئلہ۳: مشہور ہے کہ بیس اولاد ہونے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے یہ بھی محض غلط ہے۔..... مسئلہ۴: بعض عوام کہتے ہیں کہ حوا کو برا کہنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے یہ بھی محض غلط ہے البتہ حوا کو برا کہنا جائز نہیں۔

مسئلہ۵: عوام میں مشہور ہے کہ اگر شوہر کے مرنے پر اس کا جنازہ گھر سے نکلنے سے پہلے اس کی عورت گھر سے دوسرے گھر چلی جائے تو جائز ہے۔ بعد جنازہ نکلنے کے جائز نہیں۔ گویا ان عوام کے خیال میں عدت وفات کے وقت سے شروع نہیں ہوتی بلکہ جنازہ لے جانے کے وقت سے شروع ہوتی ہے یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ۶: عام دستور ہے کہ کوئی کافر عورت مسلمان ہو تو مسلمان کرتے ہی اس کا نکاح کسی مسلمان سے کر دیتے ہیں، سو یہ بڑی غلطی ہے اگر کافروں کی عملداری میں کوئی کافر عورت مسلمان ہو جائے تو تین حیض گزرنے سے تو اس پر طلاق پڑے گی۔ اس کے بعد پھر تین حیض عدت، چھ حیض کے بعد نکاح درست ہوگا۔

مسئلہ۷: بیوی اگر شوہر کو باپ کہہ دے تو عوام سمجھتے ہیں کہ نکاح میں خلل ہو جاتا ہے سو یہ محض بے اصل بات ہے بلکہ اگر شوہر بھی بیوی کو ماں یا بیٹی کہہ دے تو نکاح میں فرق نہیں آتا۔ البتہ بیہودہ بات ہے۔ ہاں اگر یوں کہہ دے کہ تو مجھ پر مثل ماں بیٹی کے ہے تو اس میں بعض صورتوں میں عورت حرام ہو جاتی ہے جس کی تفصیل ضرورت کے وقت علماء سے معلوم ہو سکتی ہے۔

مسئلہ۸: بعض عوام کو اس میں شبہ رہتا ہے کہ حالت حیض میں نکاح شاید درست نہیں ہوتا، سو یہ شبہ بے اصل ہے۔ اس حالت میں بھی نکاح درست ہوتا ہے۔ البتہ ناف سے زانو تک اس حالت میں دیکھنا ہاتھ لگانا درست نہیں۔

مسئلہ۹: عوام الناس ممانی اور چچی اور سوتیلی ساس سے نکاح کرنے کو جائز نہیں سمجھتے سو یہ اعتقاد باطل ہے اور یوں کوئی لحاظ کی وجہ سے ان رشتوں سے نکاح نہ کرے وہ اور بات ہے۔..... مسئلہ۱۰: بعض عوام سمجھتے ہیں کہ غصہ میں یا دھمکانے کی نیت سے اگر طلاق دے دے تو طلاق نہیں پڑتی، سو یہ بالکل غلط ہے۔

مسئلہ۱۱: عوام میں مشہور ہے کہ دونوں عیدوں کے درمیان نکاح نہ کیا جائے کیونکہ میاں بیوی کا نبھا نہیں ہوتا۔ سو یہ خیال خلاف شریعت ہے۔

خرید وفروخت، کرایہ، رہن، حق شفعہ وغیرہ

مسئلہ ۱: مشہور ہے کہ غلہ کی تجارت ناجائز ہے مگر یہ امر بالکل غلط ہے۔ البتہ جب قحط کی ایسی حالت ہو کہ غلہ کسی قیمت سے بھی دستیاب نہیں ہوتا اور اب اس کے نہ بیچنے سے خلائق کو تکلیف ہونے لگے ایسی حالت میں غلہ روکنا حرام ہے۔

مسئلہ ۲: مشہور ہے کہ کسی چیز کے خریدنے کے بعد بائع سے کچھ زیادہ مانگنا گناہ ہے جس کو رونگا کہتے ہیں سو یہ بالکل غلط ہے۔ البتہ بائع کو تنگ کرنا حرام ہے لیکن اگر خوشی سے دے دے تو کچھ حرج نہیں۔

مسئلہ ۳: بعضے زمیندار سمجھتے ہیں کہ خودرو گھاس محض روکنے سے مِلک ہو جاتی ہے اور اس کا فروخت کرنا درست ہے، یہ دونوں باتیں محض غلط ہیں۔

مسئلہ ۴: یہ بھی بعضے زمینداروں کو کہتے سنا ہے کہ پھل آنے سے پہلے بہار کا بیچنا ویسے تو دُرست نہیں لیکن اگر اس بیع کے ساتھ کچھ زمین کا ٹھیکہ یعنی اجارہ بھی شامل ہو تو درست ہے۔ سو یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس اجارہ سے وہ بیع دُرست نہیں ہو جاتی۔

مسئلہ ۵: عام زمینداروں کا یہ خیال ہے کہ اگر رہن میں راہن زمین مرہونہ کے منافع کو حلال کر دے تو وہ حلال ہو جاتا ہے۔ سو یہ بالکل صحیح نہیں بلکہ جب رہن میں انتفاع مشروط یا معروف ہو گا حرام ہو گا۔

مسئلہ ۶: بعضے عوام گدھے اور گھوڑے کی جفتی کو برا سمجھتے ہیں، سو اس کی بھی کچھ اصل نہیں، البتہ اس کی اُجرت لینا جائز نہیں۔...... مسئلہ ۷: بعض عوام سمجھتے ہیں کہ حق شفعہ رشتہ دار جدی کے ساتھ خاص ہے۔ سو یہ محض غلط بات ہے۔

مسئلہ ۸: بعض عوام میں مشہور ہے کہ اولاد کے ہوتے ہوئے اگر اپنی جائیداد کا جزو یا کل کسی کو ہبہ کرنا چاہے تو اس کے نافذ ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ جائیداد اس واہب کی مکسوبی ہو، اگر جدی ہو تو جائز نہیں یہ محض غلط ہے۔ مکسوب و موروث کا شرعاً ایک ہی حکم ہے۔

شکار وذبح کا بیان

مسئلہ ۱: مشہور ہے کہ ذبح کرنے والے کی بخشش نہ ہوگی سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ ۲: بعضے کہتے ہیں کہ جس چاقو سے جانور ذبح کیا جاوے اس کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس چاقو میں تین کیلیں ہوں، سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ ۳: مشہور ہے کہ ولد الزنا کا ذبیحہ درست نہیں سمجھتے، سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ ۴: بعض عوام عورتوں کے ذبیحہ کو درست نہیں سمجھتے، سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ ۵: بعضے عوام میں مشہور ہے کہ ذابح کے معین پر بسم اللہ، اللہ اکبر کہنا واجب ہے، سو یہ محض غلط ہے۔..... مسئلہ ۶: بعضے عوام سمجھتے ہیں کہ ذبح کی اعانت کرنے والا مثلاً جانور پکڑنے والا کافر ہو تو ذبیحہ حلال نہیں یہ سمجھنا بالکل غلط ہے۔

مسئلہ ۷: مشہور ہے کہ جب انڈا توڑا جاتا ہے تو اس پر پہلے یہ تکبیر پڑھ لی جائے۔ سفید انڈہ تربتر نہ اس کے ٹانگیں نہ اس کا سر، سنت خلیل اللہ، اللہ اکبر سو اس کی اصل نہیں۔

مسئلہ ۸: مشہور ہے کہ عورت کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں، سو یہ غلط بات ہے۔

لباس وزینت وپردہ

مسئلہ ۱: عوام میں مشہور ہے کہ مریدنی کو پیر سے پردہ نہیں، سو یہ محض غلط ہے جیسے اور مرد ہیں ایسا ہی پیر ہے۔

مسئلہ ۲: بعضی عورتیں سمجھتی ہیں کہ جس عورت کے ہاتھ میں چوڑی نہ ہو یا کم از کم ایک بھی ناخن میں مہندی نہ ہو اس کے ہاتھ کا پانی مکروہ ہے، سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ ۳: بعض عوام یہ سمجھتے ہیں کہ نیا جوتا اور نیا کپڑا پہننے سے اس کے ذمہ حساب ہو جاتا ہے لیکن رجب سے رمضان کے آخری جمعہ تک یا آخری جمعہ کو پہننے سے وہ بے حساب ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے نئے کپڑے اسی مدت میں پہن لے، بعضے کئی کئی جوڑے ایک دم پہن لیتے ہیں، سو یہ سب محض غلط ہے۔

مسئلہ ۴: بعض عورتیں سمجھتی ہیں کہ عورت کے بائیں ہاتھ میں کوئی نشانی عورت ہونے کی جیسے چوڑی، چھلہ ہونا ضروری ہے سو یہ محض غلط ہے۔
مسئلہ ۵: بعض عورتیں صرف عدت میں نامحرم سے سر ڈھانپنے کو لازم سمجھتی ہیں اور ویسے نہیں یہ محض غلط ہے...... مسئلہ ۶: بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ عمامہ باندھنے کے لیے بیٹھ جاتے ہیں اور بعض بیٹھے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں۔

سلام، مصافحہ، اُٹھنا، بیٹھنا، ملنا جلنا (معاشرات)

بعض لوگ سلام علیک کرتے وقت ماتھے پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں یا جھک جاتے ہیں اور بعض مصافحہ کر کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہیں، یہ سب خلافِ شرع اور بے اصل ہے۔

کھانا پینا

مسئلہ ۱: مشہور ہے کہ دعوت میں سے بھوکا اُٹھنا منع ہے، سو اس کی کوئی اصل نہیں۔
مسئلہ ۲: بہت مشہور ہے کہ جھوٹا پانی کھڑا ہو کر پینا ثواب سمجھتے ہیں، سو اس کی کوئی اصل نظر سے گزری نہ کسی محقق سے سنا...... مسئلہ ۳: بعض عوام کہتے ہیں کہ اگر گوشت میں ہڈی نہ ہو تو وہ گوشت مکروہ ہو جاتا ہے، سو یہ محض بے اصل ہے۔
مسئلہ ۴: اکثر عورتیں مردوں سے پہلے کھانا کھانے کو شرعاً معیوب سمجھتی ہیں، یہ بے اصل بات ہے...... مسئلہ ۵: اکثر عوام میں دستور ہے کہ اگر کوئی شخص کھانا کھاتے وقت دوسرے شخص کو کھانا کھانے کیلئے بلاتا ہے اور اس کو منظور نہیں ہوتا تو اس کے جواب میں کہا کرتے ہیں کہ بسم اللہ کرو۔ بس چونکہ اس لفظ کا استعمال کرنا شرعاً ثابت نہیں ہے لہٰذا ترک کر دینا چاہیے اور اس کی جگہ اور کلمے جیسے بارک اللہ وغیرہ کہہ دینا چاہیے۔

شگون و فال

مسئلہ ۱: بعضے کہتے ہیں کہ فلاں جانور کے بولنے سے موت پھیلتی ہے، سو یہ محض بے

اصل ہے۔..... مسئلہ ۲: بعض طلبہ کو سبق کے باب میں اس کا معتقد دیکھا ہے۔ اذافات السبت فات السبت سو اس کو اگر قضیہ اتفاقیہ سمجھا جاوے تو خیر لیکن لزومیہ سمجھنا بے اصل اور اختراع ہے اور شعبہ ہے تاثیر ایام کے قائل ہونے کا جو شعبہ ہے نجوم کا۔

مسئلہ ۳: اسی طرح بعض طلبہ کو بدھ کے روز کتاب شروع کرنے کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اس کو کسی روایت کی طرح مستند سمجھتے ہیں۔ سو اس بات میں کوئی روایت ثابت نہیں۔..... مسئلہ ۴: بعض عوام سمجھتے ہیں کہ مرد کی بائیں آنکھ اور عورت کی دائیں آنکھ پھڑکنے سے کوئی مصیبت، رنج اور اس کے برعکس ہونے سے خوشی پیش آتی ہے، سو یہ محض غلط خیال ہے۔

مسئلہ ۵: بعض عوام صبح کے وقت کسی مقام جیسے نانوتہ، کیرانہ وغیرہ یا کسی جانور جیسے سانپ سُور وغیرہ کے نام لینے کو منحوس اور برا سمجھتے ہیں یہ بالکل لغو بات ہے۔

مسئلہ ۶: بعضے عوام کسی خاص دن یا کسی وقت میں سفر کرنے کو برا یا اچھا سمجھتے ہیں، یہ کفار یا نجومیوں کا اعتقاد ہے۔..... مسئلہ ۷: اکثر عوام کہتے ہیں کہ ہتھیلی میں خارش ہونے سے مال ملتا ہے اور تلوے میں خارش ہونے سے یا جوتے پر جوتا چڑھنے سے سفر درپیش ہوتا ہے، یہ سب لغو اور مہمل بات ہے۔

مسئلہ ۸: بعض عورتیں مکان کی منڈیر پر کوے کے بولنے سے کسی مہمان کی آمد کا شگون لیتی ہیں، یہ خیال گناہ ہے۔

مسئلہ ۹: اکثر عوام سمجھتے ہیں کہ ڈوئی مارنے سے ہوکا ہو جاتا ہے یعنی جس کے ڈوئی ماری جائے وہ کھانا زیادہ کھانے لگتا ہے، یہ بالکل بے اصل بات ہے۔

مسئلہ ۱۰: عوام میں رائج ہے کہ کسی دوسرے کے ہاتھ سے جھاڑو لگ جائے تو وہ معیوب سمجھتا ہے اور برا مان کر کہتا ہے کہ میں کنوئیں میں نمک ڈال دوں گا جس سے تیرے منہ پر چھائیاں پڑ جائیں گی، یہ بھی محض بے اصل ہے۔

مسئلہ ۱۱: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جھاڑو مارنے سے مضروب الیہ کا جسم سوکھ

جاتا ہے، جھاڑو پر تھتکار دو۔ سو یہ بات محض بے اصل ہے۔

مسئلہ۱۲: ہمارے یہاں مروج ہے کہ جب کوئی آدمی کہیں جا رہا ہو اور اس کو پیچھے سے بلایا جائے تو وہ لڑائی لڑنے پر تیار ہو جاتا ہے کہ مجھے پیچھے سے تم نے کیوں بلایا ہے کیونکہ میرا کام نہیں ہوگا، سو اس بات کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

مسئلہ۱۳: ہمارے یہاں عورتیں کوّے کے بولنے سے مہمان کے آنے کا شگون لیتی ہیں، سو یہ بے اصل ہے۔..... مسئلہ۱۴: ہمارے یہاں عورتیں چکی کا ہاتھا چھوٹنے سے مہمان کے آنے کا شگون لیتی ہیں، سو یہ مہمل بات ہے۔

مسئلہ۱۵: عموماً عورتوں میں مشہور ہے کہ صحنک سے آٹا اُڑنے سے مہمان آتا ہے سو یہ محض غلط ہے۔..... مسئلہ۱۶: بعض لوگ جوتے پر جوتا چڑھ جانے سے سفر درپیش آنے کا شگون لیتے ہیں، سو یہ بے اصل اور لغو بات ہے۔

مسئلہ۱۷: مشہور ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلی میں خارش ہونے سے کچھ ملتا ہے اس کی کچھ اصل نہیں۔ مسئلہ۱۸: ہمارے یہاں ایک شعر مشہور ہے: ''منگل بدھ نہ جاویں ہاڑ، جوتی باڑی آویں باڑ'' اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

مسئلہ۱۹: لوگوں میں مشہور ہے کہ شام کے وقت مرغا اذان دے تو اسے فوراً ذبح کرلو کیونکہ یہ اچھا نہیں۔ سو اس کی کوئی اصل نہیں۔ مسئلہ۲۰: لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر مرغی اذان دے تو اسے فوراً ذبح کرلو کیونکہ اس سے وبا پھیلتی ہے، سو یہ غلط بات ہے۔

مسئلہ۲۱: اگر مریض کے لیے دو آدمی حکیم کو بلانے جاویں تو اسے برا سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اب مریض صحت یاب نہیں ہوگا، سو یہ غلط بات ہے۔

مسئلہ۲۲: جب کوئی نئی دُلہن کنوئیں پر پانی لینے جاوے تو اس کو تاکید کی جاتی ہے کہ پہلے کنوئیں پر چراغ جلایا جاوے پھر پانی لایا جاوے، سو یہ غلط بلکہ شرک ہے۔

مسئلہ۲۳: دستور ہے کہ جب کہیں کوئی جا رہا ہو اور کوئی چھینک دیوے تو جانے والا واپس چلا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اب کام نہیں ہوگا، سو یہ غلط ہے۔

متفرق مسئلے

مسئلہ ا: عوام میں مشہور ہے کہ رو پے نے بہت دنوں تک (یا عزیز) کا وظیفہ پڑھا ہے سواس کی کچھ اصل نہیں۔..... مسئلہ ۲: مشہور ہے کہ عصر اور مغرب کے درمیان کھانا پینا برا ہے اور اس کی وجہ یہ تصنیف کی ہے کہ مرتے وقت یہی وقت نظر آتا ہے اور شیطان پیشاب کا پیالہ پینے کے لیے لاتا ہے، سو اگر کھانے پینے کی عادت نہ ہوگی تو انکار کر دے گا، شرع میں اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

مسئلہ ۳: مشہور ہے کہ ہاتھ میں بید رکھنا درست نہیں، یزید نے ہاتھ میں رکھا تھا، یہ بھی محض غلط ہے۔..... مسئلہ ۴: مشہور ہے کہ جھاؤ کی لکڑی کا استعمال دُرست نہیں، سو یہ بھی محض غلط ہے۔ مسئلہ ۵: مشہور ہے کہ میاں بیوی ایک پیر کے مرید نہ ہوں ورنہ بہن بھائی ہو جاتے ہیں، یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ ۶: مشہور ہے کہ حرام مال مطلقاً مول لینے سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بدل لینے سے حلال ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی نے کوئی چیز چرائی یا پھل آنے سے پہلے بہار خرید لی، پھر وہ چیز یا پھل بازار میں فروخت ہونے کے لیے آیا تو بعضے آدمی یوں سمجھتے ہیں کہ جب ہم نے دام لے کر مول لیا تو وہ ہمارے لیے درست ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے رشوت لی، پھر کسی سے روپیہ بدل لیا تو یوں سمجھتے ہیں کہ بدلہ کا روپیہ دُرست ہو گیا۔ سو یہ دونوں باتیں محض غلط ہیں، وہ مسئلہ اور ہے جس کو لوگوں نے غلط سمجھ لیا ہے۔

مسئلہ ۷: مشہور ہے کہ ڈھیکلی کا پانی پینا دُرست نہیں، سو یہ بھی محض غلط ہے۔

مسئلہ ۸: مشہور ہے کہ رات کے وقت درخت نہ ہلائے کہ وہ بے چین ہوتا ہے۔ یہ بھی محض بے اصل ہے۔..... مسئلہ ۹: مشہور ہے کہ تسبیح اس طرح سیدھی اس طرح اُلٹی اور اس طرح پڑھے اور اس طرح نہ پڑھے۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

مسئلہ ۱۰: مشہور ہے کہ سوتے میں قطب شمالی کی طرف پاؤں نہ کرے، سو اس کی

کچھ اصل نہیں۔ مسئلہ ۱۱: بعض عورتیں سمجھتی ہیں کہ اگر بلی نقصان بھی کرے تو بس صرف موسل میں گالا روئی کا باندھ کر مارنا دُرست ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح مارا تھا، تو یہ مسئلہ اور حدیث دونوں غلط ہیں۔

مسئلہ ۱۲: غسل خانہ اور پاخانہ میں بات کرنے کو عوام ناجائز سمجھتے ہیں، سو اس کی کچھ اصل نہیں، البتہ بلاضرورت باتیں نہ کریں۔

مسئلہ ۱۳: عوام میں بعض اعمال چور کے معلوم کرنے کے لیے جائز اور حجت سمجھتے ہیں، سو سمجھ لینا چاہیے نہ جائز ہیں نہ شرعاً حجت ہیں اور جس فن کا وہ عمل ہے اس کے اُصول سے وہ عمل قابل اعتماد نہیں وہ بالکل خیال کے تابع ہے حتیٰ کہ اگر دو عامل مختلف دو شخصوں پر گمان چوری کا رکھتے ہیں تو ہر عامل کے عمل کا الگ الگ نام نکل آوے گا بلکہ ان عاملوں کو فرضی نام بھی بتلا دیئے جاویں تو اس عمل سے وہی نام نکل آویں گے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عمل کوئی چیز نہیں۔

مسئلہ ۱۴: یہ عادت بہت شائع ہے کہ اگر نعوذ باللہ قرآن مجید کی بے ادبی ہو جائے تو اس کے برابر اناج تول کر تصدق کرتے ہیں اس میں اصل مقصود تو بہت مستحسن و قرین مصلحت ہے کہ بطور کفارہ اور جرمانہ کے صدقہ دیا جاتا ہے اس میں نفس کا بھی انتظام ہے کہ آئندہ احتیاط رکھے لیکن دو امر اس میں بے اصل اور قابل اصلاح ہیں۔
ایک یہ کہ قرآن مجید کو ترازو میں اناج کے برابر کرنے کے لیے رکھتے ہیں۔
دوسرا یہ کہ اس کو واجب شرعی سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا کریں کہ محض مصلحت مذکورہ کی بنا پر تخمینہ سے کچھ غلہ دے دیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

مسئلہ ۱۵: بعض کہتے ہیں کہ عورتوں کو استرہ سے ناپاکی کے بال لینا منع ہے۔ سو یہ غلط بات ہے۔ طبعاً مناسب نہ ہو مگر شرعاً گناہ نہیں۔

مسئلہ ۱۶: بعض لوگ رات کو جھاڑو دینے کو یا منہ سے چراغ گل کرنے کو یا دوسرے کے کنگھا کرنے کو اگرچہ بااجازت ہو برا سمجھتے ہیں۔ اس کی کچھ اصل نہیں۔

مسئلہ ۱۷: بعض سے مہر کے بارے میں سنا گیا ہے کہ "اذا ثنی ثُلِث الثنی اگر کسی ضرورت سے دوسری بار مہر لگانا پڑے تو تیسری بار بھی ضرور لگادے۔اس کی کچھ اصل نہیں۔

مسئلہ ۱۸: بعض کو خاص استخارہ اس غرض سے بتلاتے دیکھا ہے کہ اس سے کوئی واقعہ ماضیہ یا مستقبلیہ معلوم ہوجاوے گا۔سو استخارہ اس غرض کے لیے شریعت میں منقول نہیں بلکہ وہ تو محض کسی امر کے کرنے نہ کرنے کا تردد رفع کرنے کے لیے ہے نہ کہ واقعات معلوم کرنے کے لیے بلکہ ایسے استخارہ کے ثمرہ پر یقین کرنا بھی ناجائز ہے۔

مسئلہ ۱۹: بعض عاملوں کو تو گو وہ اہل علم ہی ہوں، بعض عملیات میں دن وغیرہ کی قید کی رعایت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔سو یہ شعبہ نجوم کا ہے اور واجب الترک ہے اور یہ خیال کہ یہ عمل کی شرط ہے محض غلط ہے۔میں نے ایسے اعمال میں یہ قید بالکل حذف کردی ہے اور پھر بھی بفضلہ تعالیٰ اثر میں کوئی کمی نہیں ہوتی عمل کا اثر زیادہ تر خیال سے ہوتا ہے۔ان قیود کو اس میں کوئی دخل نہیں، یہ سب دعوے ہیں عاملوں کے۔

مسئلہ ۲۰: مشہور ہے کہ زمین پر نمک گرادینے سے قیامت کے دن پلکوں سے اُٹھانا پڑے گا، یہ بھی محض بے اصل ہے۔.....مسئلہ ۲۱: بعض عوام کہتے ہیں کہ جمائی آنے پر ہاتھ نہ رکھنے سے شیطان منہ میں تھوک دیتا ہے، یہ غلط ہے البتہ حدیث سے اتنا ضرور ثابت ہے کہ اس وقت ہاتھ نہ رکھنے سے شیطان پیٹ میں گھس کر ہنستا ہے۔.....مسئلہ ۲۲: مشہور ہے کہ مریض کے لیے جب حکیم کو بلانے جانا ہو تو گھوڑے پر زین مت لگاؤ، سو یہ غلط ہے۔.....مسئلہ ۲۳: بعض عوام کہتے ہیں کہ سُرمہ کی سلائی پر تین مرتبہ سورۂ اخلاص دم کرکے آنکھوں میں سُرمہ لگانا چاہیے، یہ بے اصل بات ہے۔

الحمدللہ! مقالات حکیم الامت جلد 80 تکمیل کو پہنچی۔

دورۂ تفسیر کے طلباء وطالبات کیلئے عظیم خوشخبری

حکیم الامتؒ تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر بیانُ القرآنؒ

کے متعلق مطبوعہ 3 عظیم شاہکار تحفے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر ''بیان القرآن'' کے متعلق آپ کے مزاج شناس اور ذوق آشنا حضرات خلفاء کرام کی درج ذیل مستند... معتمد... معتبر... تیسیر وتسہیل اور تشریح منظر عام پر آچکی ہیں۔

آسانؒ بیانُ القرآنؒ

تفسیر بیان القرآن کی معتبر ومعتمد تسہیل

جسے حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے علوم ومعارف کے صحیح ومستند ترجمان وشارح شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ نے تسہیل فرمایا ہے۔

جو حضرات حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی مستند تفسیر کے مطالعہ کی تمنا رکھتے ہیں ان کے لیے یہ آسان تفسیر بڑی نعمت ہے۔

خُلاصۂ تفسیر بیانُ القرآنؒ

از مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

یہ تفسیر بقول حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ درحقیقت ''بیان القرآن'' کا خلاصہ مع تسہیل ہے جو کم فرصت والوں کیلئے فہم قرآن کا مستند اور بہترین ذریعہ ہے

اہل علم کے نزدیک یہ خلاصہ گویا مختصر تفسیر جلالین ہے۔

مُکمّل بیانُ القرآنؒ تفسیر

پاکستان میں پہلی مرتبہ کمپیوٹر ایڈیشن

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں

''بیانُ القرآن کے اب تک جتنے ایڈیشن دیکھے ہیں ماشاء اللہ یہ ایڈیشن ان سب سے بہتر اور ممتاز ہے''۔

امپورٹڈ پیپر دو جلد خوبصورت بکس میں پیک

مستحق طلباء یہ تینوں تفاسیر معمولی قیمت پر حاصل کرنے کیلئے رابطہ فرمائیے

فون کیجیے گھر بیٹھے تمام دینی کتب رعایتی قیمت پر بذریعہ ڈاک حاصل کرنے کیلئے رابطہ فرمائیں

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ مُلتان

0322-6180738,061-4519240